بقیة السلف داعئ کبیر

حضرت مولانا ابراهیم دیولوی صاحب دامت برکاتهم العالیه

بیانات

حضرت مولانا ابراہیم دیولا

مقیم بنگلہ والی مسجد حضرت نظام الدین (دہلی)

جلد اول

مرتب

عبدالودود ندوی

ناشر

دار النور

سلسلہ اشاعت (۱)

اجازتِ طباعت
بغیر ترمیم اور حذف واضافہ

کتاب کانام : بیانات حضرت مولانا ابراہیم (دیولہ)

ناشر : دارالنور

دوسرا ایڈیشن: مئی/ ۲۰۱۶م

کسی بھی قسم کی غلطی کی اطلاع اور حضرت کے اجتماعات یا علماء کے درمیان کیے گئے دیگر بیانات درج ذیل پتہ پر ارسال کر سکتے ہیں، تاکہ نشر واشاعت کے اس عمل کے ثواب میں آپ بھی شریک ہو سکیں.

ABWADOOD2007@GMAIL.COM

دارالنور
راجہ جی پورم، لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست کتاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مرتب

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين.

موجودہ وقت میں دعوت وتبلیغ کی عظیم محنت سے پوری دنیا میں جو اسلامی اخوت و بھائی چارگی کی فضا قائم ہوئی، اور نوجوانوں کے اندر جو دینی شعور بیدار ہوا اسکا انکار ایک حقیقت کا انکار ہے، ہر اسلامی ذہن رکھنے والا شخص صاف دل سے اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے، حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے نصف صدی سے زائد قبل اس کام کا آغاز ایسی سرزمین سے کیا تھا جو دنیوی ترقی اور عصری تہذیب وثقافت سے دور، اور اسلامی تعلیمات اور دینی شعائر سے ناواقف تھی، مولانا نے اس بنجر زمین میں عظیم دعوتی کام کی تخم ریزی کی جس کے ثمر آور درختوں سے ایک جہان فیضیاب ہو رہا ہے۔

اس کام کی وسعت وہمہ گیریت، جامعیت وعالمگیرت کے ساتھ ساتھ ایک بڑی خصوصیت یہ کہ دنیا کے ہر گوشہ میں-مشرق سے مغرب تک، شمال سے جنوب تک- ایک ہی نہج اور ایک ہی فکر کے ساتھ جاری وساری ہے، دعوت کی اس عظیم محنت کو شروع ہی سے نامور علماء ربانین کی محنت اور رہنمائی حاصل ہوتی رہی، جنہوں نے اس کار عظیم کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیا تھا، جس کے لئے ہر طرح کی قربانیاں پیش کیں، ہر قسم کی تکالیف اور پریشانیوں کو بخوشی قبول کیا، بعض نے عرب ممالک میں اس کام کی فضا ہموار کی، تو بعض نے اسپین اور یورپ وامریکہ میں کام کی بنیاد ڈالی، ان بزگان دین میں خود بانی دعوت وتبلیغ حضرت مولانا الیاس علیہ الرحمۃ، آپ کے لائق فرزند حضرت مولانا یوسف علیہ الرحمۃ اور حضرت مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کو اللہ تبارک وتعالی نے اس کار عظیم کے وجود وترقی کا سبب بنایا، اسی طرح حضرت مولانا سید ابوالحسن علي حسنی ندوی علیہ الرحمۃ، حضرت

مولانا عمر پالنپوری، حضرت مولانا عبید اللہ بلیاوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں.

انہی بزرگان دین کی اہم کڑی صاحب بیانات حضرت مولانا ابراہیم دیولا (گجراتی) ہیں، جن کو اللہ تعالی نے کام کے نہج کو سمجھانے اور نئے طبقات کو مطمئن کرنے اور علماء کو دعوتی کام کی طرف رغبت دلانے کا عظیم ملکہ عطا فرمایا ہے.

آپ عرصۂ دراز سے بنگلہ والی مسجد حضرت نظام الدین دہلی میں مقیم ہیں، اور مدرسہ کاشف العلوم میں اپنی تدریسی خدمات کے ذریعہ طلبہ علوم نبوت کو فیضیاب کر رہے ہیں، آپ سادگی اور تواضع کے پیکر، کم گوئی اور ذکر و شکر کی عظیم صفات سے متصف ہیں.

آپ کے بیانات کا اسلوب سہل اور بہت ہی آسان ہوتا ہے، قرآن وحدیث کے حوالوں کے ساتھ دعوت، اور دعوت کے طریقہ کار کو عام فہم مثالوں کے پیرائے بیان کرتے ہیں، جس سے سامعین اور دعوتی احباب کے اندر کام کی فکر، اور دعوتی صفات کو زندگی میں نافذ کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے.

اللہ رب العزت کا شکر و احسان ہے جس نے راقم کو اس عظیم کام کی توفیق عطا فرمائی، راقم شکر گذار ہے جناب مولانا احمد حسین گودھرا، اور جناب زکریا صاحب گجراتی کا جنہوں نے اس جانب توجہ دلائی، اور ابتداء سے طباعت تک تمام مراحل کی ذمہ داری سنبھالی، ان بیانات کو ترتیب دینے کا کام صاحب بیانات کو اطلاع دیئے بغیر شروع کر دیا گیا تھا، کیونکہ آپ کی طبیعت اخفا اور سادگی کی وجہ سے ممکن تھا کہ اجازت نہ مل پاتی، تاہم بیانات کی افادیت کو دیکھتے ہوئے بعض مخلص احباب کے مشورہ کے بعد کام شروع کیا گیا، اور اللہ تبارک وتعالی نے پائے تکمیل تک پہونچا دیا.

اللہ رب العزت محض اپنی اس محنت کو قبول فرمائے! اور اسکا نفع عام فرمائے. آمین.

مرتب

۱۸/۰۱/۱۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان نمبر (۱)

اللہ تعالیٰ کی حکمت
اور
اس کی قدرت

﴿۲۰۱۳/۰۳/۲۲، راے ونڈ﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا و من سيئات أعمالنا، من يهده الله فلامضل له، و من يضلله فلا هادي له، و نشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريك له، و نشهد أن سيدنا محمداً عبده و رسوله صلى الله تعالى عليه و على آله و صحبه و بارك وسلم تسليما كثيراً كثيراً، أما بعد!

فاعوذبالله من الشيطان الرجيم. بسم الله الرحمن الرحيم.

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰئِكَةُ أَنْ لَا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَأَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ، نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ، نُزُلًا مِنْ غَفُوْرٍ رَحِيْمٍ، وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِمَّنْ دَعَا إِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾. صدق الله العظيم.

اللہ کے وعدے کب پورے ہوتے ہیں؟

میرے بزرگو پیارے بھائیو!

بات دھیان سے سنیں، اللہ پاک نے ہم لوگوں کو ایک ذمہ داری دی ہے، ایک کام دیا ہے، دین کا عظیم کام...... یہاں جتنے اچھے حالات کا آدمی تصور کرتا ہے ان تمام حالات کا تعلق باہر کی چیزوں سے نہیں ہے، بلکہ اندر سے ہے، دین زندگیوں میں آجاوے، اور دین کا جو حق ہے اس حق کو پورا کرنے کی نیت ہو جاوے، تو اس پر اللہ تعالیٰ اپنے وعدے پورے کریں گے۔

سب سے بڑا انعام:

سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ اللہ پاک دین کی وجہ سے اوران کے حقوق ماننے کی وجہ سے بندہ کے ساتھ ہوجائیں گے ﴿إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [سورۃ:الأنفال،آیت: ۱۹] اللہ پاک تو ایمان والوں کیساتھ ہیں۔﴿إِنّ اللّٰه مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ [سورۃ:البقرۃ، آیت:۱۹۴، التوبۃ،آیت:۳۶، **التوبۃ**،آیت:۱۲۲] اللہ تعالیٰ توڈرنے والوں کے ساتھ ہیں۔اور اللہ تعالیٰ اپنے ڈرنے والوں کی کوششوں کوقبول فرماتا ہے،ان کی عبادتیں قبول فرماتا ہے......ان کی دعائیں قبول فرماتا ہے......ان کی اطاعتیں قبول فرماتا ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارتیں ہیں،تو گویا اللہ میرے ساتھ ہے،اور اللہ کیساتھ ہونے کی وجہ سے ہی کام چل بھی رہا ہے۔

دین کا کام ظاہری اسباب سے نہیں چلتا:

یہ خاص بات ہے کہ دین کا یہ کام صرف ظاہری اسباب سے چلنے والانہیں ہے،جس طرح دنیا کا کوئی کام ظاہری اسباب اور وسائل سے چلتا ہے،جیسے مال سے.....ملک سے.....زمینوں سے.....جائدادوں سے،مگر یہ کام ان چیزوں سے چلنے واالانہیں ہے، بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے چلے گا،اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے چلے گا،اور اللہ تعالیٰ ہر اس آدمی کی مدد کریں گے جو اس کے دین کا کام کرے گا،جو اللہ کیلئے کریگا وہ اللہ کی مدد پاوے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعداد اور اسباب کم تھے:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی میں ہم کو یہ ملتا ہے کہ آپ کے ساتھ اسباب اور وسائل اور لوگوں کی تعداد ہمیشہ کم رہی ہے،تعداد بھی کم رہی اور اسباب بھی کم رہے،اور

مال تو آپ نے لیا ہی نہیں، مال کی پیشکش لوگوں کی طرف سے ہوئی تھی، مکہ والوں نے کہا کہ ہم مال آپ کیلئے جمع کریں آپ ہم میں سب سے بڑا مالدار بن جاویں، یہ آپ نے منظور نہیں فرمایا، پھر کہا کہ ہم آپ کو بڑا بنادیں اور آپ کو اپنا بڑا مان لیں، تو اس کو بھی قبول نہیں فرمایا، پھر اللہ کی طرف سے بات آئی کہ ہم آپ کیلئے مکہ کے پہاڑوں کو سونا بنادیں۔ مکہ کے پہاڑ جو باہر ہیں وہ بڑے بڑے پہاڑ ہیں۔ سونا ہو جائیں، اور آپ جیسا چاہیں ان کا استعمال اپنی دعوت میں کریں، اپنی تبلیغ میں کریں، اور آپ کو بادشاہ بنادیں آپ بادشاہ ہو جاویں، آپ اپنا حکم جاری کریں، تو اس کے جواب میں عرض کیا کہ میں تو اللہ کا بندہ بنکر کام کرنا چاہتا ہوں..... بڑا بن کر نہیں..... رئیس بنکر نہیں..... اگر اللہ کھلاویں تو اس کے کھلانے پر ان کا شکر ادا کروں، اور اگر کام کے دوران بھوک آجاوے تو بھوک پر صبر کروں، یہ تھا طریقۂ صحابہ، اور ان کے چلنے کا راستہ یہ سب کے لئے بڑا انعام ہے، اور سب کے لئے بڑی آسانی ہوگئی۔

اگر آپ ﷺ مال قبول کرتے تو رکاوٹیں پیدا ہو جاتیں:

اگر آپ مال قبول فرماتے اور مال سے کام کرتے تو کام میں ہزاروں صعوبتیں ہو جاتیں، غریب کہتے کہ ہمارے پاس تو مال ہے نہیں ہم کام کیسے کریں! اور اگر آپ ریاست وعہدہ اور منصب قبول فرماتے ..... تو کہتے اللہ آپ کے ساتھ ہے، باقی لوگ کہتے ہمارے ساتھ تو ہے نہیں، ہمارے پاس طاقت نہیں کوئی پاور نہیں ہم کیا کریں گے؟ وہ ہاتھ اٹھا لیتے، اب کسی کے لئے ہاتھ اٹھا لینے کا بہانہ باقی نہیں رہی، اس لئے کہ اسلام کو مال پر..... ملک پر..... چیزوں پر..... قائم نہیں کیا، تو کس پر قائم کیا؟؟؟ یہ اپنے خلوص پر قائم کیا، جو اللہ کو مان کر اس کے دین کو حق مان کر اللہ کے لئے کام کریگا اللہ اس کا ساتھ دیں گے۔ بس سب کیلئے راستہ کھل گیا اور کام رحمت بن گیا۔ کہ غریب بھی کام کرسکتا ہے۔

صحابہ کرام کا دین کے لئے خرچ کرنے کا جذبہ:

ایک دفعہ آپ نے مال کی فرمائش کی کہ مال کی ضرورت ہے، تو ایک صاحب مال لائے، مالدار آدمی نے چھ سو من کھجوریں لا کے پیش کیں، یہ لیجئے، ایک آدمی ایک کلو کھجور لایا۔ عرض کیا کہ میں نے رات بھر مزدوری کر کے دو کلو کھجور کمایا بچوں کیلئے کچھ تھا نہیں آدھا ان کو دیکر آیا، اور آدھا آپ کی فرمائش...... حاضر ہے، آپ نے اسے بھی قبول فرمایا اور اس کو اس ڈھیر پر ڈلوایا۔ یہ مثال قائم ہوئی، آپ کے زمانے میں غریب بھی صدقہ کرتے تھے، دنیا میں رواج تو یہ ہے کہ غریب صدقہ لے..... مگر آپ کے زمانے میں غریب صدقہ دیتے تھے، وہ کیسے دیتے تھے! جو کماتے تھے اسی میں سے ادا کرتے، جس کی مثال ابھی گذری، کہ کمایا اپنے لئے اس میں سے کچھ صدقہ دے دیا...... منافق صدقہ کی اہمیت جتاتے تھے...... یہ بھی انگلی کٹا کے شہیدوں میں نام لکھوا رہا ہے..... لیکن اللہ کے یہاں ..... رسول اللہ کے یہاں ..... صحابہ کی بڑی قدر تھی...... کہ تھوڑے میں سے تھوڑا دے۔

سب سے افضل صدقہ:

آپ ﷺ سے پوچھا گیا "یَارَسُوْلَ اللهِ! أَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: جُهْدُ المُقِلِّ، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ" [رواه أبو داؤد، باب في الرخصة في ذلك، حديث نمبر: ۱۶۷۹] کہ کون سا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا تنگی والے کا صدقہ؟ کہ وہ مشقت سے لاتا ہے..... اور اس میں سے تھوڑا دیتا ہے، وہ تھوڑا سا اللہ کے یہاں صدقہ افضل ہے۔

ہمارے یہاں بیان کے بعد لوگوں کو جوڑ جوڑ کر بات کرتے ہیں، ایک ساتھی سے بات ہوئی آپ کب سے آئیں ہیں کتنے وقت کیلئے آئیں ہیں؟ تو وقت بتایا، کتنا خرچہ ہے؟ کہا میرے پاس ۵۰ روپئے ہیں اور کہا میرے گھر میں پچاس ہی روپئے تھے، اور سب لے کر آ گیا، ایک آدمی پچاس ہزار کی جماعت میں جاتا ہے، اور ان کے گھر میں

پچاس ہزار اور بھی ہیں، یہ شخص پچاس روپیہ لیکر آتا ہے اور اس کے گھر میں اس کے علاوہ نہیں ہے۔ اسلئے فرمایا جهد المقل، کمی والے کا صدقہ افضل ہے۔

اللہ نے کام کو آسان بنایا:

پھر ہر ایک کو ہمت دلائی ہر ایک کو امید دلائی، ہر ایک کا حوصلہ بڑھایا کہ یہاں معاملہ تمہارے خلوص پر ہے، کہ پچاس روپے دینے والا مخلص ہے، لوگ اس کی تعریف کردیں گے، اور اس کا بھی نام آویگا یہ تو اپنی جان مال لگا کر اللہ کو خوش کرلیگا..... ایسے میں ہی عرض کیا کہ اس کام کو مال و متاع کی زیادتی پر نہیں رکھا..... جیسا کہ دنیا میں رواج ہے، اسلئے یہ کام بھوک کیساتھ بھی ہوجاتا ہے، کھانا نہیں ہے..... بھوک کے ساتھ کام کیا، اور بھوک بھی اتنی کہ برداشت کے قابل نہیں..... پتھر باندھے ہوئے ہیں..... تا کہ پیٹ کو کام کیلئے تقویت ملے..... تو پیٹ پر پتھر باندھ کر کے کام کیا..... پیدل چل کر کام کیا..... اور پیدل چلنے والوں کیلئے راستہ کھل گیا، جن کے پاس کھانا نہیں ہے، ان کے لئے بھی راستہ کھولدیا..... اور جن کے پاس مال ہے ان کے لئے بھی کھولدیا، یہ رحمت کہلاتی ہے..... یہ نعمت ہوگئی۔

حضرت عثمان کا جذبہ:

تبوک کے موقع پر مال کی فرمائش کی..... تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ پیشکش کی کہ جو مجمع آپ کے ساتھ جائے گا اس کے ایک تہائی کا خرچہ میرے ذمہ ہوگا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے والوں کی کم سے کم مقدار جوڑی گئی ہے وہ تیس ہزار ہے، اور بھی روایت ہے، تیس ہزار کا ایک تہائی کتنا ہوا؟ دس ہزار..... تو دس ہزار کا خرچہ اپنے ذمہ لیا، چونکہ تنگی کا سال تھا..... قحط سالی تھی..... گرمی کے دن تھے، مسافت بھی دور

تھی، دس ہزار آدمی کا خرچہ اپنے ذمہ لیا، اور خرچ کا مسئلہ یہ ہے کہ تمام ضروریات کا انتظام کیا جائے، روایتوں میں ہے کہ اونٹوں پر لادنے کیلئے بوری میں سامان بھرا جاتا تھا، کبھی بوری پھٹ جاوے تو اس کے سلنے کے لئے ستلی اور سووا-اس زمانے میں سلنے کیلئے ہوتا تھا-تو ستلی اور سووا کا بھی انتظام کیا تھا، کہ کسی ساتھی کا سامان بورا پھٹ جاوے...... سفر میں پریشانی ہوتی ہے، چنانچہ ان سب چیزوں کا انتظام کیا......تو انتظام کا یہ مطلب ہے، دس ہزار آدمیوں کا خرچہ آنا جانا کھانا، اور اس کے علاوہ ایک ہزار نقد سونے کے سکے جو اس زمانے میں چلتے تھے، وہ بھی لے آئے، یا رسول اللہ یہ بھی رکھئے، تو آپ اتنے خوش ہوئے کہ مارے خوشی کے اس ہزار والی رقم کو اپنے ہاتھوں میں گود میں الٹاتے تھے، اور فرمایا آج کے بعد عثمان کوئی بھی عمل نہ کرے پھر بھی اس کی کامیابی کیلئے کافی ہے، اس طرح دینے والے بھی تھے، اور ان کو بھی بشارت سنائی۔

دین، رحمت ہے:

یہ طریقہ رحمت کہلاتا ہے، کہ اپنے اپنے بساط اپنی اپنی طاقت کے مطابق آدمی اللہ کے کام میں اپنے آپ کو لگاوے، اپنی ذات بھی.....اپنا مال بھی......اپنے اسباب بھی ......اور نیت کو خالص بناوے، کہ اس کا اللہ کے یہاں درجہ ہے ﴿وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِمَّا عَمِلُوا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ﴾ [سورۃ: فُصِّلَتْ، آیت: ۴۶] ہر ایک کے لئے ان کے عمل کے حساب سے درجہ ہے۔

تو یہ آسانی بتائی اور یہ ذہن بنایا کہ اصل تو اللہ تعالیٰ کی مدد ہے، اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہوگا ﴿وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ﴾ [سورۃ: آل عمران، آیت: ۱۲۶] کہ اصل مدد تو اللہ تعالیٰ کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مدد کا طریقہ الگ ہے:

جب مدد کے اسباب اختیار کیے جائیں گے حق تعالیٰ شانہ اپنی مدد دیں گے، اور اس کی کوئی شکل مقرر نہیں ہے، پتہ نہیں کن کن شکلوں میں اللہ تعالیٰ مدد کرے، عام طور پر دنیا میں مدد کی ایک شکل مقرر ہے، وہ ہے مال..... کہ مدد کی! یعنی: مال دیا، حکومتوں میں بھی یہ رواج ہے کہ مال سے مدد کرنا، اللہ تعالیٰ کی مدد کوئی مخصوص شکل پر نہیں ہے، ہر نبی کی الگ الگ طریقے سے مدد ہوتی ہے، تاکہ پتہ چلے کہ اصل مدد تو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، اصل مدد اللہ اپنی قدرت سے کریں گے، کوئی شکل مقرر نہیں، کہ مدد اسی طریقے سے آئے گی، دنیا میں مدد کے لئے مال بھی آجاتا ہے، اللہ کے پاس مدد کی بہت سی شکلیں ہیں، کسی نبی کی مدد اللہ تعالیٰ نے ہوا سے کی ہے، کسی کی آگ سے مدد کی ہے، حضور ﷺ کی مدد سب سے زیادہ ہوتی ہے، اسباب کم اور مدد سب سے زیادہ ہوتی ہے، کیونکہ سب سے زیادہ بڑی ذمہ داری آپ کی تھی۔

حضور ﷺ کی مدد سب سے زیادہ ہوئی:

آپ کا کام تمام انسانوں اور تمام جناتوں کیلئے ہے۔ اس لئے آپ کی مدد سب سے زیادہ ہوتی ہیں، اور یہی بات رہے گی آخیر تک، کہ اللہ تعالیٰ اپنے کام کرنے والوں کی مدد کریگا، اس میں کوئی شک نہیں ہے، کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے..... کہ جو کام پورا کرے گا ..... اس کے لئے اللہ کی مدد آئے گی۔

اللہ کی غیبی مدد:

حق ہمیشہ اسباب کی کمی کیساتھ پھیلا ہے، اسباب کی زیادتی کیساتھ نہیں پھیلا، باطل تو اسباب کی زیادتی سے پھیلتا ہے، لیکن حق ہمیشہ اسباب کی کمی میں پھیلا ہے، اسباب کم ہیں اور کام کرنے والوں میں خلوص ہے..... اللہ سے ان کا تعلق ہے..... تو اسباب کی کمی میں اللہ تعالیٰ نے کام بنا دیئے، جو جو حاجتیں انکی ہوئی تھیں وہ پوری ہو گئیں، جنگل میں

پانی نہیں تھا.....تو راتوں رات پانی برس گیا، مجمع کیلئے پانی نہیں ہے، مجمع ایسی جگہ پہنچ گیا ہے......کہ وہاں پانی نہیں ہے تو راتوں رات برس گیا، دشمنوں نے اپنی بڑی طاقت جمع کی تھی اِن کے پاس طاقت نہیں ہے تو اللہ نے مدد کے لئے فرشتے نازل کئے......اور کامیابی ملی، اوران کی تعداد تھوڑی.....ان کے اسباب تھوڑے......ان کے لئے پاؤں میں جوتے بھی نہیں......ان کے لئے سواری بھی نہیں ان کے لئے کھانا بھی نہیں ہے..... اور مدد زبردست آ گئی......ایسی مدد آ گئی، لوگوں کے سامنے حق روشن ہوگیا، اور لوگوں کو سمجھ میں آ گیا کہ مدد تو انہیں کی ہوتی ہے۔

خالد بن ولید بہت مخالف تھے مگر احساس اندر سے یہی تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہتے ہیں: یہ آدمی تو ایسا ہے......کہ ان کی تو اوپر سے حفاظت ہوتی ہے...... ابھی وہ اسلام نہیں لائے......مگر ان پر یہ بات کھل گئی......کیوں کہ مدد ہو رہی تھی......ہمیشہ مدد اللہ تعالیٰ ہی نے کی ہے۔

ہمیں اپنے کام میں اللہ تعالیٰ سے پرامید رہنا چاہئے:

حدیثوں میں ہے کہ "اَبْشِرُوْا وَاَمِّلُوْا خیراً" [مسند احمد: حدیث نمبر:۱۹۴۲۹] بشارتیں سنو! اور امیدوار رہو! اللہ تعالیٰ سے، اور ایسے حالات سے جو تمہیں خوش کریں گے، ایسے حالات آنے والے ہیں، کبھی جلدی آتے ہیں اور کبھی کچھ تاخیر بھی ہوتی ہے۔ یہ حکمت کا تقاضا ہے، کبھی حکمت کا تقاضا ہوا تو حالات جلدی سے اچھے بنا دیئے، فوراً مدد آ گئی، فوراً بات قبول ہوگئی......لوگوں نے بات آناً فاناً قبول کرلی.....اور کبھی ایسا ہوا کہ کافی محنت ہوئی اور کوئی نتیجہ نہیں آیا، کیا بات ہے؟ کہ اللہ کی حکمت کا تقاضا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کو حکمت سے جاری کرتے ہیں:

قدرت بھی ظاہر ہوتی ہے اور حکمت بھی ظاہر ہوتی ہے۔ خالی قدرت نہیں ہے کہ اللہ کی

قدرت تو ہر چیز پر حاوی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کو حکمت کیساتھ جاری کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ حکیم ہے، خوبیوں والے ہیں، اپنے کاموں کی خوبیوں کو وہی جانتے ہیں، اس کے نتیجے کو وہی جانتے ہیں۔ اس لئے مسلمان کو اس کا یقین کرنا ہے..... کہ کریگا اللہ اپنی قدرت سے..... لیکن اس طرح نہیں ہوگا جس طرح ہم چاہیں گے...... بلکہ حکمت سے کریں گے۔

اللہ اپنی حکمت سے کام کرتا ہے:

کبھی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے کہ آدمی کی جو مراد ہے وہ اللہ روک لیتے ہیں..... دیتے نہیں ہیں، اور وہ مانگ رہا ہے...... دیر ہو رہی ہے، وہ سوچتا ہے کہ میرے ساتھ ایسا معاملہ کیوں ہو رہا ہے؟ کہ..... اللہ کی حکمت کا تقاضا ہے..... اس کو روکا جاوے، جب حکمت کا تقاضا پورا ہو جاوے گا..... تب کھول دیں گے، یہ اس لئے سمجھایا گیا تاکہ کوئی بھی اللہ کا کام کر کے ناامید نہ ہو۔

شیطان کی چالیں:

حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ فرماتے تھے کہ شیطان غلط خواہشوں میں لوگوں کو پھنساتا ہے، اللہ سے دور کرتا ہے..... اللہ سے ناامید بنا دیتا ہے، دیکھو تم اتنے دنوں سے کام کر رہے ہو اور خوب کر رہے ہو..... اور تقاضے پورے کر رہے ہو...... ہر جگہ پیش پیش رہتے ہو...... اور تمہارے حالات اب تک بنے ہی نہیں، تمہارے دل سے یا جسم سے بیماری گئی ہی نہیں، وغیرہ وغیرہ..... تمہارے ساتھ حالات ہیں، اور تمہارا تعلق اس کام سے ہے، جاہل لوگ بھی کہتے ہیں کہ تو اللہ کا کام کرتا ہے اور اللہ تیرا کام نہیں کرتا ہے، ہمارے سامنے بھی لوگ ایسے ہی بات کرتے ہیں، تو وہ اگر اللہ تعالیٰ کی شان سے جاہل نہ ہوا، اور جان گیا کہ اللہ کی حکمت کا یہی تقاضا ہے، تو وہ ناامید نہیں ہوگا۔

اللہ بندہ کے گمان کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں:

ورنہ وہ بھی اللہ تعالیٰ سے اپنا گمان بگاڑ دیگا، میں سب کام کرتا ہوں اور اللہ میرا کام نہیں کرتا ہے۔ جی ہاں...... جب اللہ سے گمان بگڑا تو بات بگڑ گئی، کہ اللہ تعالیٰ گمان کے مطابق کام کرتا ہے، شیطان خود اللہ سے ناامید ہے، ابلیس کا معنی ہیں ناامیدی.... اللہ کی طرف سے اس پر لعنت کردی قیامت تک...... اس لئے وہ ناامید ہے، تو وہ لوگوں کو بھی ناامیدی کے راستے پر لے جاتا ہے، اور کاٹ دیتا ہے۔

لوگ ناامید ہوکر کام چھوڑ دیتے ہیں:

لوگ کام کرتے کرتے ناامید ہوکر بیٹھ جاتے ہیں، کام چھوڑ دیتے ہیں، ایسے وقت میں ان کو سنبھالنے والے چاہئے، کیا کرنا چاہئے؟ کہ انہیں سنبھالو، اگر اس میں ناامیدی ہے، اور یہ کام کا آدمی ہے تو اسے سنبھالو، اس کا حوصلہ بڑھاؤ کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر کام کا وقت مقرر ہے، پیدا ہونے کا ایک وقت ہے..... مرنے کا ایک وقت ہے...... ایسے ہی کاموں کے نتائج ظاہر ہونے کا ایک وقت اللہ کی طرف سے مقرر ہے...... ناامید نہ بنو! اللہ کے خزانے میں کوئی کمی نہیں ہے۔

پھر بھی جو کام روکا گیا ہے تو وہ حکمت سے روکا گیا ہے، اللہ اپنی حکمت دکھانا چاہتے ہیں، اگر یہ حکمت نہ ہو تو مسئلہ دوسرا ہو جائے گا۔ اس لئے جو اللہ تعالیٰ کو پہچانتے ہیں وہ کبھی ناامید نہیں ہوتے۔ کبھی ان کا گمان بگڑتا نہیں ہے۔ یہ چیز جو اللہ نے بند کردی ہے۔ اس کی حکمت کا تقاضا ہے اس کے بدلے میں مجھے کوئی بڑی چیز دیں گے۔

صحابہ کرام بھی حالات میں گھرے رہے:

ہم صحابہ کرام کی سیرت میں پڑھتے ہیں کہ مصعب بن عمیر جنہوں نے بہت کام کیا..... گھر کا آدمی ہے...... خاندان کا آدمی ہے بہت کام کیا...... لیکن جب سے اسلام قبول کیا تھا وہاں سے لیکر کے موت تک ان کے حالات بنے ہی نہیں...... آپ حضرات

پڑھتے اور سنتے رہتے ہیں کہ حالات کیا بنتے..... کفن ہی نہیں ملا، اب ان کے پاس کیا مال ہوگا؟ اور کیا چھوڑا ہوگا؟۔

حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کو کفن ہی نہیں ملا...... بڑے خاندان کا آدمی ہے، اس سے زیادہ اللہ کی کمزوری کیا ہوسکتی ہے نعوذ باللہ اور کام پورا کیا، تو ایسا کیوں ہوا؟ اللہ کی قدرت اور حکمت کا تقاضا ہے۔ اس کی کوئی حکمت ہے، اللہ اس کے بدلے میں کچھ اور دینے والے ہیں، یا اس کے بدلے میں کوئی اور حفاظت اور ترقی مقصود ہے، وہ اللہ ہی جانتے ہیں۔

حکمت پر بھی نظر رکھو قدرت پر بھی نظر رکھو!

اگر حکمت پر نظر نہیں ہوگی صرف قدرت پر نظر ہوگی تو یہ شخص سوچے گا کہ اللہ بڑی قدرت والا ہے میرا ساتھ نہیں دیتا، میری دعائیں نہیں سنتا، حالانکہ دعا کسی کی رد نہیں ہوتی...... دعا جو مانگی جاتی ہے وہ رد نہیں ہوتی...... وہ تو اوپر اٹھائی جاتی ہے، حدیثوں میں ہے کہ سب سے زیادہ اکرام اللہ کے دربار میں بندوں کی دعاؤں کا ہوتا ہے...... جو اوپر اٹھائی جاتی ہیں، دعاؤں کا بڑا اکرام ہوتا ہے، بندوں کی دعائیں آتی ہیں انہیں رکھ لیتے ہیں، حکمت ہوتی ہے تو بندہ نے جو مانگا ہے اس کے مطابق دے دیتے ہیں، یا حکمت کا تقاضا ہوتا ہے تو وہ نہیں دیتے، بلکہ اس کے بدلے میں کچھ اور دیتے ہیں، یا دنیا میں دیتے ہی نہیں بلکہ اس کا ذخیرہ بنا کر آخرت میں رکھ لیتے ہیں، جب آخرت میں جائے گا تب اللہ تعالیٰ کہے گا کہ تم نے یہ دعا مانگی تھی ہم نے یہ دیا تھا فلاں دعا مانگی تھی ہم نے کچھ نہیں دیا...... یہ لو اس کے بدلے میں یہ لو۔

بیان نمبر (۲)

﴿۱۵/۰۲/۲۰۱۴، مغرب بعد، ملور اجتماع﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه، و نعوذ بالله من شرور أنفسنا و من سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، و من يضلله فلا هادی له، و نشهد أن لا اله إلا الله وحده لا شريك له، و نشهد أن سيدنا محمداً عبده و رسوله صلى الله تعالى عليه و على آله و صحبه و بارک وسلم تسليما كثيراً كثيراً،أما بعد !

فاعوذبالله من الشيطان الرجيم.بسم الله الرحمن الرحيم.

﴿إِنَ الذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّه ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ المَلائِكَةُ أنْ لاَ تَخَافُوْا ولاَ تَحْزَنُوْا وَأبْشِرُوْا بِالجَنَّةِ التِي كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ، نَحْنُ أَوْلِيَائُكُمْ فِي الحَيوةِ الدُّنْيَا وَفِي الآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ، نُزُلاً مِنْ غَفُوْرٍ رَحِيْمٍ، وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِمَّن دَعَا إلَى اللّه وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إنَّنِي مِنَ المُسْلِمِيْنَ﴾ [سورة: فصلت،آیت:۳۳]. صدق الله العظيم.

میرے بزرگو!اور پیارے بھائیو!

اس محنت کے ذریعہ ہمارے ہر بھائی کی زندگی اللہ کے حکموں والی بن جائے ،ایک ایک ہمارا بھائی اللہ کے حکموں والی زندگی گزارے، اپنی آخرت بناوے، مرنے کے بعد کی زندگی کی فکر کرے، اسکے لئے ہے یہ محنت ہے...... اسلئے اپنے سننے کو بھی دین بنانا ہے، مسلمان کا ہر کام دین ہے ،اللہ تعالی یہ فرماتا ہے کہ ﴿ فَبَشِّرْ عِبَادِیَ الذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ القَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَه اولَئِکَ الذِیْنَ هَدَاهُمُ اللّهُ وَ اولٰئِکَ هُمْ اولُوْ الألْبَابِ﴾ [سورۃ: الزمر، آیۃ:۱۸] میرے ان بندوں کو بشارت دو،خوشخبری بتاؤ جو اپنے ارادے اور دھیان کے ساتھ بات سنتے ہیں!تو ارادے کے ساتھ سنیں دھیان سے سنیں۔

دین کی بات غور سے سنیں!

کوئی کورٹ کچہری کا معاملہ آجاوے اور وکیل سے بات کرنی پڑے تو وکیل سے بات کیسے سنیں گے؟ وہ کیا بات بتلاتا ہے؟ کیا کیا سمجھاتا ہے؟ کیا کیا کاغذات لانے ہیں؟ کیا کیا ضرورت ہے؟ وہ سب دھیان سے سنے گا، کیوں کہ بھائی! کورت کچہری کا معاملہ ہے، بیماری آگئی ڈاکٹر سے ملے گا، ڈاکٹر کی سنے گا، تو کیسے سنے گا؟ پورے دھیان سے، کہ میری ضرورت کی بات ہے.....میری تندرستی کی بات ہے.....میرے علاج کی بات ہے.....اسی طرح دین کی بات کو ایسا سنو کہ یہ میرے دین کی بات ہے.....یہ میرے قبر قیامت کی بات ہے.....یہ میرے آخرت کی بات ہے.....یہ میری زندگی سدھارنے کی بات ہے.....یہ عذاب وثواب کا مسئلہ ہے، اسلئے کہا ﴿فَبَشِّرْ عِبَادِیَ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَه﴾ کہ میرے ان بندوں کو بشارت دو جو بات سنتے ہیں ارادے کے ساتھ، یہ نہیں کہ کان پر آواز آرہی ادھر ادھر دیکھ رہے ہیں، آج تو آواز کی دنیا ہوگئی ہے، آوازیں آتی ہیں کانوں پر چاہو نہ چاہو، ایسا نہیں ہے، بلکہ دل کے کان سے بات سنی جاوے دھیان سے اسی کو یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ کہا.

بات عمل کے لئے سنیں!

اور سن کر کیا کرتے ہیں فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَه پھر دوسرا کام بتایا دھیان سے سنتے ہیں، اور سننے کے بعد اتباع احسن کرتے ہیں.....اتباع احسن کا مطلب یہ ہے کہ عمل کی جو جو باتیں اس میں آئی ہیں.....اس عمل کو اچھی سے اچھی شکل میں تیار کریں گے، اس عمل کو اچھی سے اچھی طرح بنا کر اللہ کے سامنے پیش کریں گے، آدمی اپنے کپڑے اچھے بناتا ہے .....مکان اچھے بناتا ہے.....کھانے اچھے بناتا ہے، جوتے بھی اچھے بناتا ہے، کیوں کہ

میری ضرورت کی چیز ہے، بعض لوگ شوق میں بناتے ہیں، بعض لوگ ضرورت میں بناتے ہیں، لیکن ہر چیز اچھی بناتے ہیں، کھانا ہو..... کپڑا ہو..... مکان ہو..... اسی طرح اللہ کی دعوت ہے..... اس کو بھی اچھے سے اچھا بناؤ! اور اونچے سے اونچا بناؤ، اس طرح بناؤ جس طرح اپنی ضرورت کی چیزیں بناتے ہو، یہ نہیں کہ جھوپڑا بنایا ہے رات گزارنی ہے اب کوٹھی اور بنگلہ بناویں گے، پتہ نہیں کل کو اس میں زندہ رہتے ہیں کہ نہیں رہتے، لیکن اچھا بناتے ہیں۔

اس لئے سنو بھی اچھی طرح سے، اور سننے کے بعد جو بات سمجھ میں آجائے اسکا عمل اونچے سے اونچا اچھے سے اچھا بناؤ، سر سے اتر تا مت کرو!۔

بات سننے اور عمل کرنے والوں کے لئے ہدایت ہے:

اگر یہ باتیں پیدا ہو گئیں تو ﴿اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ هَدَاهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰئِکَ هُمْ اُولُوْ الْاَلْبَابِ﴾ یہ فرمایا: یہ وہ قسم ہے جو اچھی طرح سنتی ہے اور یہ لوگ اپنے عمل کو اچھے سے اچھا بناتے ہیں، مثلاً نماز پڑھی تو اچھی شکل سے پڑھی، ہر عمل....... یہ وہ قسم ہے جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے، اور یہ وہ قسم ہے جو سمجھدار ہے، تو یہ بات کہی ہے صرف آج کے لئے نہیں، بلکہ ہمیشہ کے لئے ہے، زندگی بھر سننا ایسا ہی سننا..... جیسا اللہ تعالی کہہ رہا ہے کہ دل کے کان سے سنیں..... دماغ کے کان سے نہ سنیں..... کہ دل اسکے ساتھ ہے، اور سننے کے بعد ماننے کا مسئلہ ہے، اللہ کی بات ماننی ہے اللہ کی بات کو اپنی زندگی میں لانا ہے۔

اللہ کی رضا سب سے بڑی چیز ہے:

دو چیزیں سب سے بڑی ہیں ایک اللہ کا راضی ہو جانا سب سے بڑی بات ہے، ﴿وَرِضْوَانٌ مِنَ اللّٰهِ اَکْبَر﴾ [سورۃ: التوبۃ، آیت: ۷۲] اللہ کی خوشنودی سب سے بڑی چیز ہے، کیونکہ اللہ سے بڑا..... اسکا ہمسر کوئی نہیں ہے..... اسکا خوش ہو

جانا اسکا راضی ہونا سب سے بڑی بات ہے.

عیسیٰ سے کسی نے پوچھا کہ سب سے زیادہ خطرناک اور بھیانک چیز کیا ہے؟ فرمایا کہ اللہ کا غضب، اللہ کا ناراض ہونا، یہ سب سے بھیانک چیز ہے ﴿وَمَنْ يَحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوَى﴾ [سورہ: طہٰ، آیت: ۸۱] اللہ کا غصہ جس پر اترا وہ تو کام سے گیا....اور جس سے اللہ راضی ہو گیا، اس کا بیڑا پار ہو گیا، یہ زندگی کی صفتیں ہیں، اللہ کو راضی کرنے والی صفت.....اللہ کو ناراض کرنے والی صفت..... یہ اندر کی صفتیں ہیں، حالات جو اللہ کی طرف سے اتریں گے وہ اندر کی صفات پر اتریں گے، اگر اندر ناشکری پیدا ہوئی ہے تو جو نعمتیں اللہ نے دی ہیں وہ چھین لیں گے، کیوں کہ اندر ناشکری پیدا ہوئی ہے......ناقدری پیدا ہوئی ہے......گناہ پیدا ہوئے ہیں......اندر کی صفات پر حالات آتے ہیں......لوگ حالات سے پریشان ہیں، اگر اندر کی حالت بگڑی ہوئی ہے ناشکری ہوئی ہے، ناقدری ہوئی ہے، تو جو نعمتیں ملی ہیں اسکے چھن جانے کا خطرہ ہے، اور اگر اندر شکر آیا ہے......کہ یہ نعمت میرے اللہ نے مجھے دی ہے، دین کی.....دنیا کی..... اولاد کی.....تندرستی کی نعمتیں ہیں ہم گن نہیں سکتے، انکی شکر گزاری کی صفت اندر پیدا ہوتی ہے، تو دوسرے حال آویں گے، اللہ تعالیٰ راضی ہو جائیگا نعمتیں بڑھا دے گا، اور نعمتیں دیتے ہی رہیں گے، دیتے ہی رہیں گے، ﴿وَإِنْ تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ﴾ [سورہ: الزمر، آیت: ۷] شکر کرو گے تو اللہ تم سے راضی ہوتا ہی رہے گا اور شکر کرو گے نعمتیں بڑھتی چلی جائیں گی۔

حالات انسان کے اندرون سے بنتے اور بگڑتے ہیں:

تو حالات جو اچھے برے آتے ہیں وہ اندرون کے حالات پر آتے ہیں، باہر کی چیزوں سے نہیں آتے، مال سے حالات اچھے ہوئے یہ کبھی نہیں ہوتا.....مال میں حالات

بنانے کی کوئی طاقت نہیں ہے، حالات بگڑ بھی سکتے ہیں...... کام بن بھی سکتے ہیں، نہیں بھی بن سکتے...... میرے ایک دوست ڈاکٹر ہیں...... چائنیز طریقہ سے علاج کرتے ہیں، لوگوں کے گھروں پر جاتے ہیں، تو وہ ایک دن مجھے کہنے لگے کہ میں ایک جگہ گیا اور میں وہاں علاج کے لئے جاتا رہتا تھا، جن کے پاس جاتا تھا وہ کوئی غیر مسلم تھے، اور بہت مالدار تھے، ایک دفعہ میں گیا تو دیکھا کہ وہ ہیں ہی نہیں، اتنا بڑا آدمی کہاں ہے؟ معلوم ہوا انکو تو ڈاکو لے گئے...... پہلے زمانے میں مال پر ڈاکہ پڑتا تھا...... اب انسانوں پر ڈاکہ پڑتا ہے، لوگ انسانوں کو لے جاتے ہیں...... مال کو چھوڑ دیتے ہیں، مصیبت کی نئی نئی شکلیں...... مال چوری نہیں کیا بلکہ مال چھوڑ دیا اور مال والے کو لے گئے..... چودہ دن انکو بند رکھا، انہیں کچھ پتہ نہیں کہاں بند رکھا؟ جب واپس آئے تو کہا کہ مجھے لے گئے تھے چودہ دن تک بند رکھا، پاس میں ایک مسجد تھی تو روزانہ میں اذان سنتا تھا، چودہ دن میں ستر مرتبہ آذان سنی تو اذان مجھے یاد ہوگئی، پھر اس کا انتقال ہوگیا، تو کوئی ضروری نہیں ہے کہ مال سے زندگی بنے۔ جی نہیں!!! کوئی ضروری نہیں! اللہ چاہیں گے تو مال سے زندگی بنے گی..... نہیں تو نہیں بنے گی..... اللہ چاہیں گے تو اسباب سے..... چیزوں سے..... سامان سے..... ہتھیار سے زندگی بنے گی، اور نہیں چاہیں گے تو نہیں بنے گی۔

حالات اللہ پیدا کرتا ہے:

اللہ ایک ہے، اسی کا فیصلہ چلتا ہے، اسی کا حکم چلتا ہے، اسی کی قدرت چلتی ہے، آسمانوں سے لے کر زمین تک اللہ تعالیٰ کے فیصلے آتے ہیں، اور موت کے..... حیات کے..... عزت کے..... ذلت کے..... بیماری کے..... تندرستی کے چین کے..... بے چینی کے..... دشمنی کے..... محبت کے..... یہ سب حالات اللہ پیدا کرتے ہیں، اور کوئی پیدا کرنے والا نہیں، ﴿إِنَّنِي أَنَا اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي﴾ [سورۃ: طٰہٰ، آیت:

[۴] اللہ کا اعلان ہے ''میں'' ہوں اللہ، میرے سوا کوئی نہیں ہے، میری عبادت کرنا، میرا بندہ بن کر کے رہنا، اس بات کی دعوت ہے، اللہ کو ''میں'' کہنے کا حق ہے، کسی دوسرے کو ''میں'' کہنے کا حق نہیں ہے میں ہوں اللہ اِنَّنِی اَنَا اللہ میں ہوں اللہ، میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اسلئے میری عبادت کرنا، زمین آسمان اور ہر چیز کی چابیاں اللہ کے ہاتھ میں ہیں، فرمایا: ﴿لَهُ مَقَالِيْدُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ﴾ [سورۃ:الزمر، آیت ۶۳، سورۃ:الشوریٰ:آیت:۱۲] ہر چیز کی چابی اللہ کے ہاتھ میں ہے، جسکے پاس چابی ہو اسکے پاس جاتا ہے، جسکے پاس چابی نہیں اسکے پاس جائیں گے، کیا کریں گے؟۔

اللہ سے تعلق پیدا کریں!

تو حالات کے بننے کا، بگڑنے کا.... حالات کے نیچے ہونے کا..... یہ سارا مسئلہ ایک اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ یہی ہماری دعوت ہے، یہی نبیوں کی دعوت ہے، ایک اللہ سے اپنا تعلق پیدا کرو، اندر اللہ تعالیٰ کا خوف آوے، دلوں میں اللہ کا خوف آوے، ایسا خوف آوے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے روک دے، ایسا خوف پیدا کرنا ضروری ہے، زہریلی دوائی ہے تو بچوں سے بھی دور رکھے گا، کہ کوئی بچہ ہاتھ نہ لگاوے۔

کیوں کہ اللہ کا خوف ایمان ہے، جب ایمان اندر بنے گا تو اللہ تعالیٰ کا ڈر اندر پیدا ہوگا، اور وہ ڈر ہوگا جو ڈر آدمی کو اللہ کی نافرمانی سے بچاوے گا اور یہی اصل ہے، ایمان بنانے کی محنت میں اللہ کا ایسا خوف جو گناہ کی طرف جانے گا ہی نہیں کیونکہ اللہ کا خوف اسے روک دے گا، اور جب ایمان کی محنت نہیں ہوگی تو یہ خوف کم ہو جائے گا پھر اس کا پاؤں پھسل جائے گا، اور گناہوں میں پڑے گا پھر حالات بگڑ جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا خوف اور اسکی امید:

ایمان کی محنت سے اللہ کا خوف پیدا کرو، ایمان کی محنت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے

امیدوار رہو، کیوں کہ اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے، اسی محبت کا تقاضا ہوا کہ ساری نعمتیں ہمارے لئے بنادی ہیں، ماں باپ کے دلوں میں محبت ڈال دی، اور دنیا کی چیزوں کو ہمارے کام میں لگادیا ہے، آسمان کو......زمین کو......چاندکو....سورج، ہوا، پانی، آگ، سمندر یہ سب کام میں لگے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿سَخَّرَ لکمْ مَا فی السَّمَاوَاتِ وَما فِی الأَرْضِ جَمِیْعاً﴾ [سورۃ: الجاثیۃ، آیت:۳۱] زمین کی تمام چیزوں کوہم نے تمہاری خدمت میں لگادیا ہے، اتنا بڑا ہاتھی ہے مگر وہ آدمی کی خدمت کرتا ہے، اتنا بڑا اونٹ ہے، آدمی اس پر سواری کرلیتا ہے۔

اللہ بہت رحم کرنے والا ہے، اللہ کی رحمت کے امیدوار رہو، اور اس کی رحمت کی امید میں اس کی اطاعت کرو! ﴿وَأَطِیْعُوْا اللّٰہَ والرَّسُوْلَلَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ [سورہ:آل عمران، آیت۳۲۱] اللہ کی اطاعت کرو! اور اسکے رسول ﷺ کی! تاکہ تم پر رحم ہوجاوے، یہ رحم کا راستہ ہے، حالات میں جو رحمت آوے گی، وہ اطاعت سے آوے گی، اس کا قاعدہ بتایا: واطیعوا اللہ والرسول لعلکم ترحمون اللہ کی اطاعت کرو، اس کے رسول کی اطاعت کرو، تاکہ تمہارے اوپر رحم ہوجاوے، رحمت کے حالات لانے کے لئے اطاعت ہے، رحمت کی امید کے ساتھ۔

گناہ: زہر کی طرح ہے:

قرآن اور حدیث ہم کو یہ سمجھائے گا ایمان بننے کا مطلب ہے کہ خوف اندر پیدا ہوجاوے، اندر رحمت کی امید پیدا ہوجاوے، اتنا خوف پیدا ہو کہ کسی گناہ کے قریب نہ جاوے، اور جاوے تو فوراً توبہ کرے......فوراً معافی مانگے......جیسے زہر کھالیا تو فوراً اس کا علاج کرائے گا، کہ نکلواؤ! نہیں تو یہ مرجاوے گا، ایسے ہی گناہ ہے، کہ جیسے زہر اندر داخل ہوگیا ہے، کہ فوراً توبہ کرو، توبہ سے اللہ گناہ معاف کردیگا......اور اللہ خوش بھی

ہو جائے گا، اور حکم آیا ہے اللہ کے ماننے کا اور اطاعت کرنے کا، تو فوراً اس کی طرف جلدی کرو......اس کے حکم کو بجالاؤ......تو رحمت کا امیدوار ہونا اللہ کے عذاب سے ڈرنا....اور تیسری بات یہ ہے کہ اللہ سے محبت ہو جاوے، اور اللہ سے محبت نہیں ہے، کیوں کہ دنیا کی چیزوں کی محبت دل میں گھسی ہوئی ہے، اپنی من چاہی کی محبت گھسی ہوئی ہے، اس لئے اللہ سے محبت نہیں ہے، جب اللہ سے محبت نہیں ہوگی تو اللہ کی بات بھی نہیں مانے گا، بیوی بچوں سے محبت ہوتی ہے....تو بیوی کی بات مانی جاتی ہے، ان کے تقاضے پورے کئے جاتے ہیں، ان کو راحت پہونچائی جاتی ہے، ان کو خوش کیا جاتا ہے۔ کیوں کہ ان سے محبت ہے، ان سے تعلق ہے۔

ہمیشہ باقی رہنے والے سے محبت کرو!!!

ایمان میں یہ بات شامل ہے کہ اللہ کا خوف آوے۔ رحمت کی امید آوے، اور محبت اللہ تعالیٰ سے ہو، ﴿والذین اٰمنوا اشد حباً للّٰہ﴾ | سورہ: البقرہ، آیت ۱۶۵ | کہ جو ایمان والے ہیں وہ تو اللہ کی محبت میں بہت تیز ہیں، ان کو سب سے زیادہ اپنے اللہ سے محبت ہے، محبت اللہ سے ہوگی وہ ٹوٹے گی نہیں، کیوں کہ اللہ باقی رہنے والا ہے، اس کے علاوہ جتنی چیزیں ہیں ٹوٹ جائیں گی، یا تو جس سے محبت کی ہے وہ ختم ہو جائے گا، یا محبت کرنے والا ختم ہو جائے گا، کیوں کہ دونوں مرنے والے ہیں......تو محبت مرنے والوں کے ساتھ قائم نہیں رہتی ''عشق با مردہ نہ باشد پائیدار'' عشق اور محبت مردوں کے ساتھ باقی نہیں رہتا ''یا حی یا قیوم'' کہ محبت کرو اس اللہ سے جو زندہ رہنے والا ہے ......جو قائم ہے، اس کے ساتھ محبت کرو، وہ باقی رہے گی۔

ایمان کی محنت سے اللہ کے حکموں کی محبت پیدا ہوگی:

مولانا الیاس صاحب فرماتے تھے کہ لوگ جب اللہ کے حکموں سے محبت......اور اللہ

کے حکموں والی محنت کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں اپنے حکموں کی محبت ڈالیں گے، ایمان کی محبت..... نماز کی محبت..... صدقہ کی محبت..... مسلمان کی محبت..... آخرت کی محبت...... جب لوگ اللہ کے دین کی محنت کریں گے تو اللہ ان کے دلوں میں اپنے حکموں کی محبت ڈالیں گے، اور جب دین کی محبت چھوٹ جائیگی تو فنا ہونے والی چیزوں کی محبت ان کے دل میں آجائے گی، اس کے لئے لڑیں گے.... اسی کے لئے لڑائیاں ہوں گی، اور نتیجہ میں کچھ نہیں،،، چھوٹے بچوں کی طرح سے..... چھوٹے بچے کھیل کی چیزوں پر لڑتے ہیں، پھر جب بھوکے ہوتے ہیں تو گھر چلے جاتے ہیں، کیوں کہ اس میں کھانا پینا تو کچھ ہے نہیں، وہ کھیل کی چیز ہے!! ایسے ہی دنیا کھیل ہے، تو لوگ جب اللہ کے دین کی محنت کریں گے تو ان کے دلوں میں اللہ اپنے حکموں کی محبت ڈالیں گے، پھر حکم نہیں توڑے گا بلکہ حکم کو اچھے سے اچھے طریقہ سے کریں گے، نماز اچھی سے اچھی پڑھیں گے۔

حضرت ابوبکر کی نماز:

حضرت ابوبکرؓ کی نماز مشہور تھی، حضرت ابوبکرؓ بالکل ایسی نماز پڑھتے تھے جیسے حضور ﷺ پڑھتے تھے، حضور ﷺ نے حکم دیا کہ میری غیر حاضری میں ابوبکرؓ نماز پڑھاوے، ان کو امامت کی امامت سونپی، صحابہ سمجھ گئے تھے ایسا کیوں؟ انہوں نے اپنا دین.... اپنا ایمان.... اپنی نماز..... ایسی بنائی تھی، جیسی حضور ﷺ کی تھی، عبد اللہ ابن زبیرؓ حضرت ابوبکرؓ کے نواسے ہیں ان کی بڑی بیٹی اسماء کے بیٹے ہیں، انکی نماز بالکل ایسی تھی جیسے ابوبکرؓ کی تھی، بالکل نانا کی نماز، جلیل القدر آدمی ہیں، بہت جلیل القدر آدمی، حضرت عائشہؓ نے ان کی پرورش کی تھی، حضرت عائشہ ان کی خالہ ہیں، یہ بڑے زبردست عالم بھی تھے، حضرت عائشہ کی پرورش میں ان کو بڑا علم ملا تھا، تو کہتے ہیں ان کی نماز بالکل ایسی تھی جیسے

ابو بکرؓ کی، اور ابو بکرؓ کی نماز بالکل ایسی تھی جیسی حضور ﷺ کی، یہ دین کی محبت کی مثالیں ہیں۔

دینی امور کو اچھی طرح انجام دیں!

جیسے دنیا کی چیزوں سے محبت ہوئی تو ان چیزوں کو اونچی سے اونچی کوالیٹی کی بنا لیتے ہیں، اونچی کوالیٹی کی چیز خرید کے لاویں گے، کیوں کہ ہماری ضروریات کی ہے، اور ہماری راحت کی چیز دین ہے، دین میں ہی ہماری کامیابی ہے، دین کامیابی کیلئے ہے ...... تو دین کی شکل اچھی سے اچھی بناؤ، ﴿وأحْسِنُوْا إنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ سورۃ: البقرۃ، آیت: ۹۵] حضرت تھانویؒ نے بیان القرآن میں اس کا ترجمہ کیا ہے، اچھی طرح سے کام کرو اللہ تعالیٰ اچھی طرح سے کام کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں، یہ دعوت ہے، کتنی بڑی بات ہے؟ آسمانوں سے یہ بات ہم کو کہی گئی ہے، اس لئے دین کا کام سر سے اترتا نہیں کرنا ہے، کیوں کہ جو عمل کرے گا اس کا نتیجہ اس کے سامنے آئے گا دین کے عمل کو گھٹیا بنایا، تو گھٹیاں نتیجہ آئے گا، اور دین کے عمل کو بڑھیا بنایا تو بڑھیا نتیجہ آویگا..... کاشتکار اعلیٰ درجہ کا بیج بوتا ہے تو اعلیٰ درجہ کی پیداوار ہوتی ہے.....اور گھٹیا بیج ڈالا ہے تو گھٹیا پیداوار ہوگی، عربی میں مثل مشہور ہے کہ (جد ولا تمنن فان الفائد الیک عائد) کہ اچھی طرح کر اور کسی پر احسان نہیں کر تیرے کام کا فائدہ تیرے پاس ہی آئے گا۔

اسلئے میرے بھائیو! اس محنت کی یہی غرض ہے کہ ہماری دینداری پکی سے پکی ہو جائے، ہم اپنے دین میں پکے ہو جاویں.....اور پکے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کا کوئی لالچ ہمارے قدم کو ہٹنے نہ دے، آدمی لالچ کی وجہ سے پھنس جاتا ہے۔

دنیا کی کوئی چیز دین سے نہ ہٹا سکے:

دنیا کی چیزوں کا شوق آدمی کو ہٹاتا ہے، مولانا الیاسؒ فرماتے ہیں، کہ اللہ کے راستے میں ایسے پھروا تنے پھرو.... کہ پیاری سے پیاری چیز تمہیں اپنی طرف کھینچ نہ سکے، بس اللہ

کے بن جاؤ..... اللہ کے بنکر اللہ کے بندوں کے حقوق ادا کرو، پھر کوئی غلو نہیں ہوگا..... کوئی تقصیر نہیں ہوگی...... پھر کوئی زیادتی نہیں ہوگی، اللہ کے بنکر کے اللہ کے بندوں کے حقوق ادا کریں کہ ﴿ إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى ﴾ [سورۃ: النحل، آیت: ۹۰] جب اللہ کے بنو گے تو اللہ حکم دیں انصاف کرنے کا...... میرے بندے ہو تو انصاف سے رہو، انصاف کا کیا مطلب ہے؟ جو اپنے لئے پسند کرو وہ دوسروں کے لئے پسند کرو، جو اپنے لئے ناپسند کرو وہ دوسروں کے لئے ناپسند کرو، یہ انصاف کی بات ہے، آدمی گالی کھانا پسند نہیں کرتا تو دوسروں کو کیوں گالی دیگا، آدمی اپنے لئے دعا پسند کرتا ہے تو دوسروں کو دعا دے گا، نہ کہ دوسروں کو گالی دے گا، اپنے لئے نقصان پسند نہیں کرتا تو دوسروں کا کیوں نقصان کرے؟ ہمارا پروردگار ہمیں یہ حکم دیتا ہے کہ انصاف کرو..... انصاف سے رہو..... جو چیز اپنے لئے پسند کرو دوسروں کیلئے پسند کرو، جو چیز اپنے لئے ناپسند کرو دوسروں کے لئے ناپسند کرو۔

انصاف اور احسان:

جو اللہ کا بندہ بنے گا اس کی زندگی انصاف پر آئیگی..... سچائی پر آئے گی..... اور اس سے آگے احسان کرنے کا حکم دیا ہے، چوتھا نمبر: کہ اپنی ذات سے اپنے مال سے اپنی طاقت سے دوسروں کو فائدہ پہونچاؤ، اور ان سے فائدہ کی امید مت کرو، یہ احسان کہلاتا ہے، حضور ﷺ ایک موقع پر بازار میں تھے، تو اس زمانے میں سکے چلتے تھے درہم دینار..... نوٹ نہیں تھے..... تو جب سکے زیادہ ہوتے تھے تو تول کے دیتے تھے، کہ ایک ہزار کا اتنا وزن ہوتا ہے، دس ہزار کا اتنا وزن ہوتا ہے، گننے میں دیر لگ گئی تھی کیونکہ تول کر دیتے تھے، تو آپ ﷺ نے تولنے والے کو حکم دیا، کہ تولو اور جھکتا تولو! "وارجح" تول کے دے برابر، اور مال جھکتا دے تول کے دینا انصاف ہے، کیوں کہ پیسے لئے ہیں

،تو تول کے برابر دو جتنے پیسے لئے ہیں جتنا مال لیا ہے اتنا مال انصاف......اور اس سے آگے کہ اپنی طرف سے جھکتا دو یہ احسان ، کیوں کہ میرے اللہ کا یہ حکم ہے، ''زن وارجح''تول جھکانا واجب نہیں ہے، لیکن ایک حکم یعنی عدل واجب ہے......دوسرا حکم یعنی احسان مستحب ہے......یہ ہمارا دین ہے، اللہ کے بندوں کے ساتھ انصاف......اللہ کے بندوں کے ساتھ احسان۔

حکموں میں برکت بھی ہے اور بدلہ:

جب دین اندر اترے گا تو ایک ایک حدیث قیمتی ہو جائے گی، اس کا عمل قیمتی بن جائے گا، جب زندگی اللہ کے حکموں والی بنتی ہے تو اللہ اپنے حکموں کی برکتیں دیتے ہیں، ہر حکم میں برکت بھی ہے......ہر حکم میں بدلہ بھی ہے......حکم پر عمل کرنے کا بدلہ بھی ملے گا اور اس کی برکت بھی ملے گی، ایمان والوں سے یہ بات کہی گئی ہے کہ تمہیں حکموں کا بدلہ ملے گا، اور تمہیں حکم کی برکت دی جائے گی، برکت ایمان کی وجہ سے ملتی ہے اور بدلہ بھی ایمان کی وجہ سے ملتا ہے، جب ایمان کے تقاضے اللہ کے حکم سے پورے کئے جائیں گے تو اللہ دونوں معاملہ کریں گے، برکتیں بھی دیں گے اور بدلہ بھی دیں گے......نماز کا بدلہ آخرت میں ملے گا....اور برکتیں یہاں ملیں گی......علماء نے لکھا ہے کہ نماز میں برکت ہے، کہ نماز اخلاق کو ٹھیک کرے گی، روزی کو کھینچ کے لاتی ہے۔

سنت میں نور ہے:

نماز پابندی سے سنت کے مطابق ہونی چاہئے، مسئلہ آج یہ ہو گیا ہے کہ دین سیکھا نہیں جارہا ہے، رسمی طور پر کر رہے ہیں، نماز سنت کے مطابق پڑھی جائے گی، مولانا ابرارالحقؒ ہمارے بزرگوں میں سے ہیں، انہوں نے فرمایا، پوری نماز میں تکبیر تحریمہ سے لیکر سلام پھیرنے تک اکیاون سنتیں ہیں، ان کی کتاب ہے ''تحفۃ الابرار'' چھوٹی سی کتاب ہے،

انہوں نے گنوائیں ہیں، رکوع میں اتنی سنتیں ہیں، قیام میں اتنی سنتیں ہیں، قومہ میں اتنی سنتیں ہیں، تو روزآنہ نماز میں اکیاون سنتوں پر عمل کرے گا..... اسکو کتنا نور ملے گا؟ سنت میں نور ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ﴿قَدْ جَآئَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَ كِتَابٌ مُبِيْنٌ [سورۃ: المائدہ، آیت: ۱۵] کہ تمہارے پاس ایک نور آیا ہے اور ایک کتاب آئی ہے، تو قرآن کریم کتاب ہے، اور نور سنتیں ہیں، حضور ﷺ کی زندگی نورانی ہے۔

یقین میں بھی کمزوری آجاتی ہے!

اس لئے دین میرے بھائیو! سیکھا جائے گا، جب دین سیکھ کر کریں گے..... سمجھ کر کریں گے، اور محنت کے ساتھ کریں گے...... تو محنت سے دین کے حق ہونے کا یقین پیدا ہوگا، کبھی یقین بھی مضمحل ہو جاتا ہے..... پھر آدمی دین پر قائم نہیں رہتا ہے..... کیوں کہ اس کا یقین کمزور ہو گیا ہے، آدمی کی ٹانگیں کمزور ہو جاویں تو آدمی کھڑا نہیں ہو سکتا چل نہیں سکتا، ایسے یقین کمزور ہو گیا۔ تو اب دین پر چلنا بھاری پڑے گا..... اس لئے محنت کا اثر ہوگا..... اندر دین کے حق ہونے کا یقین آوے گا، تو یہ یقین صحیح چلائے گا، پھر صحیح چلنے کے لئے اللہ کے حکموں کو محمد ﷺ کے طریقوں پر پورا کرنا ہے، یہ صحیح چلنے کا مطلب ہے۔

اعمال صحیح ہوں گے تو دعائیں قبول ہوں گی:

برکتوں میں سے یہ ہے کہ جب عمل صحیح ہوگا تو دعائیں قبول ہوں گی، عمل صحیح نہیں ہوتا ہے تو پھر دعا اٹکتی ہے، کیوں کہ وہ نماز ہی اٹک گئی ہے..... اوپر گئی ہی نہیں..... ایسے ہی جن چیزوں میں بھی حکم نہیں ہوں گے وہ اوپر نہیں جا سکتے، لیکن عملی زندگی میرے بھائیو! بنی ہوئی ہے تو عمل اوپر جاتا ہے، اچھے اعمال اوپر جاتے..... اور اچھے حالات اوپر

سے نیچے آتے ہیں، اسلئے جب عمل اچھا ہو.....اخلاص ہو.....طریقہ سنت والا ہو.....تو اس عمل پر دعا قبول ہوگی، یہ اس کی برکت ہے، تب کوئی حاجت اللہ سے مانگے گا اور اللہ نے وہ حاجت پوری کردی تو یقین بڑھ گیا.....کہ اللہ نے میرا کام بنادیا، تو آئندہ بھی کرے گا۔

مجاہدہ سے ایمان بڑھتا ہے:

تو محنت سے یقین بنتا ہے.....اور دین سیکھنے سے عمل کی شکل صحیح ہوتی ہے.....اور عمل کی شکل صحیح ہوگی، تو اسکی برکتیں آویں گی، ایمان والوں کو برکتیں بھی دی جاتی ہیں.....اور بدلہ بھی دیا جاتا ہے، دنیا میں برکت دے کر کے اللہ ان کے لئے دنیا کی مشکلات کو آسان کرتے ہیں۔ یہ برکت کا اثر ہے برکت کے معنی زیادہ ہونے کے نہیں ہیں فقط، اور کبھی زیادہ دے دیتے ہیں.....اور کبھی زیادہ نہیں دیتے.....لیکن برکت کے ذریعہ سے مسائل کو آسان کریں گے.....مشکلات کو آسان کریں گے، اسلئے دین کے اندر میرے بھائیو! برکتیں بھی ہیں اور دین کے اندر بدلہ بھی ہے۔

دین کے اندر ایک سبحان اللہ اُحد پہاڑ سے بڑا ہے، اندازہ لگاؤ نمازوں کے بعد ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ، ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ پڑھنا سنت ہے، اور سونے سے پہلے پہلے یہ سنت ہے، ایک سبحان اللہ احد پہاڑ سے بڑا ہے.....تو کتنا ثواب ملے گا؟ مولانا الیاسؒ صاحب فرماتے تھے جب ایک سبحان اللہ اُحد پہاڑ سے بڑا ہے تو باقی عملوں کو سوچو، کہ نماز کتنی بڑی ہوگی؟ زکوٰۃ کتنی بڑی ہوگی؟ روزہ کتنا بڑا؟ حج کتنا بڑا؟ اللہ کے راستے کی قربانیاں وہ کتنی بڑی ہوں گی؟ اس کا کوئی اندازہ نہیں لگ سکتا۔

بات سن کر عمل کا جذبہ پیدا ہو!

مگر یہ سب باتیں میرے بھائیو! سن کر کے یقین کرنے کی ہیں، اچھا کہہ دینا یہ ہماری

عادت ہوگئی ہے، بہت اچھا کام ہے، پھر بھی حق ادانہیں ہورہا ہے.....تو یہ صحیح نہیں ہوا، کہ کسی چیز کواچھا بھی سمجھا اوراسے چھوڑ بھی دیا، یہ صحیح نہیں ہے، اچھا سمجھنے کے بعد اپنے آپکو اسکا پابند بنانا، یہ اس سے نفع حاصل کرنے کا صحیح طریقہ ہے، جیسے بازار میں کوئی چیز اچھی لگتی ہے، تو آدمی اس کوخرید لیتا ہے.....اور خریدی نہیں.....اور گھر آکر بیوی سے ذکر کیا کہ فلاں چیز میں نے بازار میں دیکھی تھی بہت اچھی تھی، وہ فوراً کہے گی کہ لائے ؟ کہا! نہیں، تو وہ سر پٹکے گی، اور نادان بتاوے گی، کہ جب اچھی کہہ رہے ہو پاس پیسہ بھی تھا.... پھر بھی چھوڑ کر کے چلے آئے، اسلئے خالی اچھا کہہ دینا یہ کافی نہیں۔

صرف تعریف کردینا کافی نہیں ہوتا:

ابو طالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے، انھوں نے اپنی حیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت حمایت کی ہے....مکہ کے مشرکین کوئی ایذاء دینے کی ہمت نہیں کرتے تھے....اتنی حمایت انھوں نے کی تھی.....اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی تعریف کرتے تھے......کہ ہمارے بھتیجہ کا دین بہت اونچا دین ہے.....بہت اچھا دین ہے.... انکے اشعار انکے دیوان میں ہیں، عربی میں انکے اشعار ہیں،

وعرضت ديناً قد علمتُ بأنّه

من خير أديان البرية دينًا

[دیوان ابی طالب، ص:۸٦

مجھکو معلوم ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین دنیا کے تمام دینوں میں سب سے افضل اور اونچا دین ہے، مگر اچھا کہہ کے چھوڑ دیا...... قبول نہیں کیا..... اپنی زندگی اس پر نہیں ڈالی...... تو انکو فائدہ نہیں ہوا، کیوں کہ بغیر دین کے وہ دنیا سے چلے گئے، ہم لوگوں کے لئے نمونہ ہے، اس کام کو اچھا سمجھ کر کے اپنی زندگی اس پر ڈالنا یہ اسکے اچھا ہونے کا تقاضہ ہے۔

کام کو دوسرے وقت پر مت ٹالو!

آئندہ کریں گے، بعد میں کریں گے، اسکو تصویف کہتے ہیں، عربی میں تصویف کا مطلب یہ ہے کہ بعد میں کریں گے..... کل کریں گے...... عید کے بعد کریں گے..... حج کے بعد کریں گے...... رمضان کے بعد کریں گے...... یہ تصویف ہے، بات کو اور کام کو ٹالنا یہ شیطان کی جانب سے ہوتا ہے، شیطان کسی اچھے کام میں کسی مسلمان سے یہ نہیں کہے گا کہ مت کر، بلکہ یہ کہے گا، کہ بہت اچھا کام ہے بعد میں کر لینا۔

حدیثوں میں ہے کہ آدمی رات کو اٹھنے کے ارادے سے سو جاتا ہے، پھر رات کو اسکی آنکھ کھلتی ہے گھڑی دیکھتا ہے...... تو اندر سے مشورہ آتا ہے...... کہ ابھی تو بہت دیر باقی ہے...... ابھی اور آرام کر لو، پھر سو جاتا ہے، پھر آنکھ کھلی...... پھر گھڑی دیکھی..... پھر اندر سے مشورہ آتا ہے، ابھی تو بہت دیر ہے، اذان بھی نہیں ہوئی ہے، پھر سو گیا تو شیطان اس طرح اسکو سلاتا ہے..... یہاں تک کہ فجر بھی گئی، تہجد بھی گئی، سورج نکل آئے گا یہ ''تصویف'' ہے، اور ایسا دین کے کام کرنے والوں کے ساتھ زیادہ ہوتا ہے..... ٹالنا آدمی کو کام سے محروم رکھتا ہے، موقع اسکے ہاتھ سے نکل جاتا ہے، علماء نے لکھا ہے کہ ''أَكْثَرُ أَهْلِ النَّارِ أَهْلُ التَّصْوِيفِ'' زیادہ تر جہنم میں جانے والے یہی لوگ ہوں گے..... بعد میں کریں گے...... پھر کریں گے...... اگلے سال کریں گے..... رمضان کے بعد کریں گے...... بعد میں نماز پڑھ لینگے، کتنی نمازیں انکی قضاء ہوئی ہیں!!! اور وہ اسی حال میں مر بھی جاتے ہیں، دوسروں کے حق ان پر ہوتے ہیں بعد میں دے دیں گے ...... اسکی وصیت بھی نہیں ہوئی، اور موت آ گئی، لوگوں کا حق لے کر مر گئے۔

ایک اہم واقعہ:

حضور ﷺ نے جب مکہ میں اپنا کام شروع کیا تھا تو منیٰ میں جاہلیت کے زمانہ میں

لوگ حج کو آتے تھے.....عرب کے مشرکین اپنا حج کرتے تھے، ابھی اسلام کا حج آیا نہیں تھا، لیکن منیٰ میں مجمع جمع ہوتا تھا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعوت لے کر کے ان میں جاتے تھے، اور انکو ایمان کی دعوت دیتے تھے، اپنے رسول ہونے کی دعوت دیتے تھے.....اگر یہ لوگ یہاں سے ایمان لے کر گئے، تو اپنے علاقے میں پہونچائیں گے، حج کے ذریعہ سے دین پھیلتا ہے.....اسلئے مولانا یوسف صاحبؒ نے ہمارے ملک میں حاجیوں میں کام شروع کیا تھا، اگر حاجیوں میں کام ہو جاوے تو حج کے ذریعہ سے بات دور دور تک جاتی ہے، اور اسکی بڑی اچھی کارگزاری سناتے تھے، ہم نے بھی مولانا کے منھ سے سنی تھی......تو ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جا کر اپنا کام کرتے تھے.....انکو ایمان کی اسلام کی دعوت دیتے تھے.....ایک مرتبہ منیٰ میں ایک قافلہ کے پاس گئے، اور انکو دعوت دی، انکے بات سمجھ میں آئی، لیکن وہی!!!!! کہ ابھی تو ہم حج میں آئے ہیں، گھر جا کر کریں گے، بعد میں آویں گے، خلاصہ یہ کہ انھیں پھر موقع ہی نہیں ملا، اور چلے گئے، پھر آئے ہی نہیں یہاں تک کہ ساتھیوں کا انتقال ہو گیا، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں، تو ایک ساتھی ان میں سے جو بچا تھا اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حجۃ الوداع میں ملاقات کی، اور عرض کیا کہ آپ ہمارے یہاں آئے، اور آپؐ نے ہمکو دعوت دی تھی، ہم نے بات نہیں مانی، تو ہمارے جتنے ساتھی تھے اس عرصہ میں ایک ایک کر کے سب مر گئے، تو میں یہ پوچھتا ہوں یا رسول اللہ ان کا کیا ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو ہمارے دین پر نہیں مرے گا وہ جہنم میں جائیگا۔

دینی امور میں سبقت کریں!

اسلئے دین کا معاملہ آوے تو میرے دوستو! اسکا تقاضہ ہے سبقت کرنا، یعنی آگے بڑھنا، اور جلدی کرنا، اللہ فرماتے ہیں ﴿سَابِقُوْا إِلٰى مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ﴾ [سورہ:

الحدید، آیت:۱۲] اللہ کی مغفرت و بخشش کی طرف جلدی کرو، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”بَادِرُوْا بِالْأَعْمَالِ“ [شرح السنة للإمام البغوی/حدیث نمبر:۴۲۲۳] کہ عمل میں جلدی کرو، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جلدی کرنے کو کہہ رہے ہیں، ٹالنے کو نہیں کہہ رہے ہیں، کہ بعد میں کریں گے ...... جب دین کے کام کو آگے کیا جاوے گا تو اللہ تعالیٰ دنیا کے کاموں میں دین کی برکت دیگا، اور دنیا کے کام کو آگے اور دین کو ہٹا دیا تو اسکی برکت نکل جائیگی، پھر اس میں آدمی پھنس جاتا ہے.....برکت نہ ہونے کا مطلب یہ ہیکہ اس میں پھنسا ہوا ہو جاوے، وہ اسی میں رہے گا، کیوں کے اللہ کے وعدے سچے ہیں، اس لئے میرے دوستو! اپنے آپ کو دین پر لگانا ہے اور دین پر اسلئے لگانا ہے کہ ہمارا ایمان...... ہمارا یقین..... ہمارا اللہ کا خوف...... اتنا پیدا ہو جاوے جو ہمیں منزل مقصود تک پہونچاوے۔

دین کے کام میں ناگوار حالات آتے ہیں:

دین کے کام کرنے میں ناگوار حالات آتے ہیں، رکاوٹیں آتی ہیں، تکلیفیں آتی ہیں، مخالفتیں ہوتی ہیں، اور یہ ہوگا..... یہ کوئی ان ہونی بات نہیں ہے..... کہ نہیں ہونی چاہئے، نہیں! بلکہ یہی ہوگا، جیسے گلاب کا پھول بہت خوش نما ہوتا ہے اور اسکے چاروں طرف کانٹے ہوتے ہیں، ایسے دین ہے، جب دین کے کاموں کو آدمی شروع کرتا ہے تو ابتدا ناگواریوں سے ہوتی ہے، ابتداء رکاوٹوں سے ہوتی ہے، اور یہ رکاوٹیں اللہ تعالیٰ ترقی دینے کے لئے ڈالتا ہے، رک جانے کے لیئے نہیں..... کہ رکاوٹ کی وجہ سے رک گیا..... اگر رکاوٹ کی وجہ سے رک گیا تو رک جائیگا، اسکی ایسی مثال ہے: جیسے دواؤں میں کڑواہٹ ڈالی گئی ہے، کہ دوا ہے، علاج ہے، یہ میٹھی نہیں ہوتی...... یہ خوشگوار نہیں ہوتی.... کہ علاج گراں ہوتا ہے.....علاج کڑوا ہوتا ہے.....علاج مہنگا ہوتا ہے.....

لیکن اسی گرانی میں...... اسی مہنگائی میں..... اسی کڑواہٹ میں..... بیماری دفع ہو جائے گی، اور بدن میں تندرستی آجائیگی، اسلئے سمجھدار بیمار وہ ہوتا ہے جو اپنے آپ کو علاج کے لئے تیار کر لیتا ہے، میرا علاج کراؤ چاہے جتنے پیسے لو، ہڈی ٹوٹ گئی ہے، ڈاکٹر کہہ رہا ہے تین مہینہ کا پلاسٹر ہوگا، تب جاکر یہ ٹانگ صحیح ہو جائے گی، تین مہینے لگیں گے، تو وہ تیار ہو جائیگا، ہمارے یہاں ایک آدمی کے کمر میں تکلیف ہوگئی تو چھ مہینے لکڑی کے تخت پر اسکو لٹایا، تو چھ مہینہ انہوں نے اسی طرح لکڑی کے تخت پر گزار دیئے، اور وہ صحت یاب ہو گئے پھر چلنا پھرنا ہو گیا، دین میں بھی یہی ہے ﴿إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْراً إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْراً﴾ [سورة: الم نشرح، آیت: ۵-۶] کہ یاد رکھو دشواری کے پیچھے آسانی ہے۔

حق کی ابتدا ناگاریوں سے ہوتی ہے:

مولانا محمد یوسف صاحبؒ فرماتے تھے کہ دین حق ہے، اور حق کی ابتداء ناگواریوں سے ہوگی، اور اسکی انتہاء کامیابیوں سے ہوگی، اللہ کا سودا سستا نہیں ہے، مہنگا ہے، ناگواریاں برداشت کرنا........ اور کچھ نہیں، تھوڑی ناگواری آئیگی، تھوڑی کڑواہٹ آئیگی، تھوڑی تکلیف آئیگی......تھوڑی مخالفت آوے گی ......اور پھر اسکے بعد اللہ آسانی کرے گا......اسلئے فرماتے تھے کہ دین حق ہے اور حق کی ابتداء ناگواریوں سے ہوگی اور انتہاء کامیابیوں سے ہوگی۔

اللہ کی قدرت اصل ہے:

جب کام پورا ہو جاوے اور کام پورا کر کے اللہ کو بتاؤ گے پھر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے آسانیاں لاوے گا، اسلئے حکم ہے اللہ سے اچھے حالات کے امیدوار رہو، اور کام کرو...... اور بشارتیں لو...... حدیث پاک میں ہے: ''أبشِرُوْا وَأَمِّلُوْا

مَایَسُرُّکُمْ" [سنن ابن ماجه/ حدیث نمبر:۳۹۹۷] بشارتیں لو، اللہ بشارتیں دیتے ہیں، فضیلتیں سناتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے اچھے حالات کے امیدوار رہو، کہ اللہ تعالیٰ اچھے حالات لاوے گا، اور ایسے حالات لاوے گا جو تمہیں خوش کردیں گے، اور کیسے لاوے گا؟ اللہ اپنی قدرت سے لاوے گا، اللہ کسی سبب کا پابند نہیں ہے، مال ہوگا تو حالات اچھے ہو جاویں گے ......تعداد اچھی ہوگی تو حالات اچھے ہو جاویں گے..... کچھ نہیں! ساری چیزیں بعد میں ہیں اللہ کی قدرت اول آخر ہے، جو کچھ ہوگا، اللہ کی قدرت سے ہوگا، اسلئے فرمایا: أبشروا و أمّلوا مایسرکم کہ بشارتیں لو.. خوشخبریاں سنو..اور امیدوار رہو اللہ تعالیٰ سے ایسے حالات کے کہ جو تمہیں خوش کردیں۔

اللہ کے حکموں میں طاقت ہے:

آدمی کو وہ ملے گا جو اسکی محنت ہوگی، ﴿وَاَنْ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی﴾ [سورۃ: النجم، آیت:۹۳] کہ آدمی کے لئے کچھ نہیں ہے سوائے اسکی محنت کے، اسلئے اپنی محنت کو اللہ کے حکموں پر لگانا ہے، ایک ایک حکم میں بڑی طاقت ہے، اگر وہ حکم زندگیوں میں آگیا تو اس حکم کے ساتھ جو اللہ کی طاقت ہے، وہ زندگیوں میں ساتھ رہے گی، ایمان میں ایک طاقت ہے...... نماز میں ایک طاقت ہے......زکوٰۃ میں ایک طاقت ہے ......روزہ میں ایک طاقت ہے......ذکر میں ایک طاقت ہے......اب یہ سارے احکام زندگیوں میں آویں گے، اور اس طرح زندگی عمل پر پڑے گی، تو اسکے ساتھ جو اللہ تعالیٰ کی طاقت ہے وہ ساتھ دے گی، اسلئے ایمان والا اپنے عملوں سے کامیابی لیتا ہے، اور دنیا کے اسباب کو حکم کے ساتھ استعمال کرتا ہے۔

اللہ نے دنیوی اسباب سے منع نہیں فرمایا:

دنیا کے اسباب کو استعمال کرنے سے اللہ نے منع نہیں کیا، انکو چھوڑنے کی دعوت

ہماری نہیں ہے، کہ دکان چھوڑو...... مکان چھوڑو...... گھر چھوڑو..... یہ چھوڑ دینے کی دعوت ہماری دعوت نہیں ہے، دین کی دعوت حکموں کے پابند ہونے کی ہے، اپنے آپکو حکم کا پابند کرو، یعنی محنت کرتے ہوئے عمل کریں گے، تو محنت کے درجہ میں یقین آوے گا، اور دین سیکھنے سے عمل صحیح ہوگا، تو یقین بھی صحیح ہوگا، اور عمل بھی صحیح ہوگا، اب حالات صحیح ہونگے، اسلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے محنتوں کی دعوت ہے، تھوڑے ناگوار حالات آویں تو حالات کو برداشت کرلو، جیسے بیمار اور ضرورتمند اپنی ضرورت کی وجہ سے اپنے حالات برداشت کرلیتا ہے، ایسے ہی ایمان والا اپنے دین کی وجہ سے اپنے حالات برداشت کرے۔

ناگوار حالات پر صبر کریں:

حالات کو برداشت کرنا اسکو صبر کہتے ہیں، ایمان کا تقاضہ ہے کہ ایمان والا اللہ کے حکموں کے لئے صبر کرے، صبر سے حالات بنیں گے...... صبر سے بدلہ وانصاف بڑھ جائیگا...... اللہ کی مدد صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، اور بے حساب بدلہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، تمام نبیوں کی زندگی صبر سے بھری ہوئی ہے، جتنا بڑا نبیؑ اتنا بڑا صبر، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اللہ پاک نے یہ بات رکھی ﴿وَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ [سورۃ: الأحقاف، آیت: ۵۳] کہ نبی آپ بھی ایسا بڑا صبر کریں جیسا کہ بڑے بڑے رسولوں نے کیا، نوحؑ نے صبر کیا..... ابراھیمؑ نے صبر کیا...... موسیٰؑ نے صبر کیا...... عیسیٰؑ نے صبر کیا...... یہ چار بڑے بڑے پیغمبر ہیں جنکا صبر بہت بڑا ہے، اپنے دین وایمان کی تبلیغ کے لئے اللہ کے حکموں کو امت میں لانے کے لئے..... پھر پانچویں نمبر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ مجھے ایسی تکلیفیں دی گئی ہیں، ایسی تکلیف کسی کو بھی نہیں دی گئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر قسم کی تکلیفیں آئیں:

اگر آپ سیرت پڑھیں تو تکلیف کی کوئی ایسی قسم نہیں ہے جو آپ پر نہ آئی ہو، سیرت پڑھنی چاہیئے، تکلیف کی کوئی قسم باقی نہیں رہی جو آپ پر نہ آئی ہو، بڑی بڑی تکلیفیں تو مشہور ہیں، کہ آپ کو زہر دیا گیا...... آپ پر جادو کیا گیا...... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت قسم کا زہر کھانے میں خیبر میں دیا گیا، بہت سخت قسم کا زہر تھا، منہ میں نوالہ چلا گیا تھا، وحی کے ذریعہ سے پتہ چلا تو وہ نکال دیا، اور جو ساتھی کھانا کھا رہے تھے وہ تو کھا گئے، انکا انتقال ہو گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت تو اس زہر سے نہیں ہوئی لیکن اسکا اثر موت تک رہا، حدیثوں میں ہے کہ جب موسم بدلتا تھا تو وہ زہر اثر کرتا تھا، جیسے موسم بدلتا ہے، تو طبیعتوں پر اسکا اثر ہوتا ہے، تو جب جب موسم کی تبدیلی آوے تو اس وقت زہر کا اثر آپ کے بدن پر ہوتا تھا، اور اسکی تکلیف آپ کو ہوتی تھی، اور بہت سخت تکلیف ہوتی تھی، ام سلمہؓ نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ جب موسم بدلتا ہے تو آپ پر زہر کا اثر ہوتا ہے، تکلیف ہوتی ہے؟ فرمایا کہ یہ کوئی بات نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے مقدر میں لکھا تھا جادو کیا گیا، چھ مہینہ تک جادو رہا، اور سخت قسم کا جادو تھا۔

کام میں مختلف قسم کی تکلیفیں:

یہ تو مشہور ہیں اسکے علاوہ آپ کی بیٹیوں کو طلاقیں ہوئیں، کتنا معاملہ سخت ہے؟ بیٹی کو طلاق...... بیٹی گھر آ رہی ہے، کیا گناہ ہے؟ اس بیٹی کا کوئی گناہ نہیں ہے، سوائے اسکے کہ اسکا باپ تبلیغ کرتا ہے، اسکے باپ کی یہ تبلیغ ہمارے باپ داداؤں کے خلاف ہے، راستہ میں کانٹے بچھانا یہ سب ہے، اسلئے فرماتے تھے کہ مجھے اتنی ایذائیں ہوئی ہیں کہ اتنی ایذائیں کسی کو نہیں ہوئیں...... جسمانی بھی اور روحانی بھی...... کہ آپ کے خلاف لوگوں کو

ورغلایا جاتا تھا، بادشاہوں کو ورغلایا گیا..... کسر چھوڑی نہیں، کہ صرف پبلک کو ورغلایا، پبلک کو بھی ورغلایا! اور بادشاہوں کو بھی ورغلایا، کیسے ماحول میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کام کیا ہے؟ یہ دیکھنا چاہئے، ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ مکی زندگی ٹھیک تیرہ سال ہے...... چاروں طرف ماحول کیسا تھا؟ وہ آپ کو سیرت میں ملے گا، کہ چاروں طرف کتنا سنگین ماحول تھا، ہر طرف سے آپ کے مقابلے میں کتنی دیواریں کھڑی تھیں؟ مگر آپؐ نے اپنا کام کیا ہے۔

نبیوں کی زندگیاں:

ہمارے سامنے اللہ پاک نے اپنے نبیوں کی زندگیاں رکھی ہیں، اس امت کو نبیوں کی زندگیاں سنائی ہیں، دوسروں کی نہیں! نبیوں کی زندگی دیکھو! تاکہ تمہاری محنت کا سوچنے کا معیار اونچا ہو، اس لئے ہمارے سامنے نبیوں کی زندگیاں بیان کیں، مولانا الیاسؒ فرمایا کرتے تھے کہ اس امت کو اللہ پاک نے نبیوں کی زندگیاں سنائی ہیں، کہ ہمارا فلاں بندہ اس کو دیکھو﴿وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ﴾ [سورۃ:ص، آیت:۴۱] کہ ایوب کا ذکر کرو کتنی لمبی بیماری آئی تو کتنا بڑا صبر کیا؟ ﴿إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِراً نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ﴾ [سورۃ: ص، آیت: ۴۰] کہ ایوب کا ذکر کرو کتنا بڑا صبر کیا ہم نے اس کو صبر کرنے والا پایا، بہت اچھا بندہ ہے، اللہ تعالیٰ کہہ رہے ہیں بہت اچھا بندہ ہماری طرف رجوع کرنے والا، ایوبؑ کا صبر سنایا، اور انہیں اللہ کے پاس سے شاباشی ملی، امت کو نبیوں والی زندگی سنائی ہے تاکہ ہماری ہمتیں ہمارے ارادے ہماری قربانیاں اونچی ہو جاوے، چھوٹی چھوٹی باتوں میں نہیں پھنسنا ہے، ہمارا راستہ اونچا راستہ.....نبیوں والا راستہ ہے، جو اس امت کو دیا گیا ہے، آدم سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک قرآن کریم میں نبیوں کا ذکر ہے، ان کے واقعات سنائے، ہر نبی کے مقابلہ میں ایک باطل ہوتا تھا، کسی کے سامنے مال کا باطل ہے..... کسی کے سامنے حکومتوں کا باطل ہے..... کسی کے سامنے قومیت کا باطل ہے..... کسی کے سامنے اکثریت کا باطل ہے۔

ناتمام محنت پر فیصلہ نہیں ہوتا:

ہر نبی کے سامنے ایک بڑی تعداد رکاوٹ کی ہوتی تھی، اس کے مقابلے میں صبر کے ساتھ وہ اپنا کام کرتے تھے، پھر جب ان کا کام اس حد تک پہنچ جاتا تھا جس حد تک اللہ ان سے چاہتے تھے تو اللہ کی طرف سے فیصلہ ہوتا تھا..... یہ بھی یاد رکھو کہ ہماری محنت اس حد تک پہنچ جاوے جو حد اللہ ہم سے چاہتے ہیں تو ہوگا فیصلہ!!! ورنہ ہم نے اپنی محنت ناتمام چھوڑ دی تو فیصلہ نہیں ہوگا..... آدمی مایوس ہو کر کام چھوڑ دیتا ہے..... ہم نے تو بہت کیا..... ہمارے حالات صحیح نہیں ہوئے..... ایسا نہیں! اپنی محنت کو وہاں تک لے جاؤ جہاں سے اللہ تعالیٰ کی مدد اترے، آدمی کنواں سے پانی لینا چاہتا ہے..... تو ایک تو کنواں کھودنے کی محنت کرو کہ کنواں کھودو، وہاں تک کہ پانی تک پہنچ جاؤ! اور اگر کھودتا کھودتا تھک گیا کہ اب نہیں ہوتا..... تو نہیں ہوگا، اپنی محنت کو وہاں تک لے جاؤ جہاں تک پانی ملے، نیچے پانی کا خزانہ ہے، سب جانتے ہیں..... تو اپنی رسی اپنا ڈول اتنا ہو کہ پانی تک پہنچے یا پایپ اتنا ہو کہ جو پانی تک پہنچے..... اگر پایپ یا رسی پانی تک نہیں پہنچتی تو نیچے کا پانی اوپر نہیں آئے گا۔

محنت کا معیار:

اس لئے دین خاص کرنے کے لئے اپنی محنت کے لئے جتنے اسباب مطلوب ہوں سب لگنے چاہئے، اسباب اللہ نے اسی لئے دیئے ہیں کہ ہم اسباب سے اپنی ضرورتیں پوری کرتے ہیں اسباب سے اپنی راحتیں لیتے ہیں ایسے ہی اپنے اسباب سے اپنا دین بھی کمائیں، یہ تقاضا ہے، اپنے اسباب سے اپنا دین بھی کماؤ، پانی لینے والا پوری رسی اور ڈول لیکر جائے گا تو پانی لیکر آئے گا۔ کھودنے والا پوری کھودائی کرے گا تو پانی اس کے قبضے میں آئیگا، جب چاہے لے لے یہ محنت کا معیار کہلاتا ہے، اپنی محنت کے معیار کو وہاں تک لے جاؤ

جہاں سے اللہ تعالیٰ کی مددیں آیا کرتی ہیں۔اس درمیان میں ناامید نہیں ہونا ہے، ہم نے تو بہت چلّے لگائے..... ہم نے تو بہت وقت لگایا...... ہمارے حالات نہیں بنے، بننے والے ہیں گھبراؤ مت، اللہ کا وعدہ پورا ہونے والا ہے، اپنی چیز کو آگے تک لے جاؤ.

حالات میں صحابہؓ کرام کی ترتیب:

ایک دفعہ صحابہ نے حضور ﷺ سے شکایت کی......شکایت بڑوں کے سامنے ہونی چاہئے تا کہ دل کو اطمینان ہو جاوے، کہ یا رسول اللہ! آپ ہمارے لئے دعا کیوں نہیں مانگتے آپ ہمارے لئے مددیں کیوں نہیں اترواتے ”أن لا تدع لنا أن لا تنصر لنا“ کلماتِ دعا حدیث کے اندر ہیں، کہ ہماری حالت یہ ہے کہ بھوکے پیٹ......روٹی ہمیں نہیں مل رہی ہے، خوف اتنا ہے، ماحول یہ ہے کہ رات کو نیند نہیں آتی ،سونے کے لئے اپنے بچاؤ کا انتظام کرنا پڑتا ہے، اتنے حالات شدید ہیں، آپ نے ان کی باتیں سنیں، سن کر جو جواب دیا وہ جواب تسلی کے بجائے تربیت کا تھا، جواب تسلی کا نہیں کہ سر پر ہاتھ پھیر دیا گھبراؤ نہیں، ایسا نہیں کیا......بلکہ تربیت کا جواب دیا......کہ دیکھو تم سے پہلے زمانے کے جو لوگ دین کا کام کرتے تھے اور دین پر باقی تھے ان پر جو حالات آئے ہیں وہ تمہارے حالات سے زیادہ سخت تھے ،تو وہ کیا حالات تھے؟ ان میں سے بعضوں کو آرے سے سیدھا چیر دیا، ان کے دو ٹکڑے ہو گئے ،اس کے باوجود بھی وہ دین سے ہٹتے نہیں تھے ،اور دین چھوڑتے نہیں تھے ،اور لوہے کی کنگھی سے ان کی کھالیں چھیل دی گئیں، بدن کی کھال چھیل دی گئی اس کے باوجود بھی وہ اپنے دین پر قائم تھے، آپ لوگ بتاؤ کیا آپ کے ساتھ ایسا ہوا ہے؟ کہ آپ کے دو ٹکڑے ہوئے ہیں؟ اور لوہے کی کنگھی سے بدن چھیلا گیا ہے؟ ایسا تو نہیں ہوا! تو پھر تمہارے حالات تو اس کے مقابلہ میں کم ہیں ،اس لئے تم جلدی مت کرو تم جلدی مت کرو، فرمایا تمہارے حالات تو بننے والے ہیں

.....تمہاری تکلیف ختم ہونے والی ہے.....اللہ کا فیصلہ ہے ہونے والا ہے، لیکن تم جلدی کرتے ہو "ولکن لاتستعجلوا" جلدی مت کرو اپنا کام پورا کر کے اللہ تعالیٰ سے بتاؤ.

ہماری تربیت کا بھی یہی طریقہ ہے:

یہ تربیت کا جواب ملا...... وہی جواب ہمارے لئے بھی ہے، الحمدللہ ہمارے ساتھی کام کرتے ہیں ان پر حالات آتے ہیں...... ناگواریاں آتی ہیں، قرضے بھی ہو جاتے ہیں..... تنگیاں بھی ہو جاتی ہیں.....میرے بھائیو! یہ آفت نہیں ہے. یہ تکلیف ہے، اور تمام تکلیفیں لکھی جائیں گی..... یہ بیمار ہوا..... اس کا قرضہ ہو گیا.....اس کو تنگی ہوگئی.... اس کو ستایا گیا...... یہ سب لکھا جائے گا، قرآن حدیث پڑھو! کہ ان کو میرے راستہ میں ایذائیں ہوئی ہیں ﴿وَاُوْذُوا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ﴾ [سورۃ: آل عمران، آیت: ۱۹۵] کہ ان کو ہمارے راستہ میں تکلیفیں ہوگئی ہیں، میرے راستہ میں ان کو ایذائیں دی گئی ہیں، یہ حالات ان پر آگئے ہیں کہ یہ سب حالات ہمارے علم میں ہیں، اللہ فرماتا ہے یہ حالات ان کے لئے انعام بن جائیں گے، ان حالات سے اللہ ان کے گناہ معاف کردے گا...... یہ بڑا انعام ہے، کہ ہماری غلطیاں ہمارے قصور جو اللہ کے علم میں ہیں وہ معاف ہو جائیں گے، اور پھر جو اطاعت ہوئی ہے اس کے انعام اللہ تعالیٰ دیں گے۔

دین کے راستہ کی تکلیفیں کامیابی کے لئے ہیں:

اس لئے جو تکلیفیں جو ناگواریاں اللہ کے کام کی وجہ سے آئی ہیں..... اللہ کے دین کی وجہ سے آئی ہیں..... وہ کوئی نقصان کی بات نہیں ہیں، بلکہ وہ قربانی کی بات ہے، اس پر اللہ سے اچھا گمان رکھنا چاہئے، یہ حکم ہے، رسول ﷺ اپنے اصحابؓ سے فرماتے تھے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا گمان رکھو! کیوں کہ اللہ بندوں پر بہت مہربان ہے، وہ بڑا حکیم

ہے، جو وہ کرتا ہے حکمت سے کرتا ہے، وہی خیر ہے، جابر بن عبداللہؓ فرماتے تھے کہ آپ ﷺ نے اپنی وفات سے تین دن پہلے فرمایا کہ دیکھو جابر تمہاری موت اس حالت میں آنی چاہئے کہ تمہارا گمان اپنے اللہ کے ساتھ اچھا ہو، بندہ اللہ تعالیٰ کا کام کرے اور اللہ تعالیٰ سے اچھا گمان نہ ہو یہ کیسی بات ہے؟ مولانا الیاسؒ فرماتے تھے کہ جو اللہ تعالیٰ کا کام کرے اور اللہ کے وعدوں پر یقین نہ کرے تو یہ فاسق ہے، حکومت کا کوئی ملازم حکومت کا کوئی کام کرکے وہاں سے نا امید نہیں ہوتا، حکومت تنخواہ دے گی، تو گورمنٹ تو مخلوق ہے، مگر وہ نا امید نہیں ہے، چاہے ملک کتنا ہی فقیر ہو، تو کیا اللہ تعالیٰ دنیا کی حکومتوں سے کمتر ہے نعوذ باللہ؟ حضرت فرماتے تھے کہ اللہ کا کام کرو! اور اللہ پر یقین رکھو! اللہ تمہارے کاموں کی وجہ سے تمہاری دنیا اور آخرت دونوں بنانے والا ہے۔

تکلیف سے اللہ تعالیٰ ترقی دیتا ہے:

ایسے ہی حضور ﷺ فرماتے تھے کہ اللہ سے اچھا گمان رکھو جو معاملہ میرے ساتھ ہوگا وہ بہتر ہی ہوگا، اگر چہ مجھے اس وقت کڑوا لگ رہا ہے، وہ کڑواہٹ کسی حکمت کی وجہ سے آئی ہے۔ وہ نقصان کسی حکمت کی وجہ سے آیا ہے، اللہ حکیم بھی ہے، اللہ قادر بھی ہے، اپنے کاموں کو حکمت سے کرتے ہیں بعض مرتبہ اللہ کی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے کہ کوئی نقصان کی شکل ہو جاوے، حقیقت میں وہ نقصان کی شکل نہیں ہے، لیکن اللہ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ اس نقصان کی وجہ سے انہیں آگے ترقی دینی ہے، جیسے علاج کرنے والا بہت سی کھانے پینے کی چیزیں بند کرا دیتا ہے، آپ یہ چیز نہیں کھائیں گے...... یہ چیز نہیں پیئے گے..... آپ یہ کام نہیں کریں گے...... تو یہ چیزیں جو بند کروائی ہیں یہ نقصان نہیں ہے، بلکہ نقصان سے روکنے کے لئے ہے، اور اس کے کرنے میں نقصان ہے، ایسے ہی اللہ کی طرف سے کوئی نعمت گھٹ گئی کوئی تکلیف آگئی، ہم اللہ کے کام میں ہیں تو یاد رکھو! اللہ تمہاری قربانیوں سے بے خبر نہیں ہے، بلکہ اس کی حکمت کا تقاضا ہے، اس کے حکمت کے تقاضے کی وجہ سے نقصان کی شکل

آئی ہے، پھر یہ بدل جائے گی...... رحمت کی شکل ظاہر ہو جائے گی۔ حکمت سے کرتے ہیں اس لئے ناامید نہیں ہونا چاہئے۔

اللہ کے ساتھ اچھا گمان ہونا چاہئے:

ایک اللہ کا عارف یہ کہتا ہے کہ اگر خدا حکمت کی وجہ سے کسی نعمت کا دروازہ بند کردے تو گھبراؤ مت۔ حکمت سے بندگی بہ آگے اپنے فضل سے دوسرا دروازہ کھول دیں گے۔ اس لئے حضور ﷺ نے دین کا کام کرنے والوں کو خاص طور سے اس کی تلقین فرمائی ہے، کہ وہ اللہ کا کام اللہ کے ساتھ اچھا گمان رکھ کر کریں، اللہ تعالیٰ ہماری دنیا اور آخرت دونوں بنادیں گے، جیسے میں نے کہا کہ دین حق ہے، لیکن ناگوار حالات اس کے ساتھ لگے ہوئے ہیں، اور وہ ترقی کے لئے ہیں، زوال کے لئے نہیں ہیں، زوال تو نافرمانیوں کی وجہ سے آتا ہے، نعمتیں جو زائل ہوتی ہیں وہ نافرمانیوں کی وجہ سے، دین کی وجہ سے جو تکلیفیں آتی ہیں وہ ترقی کے لئے ہوتی ہیں، ان تکلیفوں کے بعد پھر ان کا معاوضہ دیا جائے گا، ان تکلیفوں کا بدلہ دیا جائے گا۔

جیسے مہاجرین نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی، تو بہت نقصان ہوا..... ان کے مال ومتاع سب ختم ہو گئے۔ اور وہ فقیر ہو گئے۔ محتاج ہو گئے۔ ان کو قرآن مجید میں فقراء مہاجرین کہا، حالانکہ مالدار تھے، آسودہ حال تھے، لیکن ہجرت کی وجہ سے سب تنگ حالی میں آگئے۔ تو کیا تنگ حالی میں مر گئے؟ تنگ حالی میں نہیں مرے، یہ اللہ نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ ہجرت کی برکتیں آنے والی ہیں؟ پہلے نقصان ہوگا ﴿ وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً ﴾ [سورۃ: النساء، آیت: ۱۰۰] جو اللہ کے راستے میں ہجرت کرے گا وہ مہاجر ہوگا..... وہ اللہ کے راستے میں بڑی وسعت دیکھے گا بڑی کشادگی آئے گی..... تو کشادگی تو آئی نہیں، جو مال تھا وہ چھین لیا

گیا، جو مکانات تھے وہ بھی چھین لیے...... مشرکین نے مکہ میں فوراً قبضہ کر لیا تھا، تو ظاہر میں نقصان ہوا، اور اللہ کہتے ہیں کہ بڑی کشادگی آئے گی، چنانچہ ہجرت کے پانچ سال کے بعد۔ تھوڑا ہی عرصہ گزرا۔ حالات بدلنے شروع ہو گئے، دینی بھی اور دنیاوی بھی، چھٹے سال سے حالات بدلے، پانچ سال تو کوئی زیادہ نہیں ہیں، حالات بدلنے شروع ہو گئے چھٹا سال.....ساتواں سال.... آٹھویں سال میں بالکل حالات ٹھیک ہو گئے، مکہ معظمہ فتح ہو گیا، دین غالب آ گیا، اور مہاجرین مالدار ہو گئے......حدیثوں میں ہے کہ مہاجرین مالدار ہو گئے اور مالداری کی نشانی؟؟؟ کہ مالداری کی نشانی یہ ہوئی کہ انصار نے ان کی جو مدد یں کی تھیں مکانات دیئے تھے، باغات دیئے تھے، معاونتیں کی تھیں وہ ہر ایک نے شکریہ کے ساتھ ان کو واپس کر دیا، کہ اب آپ اپنی زمینیں لے لو، اپنا گھر لے لو ......اپنا سامان لے لو...... اللہ آپ کو جزائے خیر دے، اللہ نے مجھے مالدار کر دیا ہے، یہ بات سیرت میں ہے، کہ تکلیف تو آئی لیکن وہ تکلیف زوال کے لئے نہیں آئی، وہ تکلیف کمال کیلئے آئی، اور یہی قاعدہ ہے، دین کی وجہ سے کوئی نقصان آیا ہے تو وہ ضرور کمال پر لے جائے گا۔

قربانیوں کے ذریعہ بندہ اللہ سے قریب ہوتا ہے:

اللہ بندہ سے قریب ہوتا ہے، اور بندہ اللہ سے قریب ہوتا چلا جاتا ہے، اپنی قربانیوں کے ذریعہ سے، اس لئے قربانیوں کا ابتدائی دور کڑوا ہوتا ہے، پھر بعد کا دور برکات کا ہوتا ہے، رحمتوں کا ہوتا ہے..... مددوں کا ہوتا ہے..... یہ سیرت میں آپ کو ملے گا، ابوہریرہؓ کے بارے میں ہم سنتے ہیں کہ وہ بھوک سے گر جاتے تھے، بے ہوش ہو جاتے تھے، پورے کپڑے نہیں ہیں، ایک ہی چادر ہے وہ لپیٹے ہوئے ہیں، اور گردن پر میل کے بڑے بڑے نشان پڑتے تھے، پھر حالات بدل گئے..... پھر نعمتیں آنی شروع ہوئیں، تو ابوہریرہؓ کا

لباس بدل گیا، کہ وہ خود کہتے تھے کہ واہ! ابو ہریرہؓ اچھے لباس میں ہے، ورنہ میرا لباس تو یہ تھا..... پھر ابو ہریرہؓ کے حالات بدلے! کہ باہر سے جو مہمان آتے تھے مدینہ میں حضورﷺ کے پاس ابو ہریرہؓ فرماتے تھے کہ رات کا کھانا میرے گھر ہوگا، جو دین سیکھنے کے لئے آتے تھے ان کو اپنے گھر کھانا کھلانے کیلئے لے جارہے ہیں، تو کھانا بھی کھلاتے تھے، اور وہ دین سیکھاتے تھے، ان کی تعلیم و تربیت بھی کرتے تھے۔ ﴿اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا﴾۔

اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے:

اس لئے میرے دوستو! یہ بات یاد رکھنے کی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَلَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ﴾ [سورۃ: فاطر، آیت: ۵]۔ اے لوگو یاد رکھو اللہ کا وعدہ سچ ہے، جن باتوں پر اللہ نے وعدے کئے ہیں وہ ہو کر رہیں گے، اسلئے دنیا کے حالات سے کوئی دھوکہ نہ کھاوے، دنیا میں حالات آتے ہیں، سردی ہوتی ہے..... گرمی ہوتی ہے..... صبح ہوتی ہے..... شام ہوتی ہے..... جوانی ہوتی ہے..... بڑھاپا ہوتا ہے..... حالات تو دنیا میں ہیں ہی..... حالات سے زندگی خالی نہیں ہوتی، دنیا حالات کا گھر ہے اللہ حالات پیدا کرتے ہیں۔

دین کی کمزوری کے نقصانات:

دین کی محنت نہیں ہوگی تو دین کمزور ہو جائے گا، دین کمزور ہونے کا کیا مطلب ہے؟ تعداد گھٹ جائے گی؟ کہ نہیں! تعداد تو بہت ہوگی، تعداد روز بڑھتی جائیں گی..... ہر چیز بڑھے گی..... دین کمزور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لوگ آخرت کو بھول جائیں گے، ایمان کمزور ہوگیا، دین کمزور ہوگیا، کیا بات ہوئی کہ آخرت کو بھول گئے؟ گویا مرنا ہی نہیں ہے، یہ کمزوری کی نشانی ہے، کہ جب آخرت کو بھول جائیں گے تو آخرت کیلئے کام نہیں کریں گے، یہاں سے پھر مصیبتیں شروع ہو جائیں گی، کیوں کہ نافرمانیاں ہوں گی۔

آخرت بھولنے کے بعد جب نافرمانیاں ہوں گی تو پھر مصیبتیں آویں گی، کیوں کہ ایمان گناہوں کے ساتھ مل جاتا ہے، ایمان بھی ہے.... گناہ بھی ہے..... جب ایمان گناہوں کے ساتھ ملے گا تو یہ مصیبتوں کو کھینچے گا، جیسے تیل کڑھائی میں کھول رہا ہے اور اندر ٹھنڈا پانی پڑے تو کیا ہوگا کہ بری حالت ہوگی، پانی میں ٹھنڈک ہے، اس میں گرمی ہے، ایمان کی حالت الگ ہے..... گناہ کی حالت الگ ہے، جس طرح کڑھائی میں پانی پڑا تو وہاں آدمی ٹھہر نہیں سکتا، ایسے کڑاکے کی آواز آتی ہے، ایسے ہی ایمان کی تاثیر الگ...... گناہ کی تاثیر الگ..... پانی اچھی چیز ہے لیکن گرم تیل کے لئے نہیں، پانی زمین میں ڈالو تو زمین زندہ ہوجائے گی، ایمان کو اطاعت کے ساتھ ملاؤ تو رحمتیں آجائیں گی، اور ایمان گناہوں میں ملا تو وہ مصیبتوں کے آنے کا ذریعہ بنے گا.

مصیبتیں دلوں کو بے چین کردیتی ہیں:

مصیبتیں گناہوں کی وجہ سے آئیں گی، اس کی علامت ہے کی وہ دلوں کو بے چین کریں گی، اور جو تکلیف حکم کی وجہ سے آئیگی وہ بے چین نہیں کرے گی، انسان تکلیف میں تو ہوگا..... لیکن بے چین نہیں ہوگا، اس کی مثال ایسے سمجھو کہ ایک آدمی روزے میں بھوکا ہوتا ہے......روزے میں پیاسا ہوتا ہے......تو وہ اپنی بھوک پیاس سے پریشان نہیں ہے، کیوں کہ اس نے روزے کی نیت کر رکھی ہے، شام تک کا معاملہ ہے تو وہ روزہ دار اپنی بھوک پیاس سے پریشان نہیں ہوتا ہے، حالانکہ ہے وہ بھوکا! اور ایک شخص بغیر روزے کے بھوکا ہو.... وہ پریشان ہوتا ہے......بھوک دونوں کو ہے، لیکن ایک کو حکم کی وجہ سے ہے، اور ایک کو اپنی طبیعت کی وجہ سے ہے، تو اسکی بھوک اس کو پریشان کردے گی، کھانے میں تھوڑی دیر ہوگئی ہے تو یہ بیوی سے لڑے گا، اس کی بھوک اس کو بداخلاق بنائے گی، ایمان والے کو روزے کی وجہ سے کوئی تکلیف ہوگئی، تو اس کو بے چینی نہیں ہوتی ہے، یہ فرق ہے دونوں کے درمیان جب تعلق اللہ سے ہے اور اللہ سے تعلق کی وجہ سے مصیبت

آئی ہے تو وہ دلوں کے چین کے ساتھ ہوگی، یہ قاعدہ ہے۔

دین کی محنت میں چین ملتا ہے:

زندگی حکم والی ہونی چاہئے، جو لوگ اللہ کے راستے میں پیدل چلتے ہیں اور پیدل چلنے میں تکلیفیں ہوتی ہیں.... سردی، گرمی، مگر ان کے دلوں پر ایک خاص قسم کا چین ڈالا جاتا ہے، یہ حدیثوں میں ہے کہ اللہ کے دین کی محنت کرو، اللہ کے دین کی محنت جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے، اور اس کی وجہ سے تمہارے دکھ اور پریشانیاں اللہ تعالیٰ اٹھالیں گے۔

پہلے پانی کے راستوں سے ممبئی سے جماعتیں جاتی تھیں، ہوائی جہازوں کا سلسلہ نہیں تھا، لوگوں کے پاس اتنے پیسے بھی نہیں تھے تو پانی کے راستوں سے جاتے تھے، مولانا محمد یوسفؒ کے زمانے میں خاص طور سے ہمارا سفر پانی کے راستوں سے ہوا، چھاپی کے اجتماع کے بعد آٹھ دس دن پانی میں ممبئی سے بصرہ لائن جاتی تھی، اور بھی لوگ جاتے تھے، کاروباری لوگ اسی راستہ سے ہزار دو ہزار پسنجر، اسی میں مسلمان ہوتے، اور غیر مسلم بھی ہوتے، اس میں جماعتیں بھی چلائی جاتی تھیں..... جماعتیں اس میں اندر اپنا کام کرتی تھیں..... تعلیم ہورہی ہے.... گشت ہورہا ہے..... بیان ہورہا ہے ..... اذان بھی ہورہی ہے نمازیں بھی ہورہی ہیں، بعض مرتبہ غیر مسلم ہوتے تھے، تو وہ ہمارے پاس آکر بیٹھ جاتے تھے ایک جہاز میں ایران کے راستہ سے ایک بار دو آدمی ایک بوڑھے تھے ایک جوان تھے آرہے تھے، وہ جوان آکر ہمارے پاس بیٹھے تو وہ بڑا بوڑھا ان سے کہے تو ان کے پاس کیوں بیٹھتا ہے؟ وہ کہنے لگا کہ میں ان کے پاس بیٹھتا ہوں تو مجھکو سکون ملتا ہے، تو سکون کی پڑیا ہمارے پاس تو تھی نہیں کہ اس کو سکون کی پڑیا دیویں، کوئی ٹیبلیٹ دیویں..... اصل میں دین حق ہے اس میں جو بات کہی گئی ہے وہ سچ ہے، کہ ایمان کی

مجلسوں میں ذکر کی مجلسوں میں سکینہ نازل ہوتا ہے، سکون نازل ہوتا ہے، تو ان کو زیادہ محسوس ہوتا ہے، کیوں کہ وہ دور سے آئے ہیں، تو وہ کہتا تھا کہ میں جب ان کے پاس بیٹھتا ہوں تو مجھے سکون ملتا ہے، حالانکہ ہم اسکو بلاتے نہیں تھے، وہ خود آ کے بیٹھ جاتا ہے تھا، کیوں کہ بات ہماری حق ہے، نور تو نور ہی ہوتا ہے، خوشبو تو خوشبو ہی ہوتی ہے، کوئی بھی سونگھ لے۔

دین کی محنت سے پریشانیاں ختم ہوتی ہیں:

تو اس لئے کہا کہ دین کی محنت کرو! کہ تمہارا غم پریشانیاں اٹھالی جائیں گی، اور تمہیں سکون دیا جائے گا...... تو تکلیف بھی ہورہی ہے اور سکون بھی ہے کہ یہ کیا بات ہے؟ کہ تکلیف اللہ کے راستوں کی ہے..... دین کے راستہ کی ہے...... روزے کی وجہ سے بھوک آتی ہے، روزے کی وجہ سے پیاس آئی ہے، تو وہ بے چین نہیں کرتی. کیوں کہ ایک حکم کے ساتھ ہے، تو گناہوں کی تکلیف الگ ہے، نافرمانیوں کی تکلیف الگ ہے، اور ایمان اور دین کی تکلیف الگ ہے، دونوں تکلیفوں کا ایک معیار نہیں ہے..... جب ایمان کے ساتھ رہیں گے تو ایمان کے راستہ میں کوئی تکلیف آ گئی.....تو وہ اندر کے سکون اور چین کے ساتھ آئے گی، کیوں کہ ہر ذکر چین دیتا ہے، اور اللہ کی اطاعت کا ہر کام چین کہلاتا ہے..... **کل مطیع ذاکر** ہر آدمی جو اللہ کی اطاعت میں ہے وہ اللہ کے ذکر میں ہے، امام نوویؒ نے لکھا ہے، تو اس ذکر کی وجہ سے..... اس حکم کی وجہ سے..... سکون دیا جائے گا،

دین کی محنت کی برکتیں:

تو دنیا میں یہ نقد برکتیں ہیں، اس لئے میرے دوستو! اللہ کا کام ہے..... یہ اللہ کا دین ہے..... دنیا و آخرت کی خیر لے کر اللہ نے جناب رسول ﷺ کو بھیج دیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: دنیا و آخرت کی خیر لے کر مجھے بھیجا گیا ہے، اسلئے دنیا و آخرت کی خیر اللہ

کے راستہ میں....... اور اللہ کے دین میں ہے...... اس محنت کے ذریعہ یہی چاہا جاتا ہے کہ ہماری سو فیصد زندگی اللہ کے حکموں والی بنے، ہمارا تاجر حکموں والا.....ہمارا زمیندار حکموں والا...... ہمارا مزدور حکموں والا...... ہمارا مالدار حکموں والا.....ہمارا غریب حکموں والا......اس لئے سب کو دعوت دی جارہی ہے، سب کو یہ بات سکھائی جارہی ہے، تاکہ جو جس حال میں ہے وہ اس حال کے حکم کے اعتبار سے زندگی گزارے، اللہ اس کو اسی حال میں کامیاب کرے گا، غریب کو مالدار بنا کر نہیں! بلکہ غریب کو غریبی میں ہی کامیاب کریگا۔ بیمار اگر حکموں والا ہے تو وہ بیماری میں کامیاب ہے، عمران ابن حصین بیمار رہتے تھے، تو اکثر وہ کوئی نہ کوئی بیماری کے مسائل پوچھتے رہتے تھے، نماز کیسے پڑھوں؟ بیماری کے مسائل پوچھتے تھے، روایتوں میں ہے کہ فرشتے ان کی بیمار پرسی کیلئے آتے تھے، کہ عمران بن حصین بیمار ہیں.....ان کی بیماری نے ان کو کتنا اونچا کردیا.....کہ ملائکہ آتے تھے، یہ بیماری میں کامیاب ہیں،

دیندار ہر حال میں کامیاب ہے:

تو کوئی حال ہمیں ناکام نہیں بناوے گا، میرے دوستو! بشرطیکہ ہماری زندگی میں دین ہو...... اس لئے یہ محنت کرائی جارہی ہے کہ اپنی زندگی کو دین پر لاؤ! تھوڑی تکلیف ہوگی...... ناگواریاں ہوں گی...... صبر کریں گے..... مدد آئے گی...... شکر کریں گے.....نعمت بڑھے گی......یہ کام بھلائی چاہنے کا کام ہے...... دین کے ذریعہ سے ہم اپنا بھی بھلا چاہیں گے اور دوسروں کا بھی بھلا چاہیں گے، کہ ہمارے دین کے ذریعہ دوسروں کا بھی بھلا ہوجاوے دوسروں کو بھی خیر مل جاوے. یہ بندے مبارک ہیں جو دوسروں کے خیر کا ذریعہ بنتے ہیں" طُوبیٰ لِعَبْدٍ جَعَلَهُ اللّٰه مِفْتَاحًا لِلْخَيْرِ وَ مِغْلَاقًا لِلشَّر" [رواه ابن ماجه، باب من كان مفتاحا للخير / حدیث نمبر:٢٣٨] خوش نصیب ہیں وہ بندے کہ جو اپنے آپ کو اپنے خیر کا ذریعہ بناویں....ہمارے ہاتھوں سے خیر پھیلے...... ہمارے ہاتھوں سے شر اور بدی مٹے...... انکو مبارکباد دی ہے......کہ

خوش نصیب ہے وہ بندہ کہ جس کو اللہ خیر کے پھیلنے کا ذریعہ بنادے شر، اور برائی، اور بدی، کے مٹنے کا ذریعہ بنادے.... اس محنت کا یہی اثر ہے .اور دین کی جتنی محنتیں ہیں سب کا یہ اثر ہے کہ خیر آوے گی، شر مٹے گا، ایمان آوے گا، گناہ نکل جائیں گے، یہ ایک بنیادی محنت ہے، میرے دوستوں یہ محنت وجود میں آتی ہے تو دین کے سارے کام زندہ ہونے کی امیدیں ہوتی ہیں، یہ پانی کی طرح سے ہے، اگر پانی زمین کو مل گیا تو ہر چیز اگے گی.

یہ محنت بارش کی طرح ہے:

یہ بنیادی محنت ہے، کہ تمام دینی شعبوں کو پانی ملتا ہے، اس لئے اس محنت کو عمومیت کے ساتھ کرایا جاتا ہے، ہر گھر میں..... ہر محلے میں..... ہر مسجد میں..... ہر شہر میں.... ہر ملک میں محنت ہے، کیوں کہ حضور ﷺ کا دنیا میں آنا وہ بارش کے پانی کی طرح سے ہے، حدیثوں میں آتا ہے کہ اللہ نے مجھے نبی بنا کر بھیجا، اور جو نور ہدایت اللہ نے مجھے دیا ہے وہ بارش کے پانی کے طرح سے ہے۔ بارش کے پانی کے بغیر حیات نہیں ہے۔ اگر بارش کا پانی رک جائے گا تو لوگ مرجائیں گے، جانور بھی مرجائیں گے اور پانی برس گیا آباد ہو جائیں گے، ایسی دو باتیں اللہ کے رسول ﷺ لے کر آئے ہیں، اس سے دنیا والے کامیاب ہو جائیں گے، اگر یہ نہیں ہے لوگ نامراد ہو جائیں گے۔ اس لئے اس یقین کے ساتھ میرے بھائیو! اس کام کو کرنا ہے کہ اللہ نے ہماری اور آپ کی کامیابیاں اپنے دین میں رکھ دی ہے۔ ہم دین کی محنت کریں گے اور خیر کا ذریعہ بنیں گے، تو دنیا میں اللہ برکتیں بھی دے گا.... اور آخرت کو اللہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے بنائیں گے.... اور آخرت کے لئے کرنا ہے، اس کے لئے ارادے کرو! اور اپنے آپ کو اس کے لئے تیار کرو!۔

☆☆☆☆☆

بیان نمبر (۳)

ایمان وعلم
اللہ تعالی
کی بڑی نعمتیں ہیں

﴿فجر بعد علماء میں / نلور اجتماع، ۲۰۱۴/۰۲/۱۶﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه، و نعوذ بالله من شرور أنفسنا و من سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، و من يضلله فلا هادى له، و نشهد أن لا اله إلا الله وحده لا شريك له، و نشهد أن سيدنا محمداً عبده و رسوله صلى الله تعالى عليه و على آله و صحبه و بارک وسلم تسليما كثيراً كثيراً،أما بعد !

فاعوذبالله من الشيطان الرجيم.بسم الله الرحمن الرحيم.

﴿إِنَ الذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّه ثُمَ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ المَلائِكَةُ أَنْ لا تَخَافُوْا ولاَ تَحْزَنُوْا وَأَبْشِرُوْا بِالجَنَّةِ التِي كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ، نَحْنُ أَوْلِيَائُكُمْ فِى الحَيوةِ الدُّنْيا وَفِى الآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِى أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ، نُزُلاً مِنْ غَفُوْرٍ رَحِيْمٍ، وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِمَّن دَعَا إِلَى اللّه وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِى مِنَ المُسْلِمِيْنَ﴾ [سورۃ: فصلت،آیت:۳۳]. صدق الله العظيم.

میرے بزرگو اور پیارے بھائیو!

حق تعالیٰ شانہ نے آپ حضرات پر بہت خصوصی کرم فرمایا ہے کہ آپ حضرات کو ایمان کے ساتھ علم کی دولت عطا فرمائی، اس سے بڑی کوئی نعمت نہیں ہے، امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ دو ہی بڑی چیزیں ہیں، ایک ایمان اور دوسرا علم......ان دونوں نعمتوں سے حق تعالیٰ شانہ نے آپ حضرات کو سرفراز فرمایا، اور اپنے کام کیلئے منتخب فرمادیا......خیر کا ذریعہ بنایا" طُوبَى لِعَبْدٍ جَعَلَهُ اللّه مِفْتَاحًا لِلْخَيْرِ وَمِغْلاقًا لِلشَّر "[رواه ابن ماجه، باب من كان مفتاحا للخير / حدیث نمبر:۲۳۸] خوش نصیب ہے وہ بندہ جس کو اللہ خیر کے پھیلنے کا ذریعہ بناوے، صبح شام آپ لوگ خیر پھیلاتے ہیں..... علم

دیتے ہیں...... علم لیتے ہیں......ایمان کو پانی ملتا ہے، دین کو پانی ملتا ہے، اس لئے ان لوگوں کے لئے یہ بشارت ہے، کہ" طُوبیٰ لِعَبْدٍ جَعَلَهُ اللّٰه مِفْتَاحًا لِلْخَيْرِ وَمِغْلَاقًا لِلشَّر "خوش نصیب ہیں وہ جن کو خیر کے پھیلنے کا...شر کے مٹنے کا ذریعہ بنایا، روشنی کے پھیلانے کا اور اندھیرے کے مٹانے کا ذریعہ بنایا، جنہیں رہبری نصیب فرمائی اور راستہ دکھانے کیلئے توفیق عطا فرمائی۔

علماء کی تعظیم:

ان احسانوں کو بار بار سوچنا ہے کیوں کہ اس سے بڑی کوئی نعمت نہیں ہے، ایمان ہے..... اور علم ہے، ﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ أُوْتُوْا الْعِلْمَ دَرَجَات﴾ [سورۃ: المجادلہ/۱۱] اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو رفعت دیتے ہیں پھر ایمان والوں میں سے علم والوں کو رفعت دیتے ہیں، ان کے درجات بلند کرتے ہیں، اللہ کے یہاں ان کا اعزاز و اکرام اتنا ہے کہ کوئی اگر عالم کی تعظیم نہیں کرتا تو وہ نبی کے گروپ میں نہیں ہے، انہیں نکال دیا.....اور قیامت کی علامتوں میں قرار دیا، کیوں کہ اللہ کے یہاں علم کی بڑی قدر ہے، ایمان کی بڑی قدر ہے، اسی سے اللہ تعالیٰ انہیں بلندی دیتے ہیں......انہیں خیر کا ذریعہ بناتے ہیں، امام سیوطیؒ نے حدیث نقل کی ہے"أَكْرِمُوْا الْعُلَمَاءَ فَإِنَّهم وَرَثَةُ الأَنْبِيَاء" [ابن عساكر عن ابن عباس/ وفي كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال: حدیث نمبر:۲۸۷۶۴/۲۸۷۶۵] عوام سے بھی کہا گیا اور ان سے آپس میں بھی کہا گیا، کہ اپنے علماء کی عزت کرو، ان کی رہبری حاصل کرنا ان کی عزت کرنا بڑی بات ہے، کیوں کہ وہ نبیوں کے وارث ہیں، جیسا نبی کی تعظیم توقیر کی جاتی ہے ایسے ہی اہل علم کی تعظیم وتوقیر کی جائے گی، اللہ تعالیٰ انکی تعظیم و توقیر کو قیامت میں بڑھائیں گے۔

علماء کی سفارش:

حدیث میں ہے کہ علماء کو جنت میں جانے سے پہلے فرمائیں گے رک جاؤ! ابھی رکو! جن جن لوگوں کی سفارش کرنی ہے، انکی سفارش کرو! انکی سفارش کر کے پھر جاؤ!!! تو انبیاء کرام کو سفارش کا حق دیں گے...... شہداء کو سفارش کا حق دیں گے...... اور علماء کو سفارش کا حق دیں گے..... یہ سب اکرام علم کی وجہ سے ہے، کیونکہ انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ علم کو حاصل کیا ہے اسلئے اللہ تعالیٰ انکا اکرام کریں گے، فرشتے انکا اکرام کرتے ہیں، "إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ لَيُصَلُّوْنَ عَلٰى مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَيْرَ" کہ جو خیر سکھاتے ہیں خیر کی تعلیم دیتے ہیں اللہ ان پر رحمتیں نازل کرتے ہیں، اور ملائکہ انکے لئے رحمت کی دعائیں کرتے ہیں، اور جو سیکھتے ہیں انکے پاس انکے لئے زمین کی اور خشکی اور سمندر کی مخلوق استغفار کرتی ہیں، مخلوق انکے لئے استغفار میں ہے، مخلوق انکے لئے رحمت کی دعاؤں میں ہے..... یہ سب اس علم کی برکت ہے، یہ کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔

نبی کو اولین و آخرین کا علم دیا گیا:

کیوں کہ اس علم کی غایت بڑی ہے، جو علم انکو دیا گیا ہے وہ آسمان سے آیا ہے، اور اللہ کی صفت علم کا پرتو ہے...... اللہ علیم ہے...... اللہ نے اپنے نبی کو علم دیا ہے، اور کتنا علم دیا؟ اولین اور آخرین کا علم آپکو دیا گیا۔

شیخ سعدی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ آدمؑ کی الف سے لیکر مسیح ابن مریم کی میم تک۔ مسیح ابن مریم بنی اسرائیل کے آخری نبی ہیں۔ تمام علوم آپ کو دیئے گئے ﴿عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْماً﴾ [النساء: آیت/۱۱۳] کہ آپ ﷺ کو ان تمام باتوں کا علم دیا گیا ہے، جو آپ ﷺ نہیں جانتے، آپ پر اللہ کا فضل بہت بڑا ہے، علم تک پہونچنا یہ اللہ کا فضل خصوصی ہے، علم کا ملنا اللہ کا خصوصی فضل حاصل

ہو گیا....... اس لئے اپنے فضل کے ساتھ اس کو ذکر کیا ہے ﴿عَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْماً﴾.

علم کی غایت:

علم بڑی نعمت ہے، کیوں کہ اس کی بڑی غایت ہے، اس کی کیا غایت ہے؟؟؟؟ کہ وہ اللہ کے حقوق کی معرفت کے لئے دیا گیا ہے، اور کسی کام کے لئے نہیں دیا گیا ہے، دنیا سازی کے لئے فنون ہیں، وہ علوم نہیں ہیں، تجربات کے نتیجہ سے بنائے ہیں، اس میں تغیر و تبدیلی بھی ہو سکتی ہے..... کیوں کہ وہ دماغوں کی اور تجربوں کی پرورش ہے،،، یہ اللہ کا علم ہے، جو اللہ نے اتارا ہے یہ غیر منسوخ ہے، اس میں غلطی کا کوئی احتمال نہیں ہے، یہ حق ہے..... ﴿هُوَ الَّذِی أَرْسَلَ رَسُوْلَه بِالْهُدَی وَدِیْنِ الْحَقِ﴾ [التوبہ، آیت ۳۲۰، الفتح: ۸۲، الصف: ۹] یہ حق کے ساتھ آیا ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے، غیر منسوخ ہے....... اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی...... بس یہ پورا پورا علم حضور ﷺ کو دیا گیا کمیت کے اعتبار سے بھی...... کیفیت کے اعتبار سے بھی...... ایمانیات کا پورا علم دیا گیا...... عبادات کا پورا علم دیا گیا...... معاشرت کا پوار علم دیا گیا...... معاملات کا پورا علم دیا گیا...... اخلاقیات کا پورا علم دیا گیا...... یہاں تک کہ دین کو پورا کر کے بتا دیا۔

اللہ تعالیٰ علم کو باقی رکھیں گے:

یہ اللہ تعالیٰ کے احسانات ہیں علم پورا پورا اتارا...... پھر اس علم کو اللہ مٹنے نہیں دیں گے، اللہ نے جیسے قرآن شریف کے حفاظت کی ذمہ داری لی ہے، یہ محفوظ رہے گا، جب بھی لوگ اس سے ہدایت لینا چاہیں گے اس سے لینگے، حضرت معاذ بن جبلؓ صحابہؓ کی جماعت میں بڑے علماء میں سے ہیں، حلال و حرام اور شریعت کے زیادہ جاننے والے

ہیں، وہ یہ فرماتے ہیں کہ ایمان اور علم اللہ باقی رکھیں گے، جب اس کی تلاش کے لئے لوگ نکلیں گے..... جب لوگ اسے تلاش کریں گے اللہ انکو دے دیں گے، اور مثال دی، کہ جیسے اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کو اس زمانہ میں توحید کا علم اپنی قدرت سے دیا، ابراہیمؑ کے یہاں پورا ماحول شرک کا تھا، لوگ ستاروں کی عبادت کرتے تھے، اور بتوں کی عبادت کرتے تھے، اس شرک کے ماحول میں ابراہیمؑ کو توحید کا علم اللہ نے دیا۔ ﴿وکذلک نری ابراھیم مکوت السموات والأرض ولیکون من المؤمنین﴾ [سورۃ: انعام، آیت: ۷۵] اللہ نے جیسے ابراہیمؑ کو شرک کے ماحول میں توحید کا علم دیا اسی طرح اس علم ......اس ایمان کو اللہ تعالیٰ باقی رکھیں گے، کسی بھی زمانہ میں لوگ اسے تلاش کریں گے، اللہ انہیں دے دیں گے، یہ الگ بات ہے کہ لوگ اسے تلاش نہ کریں...... اور دنیا میں لگ جاویں تو یہ انکا اعراض ہے.....اور اعراض کی وجہ سے محروم ہونگے۔

اور اعراض تو محرومی لاتا ہی ہے....... باقی اس کو اللہ زندہ رکھیں گے، اور جب اس کو تلاش کرنیوالے کھڑے ہونگے اللہ انہیں دے دیں گے۔

علماء کا وجود معجزہ:

اللہ تعالیٰ اس ملت میں ایسے علماء پیدا کریں جو مٹی ہوئی سنتوں کو..... مٹی ہوئی تحریکوں کو زندہ کریں گے، قرآن کا صحیح مطلوب اور صحیح مدلول بتائیں گے، یہ حدیثوں میں ہے، کہ علماء باطل کی غلط تاویلات کو صاف کریں گے، اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے ایسے علماء پیدا کریں گے!!! کیوں کہ اللہ اسے باقی رکھنا چاہتے ہیں، اس امت پر اللہ کا خصوصی فضل ہے، اس وجہ سے ایسے علماء پیدا کریں گے...... بعض حدیثوں میں صراحت ہے کہ ہر سو سال کے بعد اللہ ایسے شخص کو پیدا کریں گے کہ جو مذہب کی تجدید کریں گے، مجدد

ہونگے، ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے، اس کے نگہبان پیدا کریں گے، اللہ جس طرح قرآن کی نگہبانی کرتے ہیں، قرآن کا مطلب سمجھنے والے..... سمجھانے والے.....امت کی رہبری کرنے والے..... حدود قیود کی رعایت کرنے والے...... علماء پیدا کریں گے، اسی طرح اپنے نبی کی سنتوں کو صحیح طور پر پیش کریں گے، جو اس پر غبار آیا ہے اس کو ہٹائیں گے، جیسے قرآن پاک معجزہ ہے، ایسے ہی علماء کا وجود اس امت میں حضور ﷺ کا معجزہ ہے، ایسے ایسے لوگ پیدا کریں گے کہ عقل حیران ہیں، یہ کیسے ہو گیا؟ آپ کتابیں پڑھتے ہیں، ان میں دیکھیں گے کہ کیسے کیسے لوگ پیدا کئے..... اور عرب میں عجم میں پیدا کئے۔

امام بخاریؒ عجمی تھے:

امام بخاریؒ کو عجم سے پیدا کیا..... اتنے بڑے علم کے وہ وارث ہیں!!! اور ان کی عربی زبان نہیں ہے، لیکن سب کا امام بنادیا، ان کی کتاب کو اللہ کی کتاب کے بعد سب سے بڑی کتاب بنادیا، کیوں کہ اللہ کے رسول ﷺ کی سنتوں کو..... حدیثوں کو زندہ کرنے کے لئے کوشش کی، ان کے سینے میں لاکھوں حدیثیں محفوظ رہتی ہیں، اب تو لوگ مشینوں سے کام لیتے ہیں، بخاری شریف بے مثال کتاب.....آدمی سوچ نہیں سکتا..... غیر عرب ہیں..... سب ان سے خوشہ چینی کرتے ہیں، سب ان سے لیتے ہیں،، رواہ البخاری ھکذا... سب کہیں گے..... بخاری نے یہ روایت کی ہے، مسلم نے یہ روایت کی ہے، پھر اس حدیث کی خدمت کرنے والے پیدا کئے......اس کی شرح کرنے والے پیدا کئے.....کہ انہوں نے حدیث کو شرح کرکے پیش کی ہے، درایت بھی روایت بھی...... یہ سب علماء خدمت کرنے لئے پیدا کئے۔

امام راغب اصفہانی:

اسی طرح آپ نے نام سنا ہو گا قرآن کے مفردات کا! یعنی قرآن کی لغت..... اس کی تشریح کرنے کے لئے راغب اصفہانی کو اللہ نے پیدا کیا، یہ اصفہان کے ہیں، اصفہان ایران میں ہے، اور ان کی کتاب مفردات القرآن مشہور مرجع ہے، اور یہ شخص رہنے والا کہاں کا؟ ایران کا...... وہ قرآن کے الفاظ کی تشریح کر رہا ہے، کہ ''کلمہ'' اس معنی میں ہے.... یہ کلمہ اس معنی میں ہے، آپ دیکھیں گے ان کو کہ یہ غیر عربی ہیں، اور اللہ کے عربی کلام کی تشریح کر رہے ہیں..... ان کلمات کا مطلب یہ ہے، اور قرآن میں یہ لفظ اتنی مرتبہ آیا ہے..... ویخلق مالا تعلمون ایسے ایسے پیدا کریں گے تم جانتے نہیں ہو، انہوں نے امت کی خدمت کی...... خالی شہرت حاصل نہیں کی ہے...... وقت کی ضرورت پوری کی ہے، اس وقت امت کو کس چیز کی ضرورت ہے۔

شیخ محمد طاہر پٹنی:

یہ شیخ محمد طاہر پٹنی گجرات کے ہیں، انہوں نے حدیث کی لغات کی شرح پانچ جلدوں میں کی ہے، یہ گجرات کے محدث تھے.... اکبر کے زمانے کے ہیں...... دیکھنا ان کی لغات حدیث میں کیسی خدمت ہے!!! حدیث کی لغت کا یہ مطلب ہے، حدیث کے احکام یہ ہیں، اس لئے علماء نے فرمایا کہ اس امت میں علماء کا وجود ایک معجزہ ہے، اللہ کی بڑی قدرت ہے.... حضور ﷺ کا یہ معجزہ ہے، اللہ تعالیٰ ایسے ایسے لوگ پیدا کریں گے جو امت کی خدمت کریں گے آنے والی پریشانیوں کو دور کریں گے، تکلیفیں اٹھاویں گے۔

شاہ ولی اللہ کا مقام:

معاشرہ بگڑ گیا تو معاشرہ کی اصلاح کے لئے شاہ ولی اللہ صاحبؒ کو پیدا کیا، ہندوستان کا معاشرہ جو دینی و علمی نظر آتا ہے، یہ انکا احسان ہے.... انہیں کی روایت ہمارے پاس ہے.... حدیث کی روایت شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے جا کر ملتی ہے۔

علماء کو اللہ نے غیر معمولی نعمت عطا فرمائی ہے:

جو چیز آپ کو اللہ تعالیٰ نے دی ہے وہ غیر معمولی ہے، کیوں کہ اس میں اللہ بڑی بڑی قدرت ظاہر کر چکا ہے، اللہ نے انکے ذریعہ سے دین کی نصرت کی ہے، علم کو زندہ کیا..... سنتوں کو زندہ کیا..... صحیح معاشرہ کو وجود میں لائے...... پھر جب جب کوئی بگاڑ آیا تو اسی لائن کا آدمی پیدا کیا، شعیبؑ کو پیدا کیا..... جب ان کی قوم میں ناپ تول اور عقیدے میں بگاڑ آیا، تو ان کو ناپ تول کی کمی اور عقیدہ کی اصلاح کے لئے پیدا کیا، تاجروں کو ٹھیک کرو! ان کی تجارت بگڑ گئی ہے، ان کا عقیدہ بگڑا ہوا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کو باطل کے مقابلے میں پیدا کیا:

موسیٰؑ کو فرعون اور اسکی قوم کے لئے پیدا کیا، ان کا عقیدہ بگڑا ہوا ہے، ان کا اقتدار بگڑا ہے، ان کو ٹھیک کرو! انبیاء کو باطل کے مقابلہ میں پیدا کیا، ایسے ہی جب کوئی بگاڑ آیا تو اللہ نے اپنی قدرت سے اس کے مصلح پیدا کر دیئے، تاکہ وہ معاشرہ کو صحیح رخ پر لا دیں.....اور دنیا کو زندہ کریں، اس لئے یہ بات کہی جاتی ہے کہ علماء کا وجود اس امت میں حضور ﷺ کا معجزہ ہے، جیسا کہ قرآن کریم معجزہ ہے، ویسے ہی اسکو سمجھنے والے اس سے نور لے کر دوسرے کو روشنی دینے والے ہیں۔

کتاب اور سنت رہبری کے لئے دی گئیں، دوسرے دنیا کے علوم دنیا کی ترقی کے لئے ہیں، اسی لئے جو علم ہم کو دیا گیا یہ حقوق کی معرفت کے لئے دیا گیا ہے، اللہ کے کیا حقوق ہیں؟ حضرت معاذ بن جبلؓ سے حضور ﷺ نے فرمایا معاذ آپ کو معلوم ہے اللہ کا کیا حق ہے؟ عرض کیا! میں کیا جانوں؟ فرمایا اللہ کا حق یہ ہے کہ اس کی عبادت کرو! اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو! تو علم حقوق کی معرفت کیلئے ہے، کیوں کہ اللہ نے دنیا کو دار الحقوق قرار دیا ہے۔ دنیا شہوتوں کی جگہ نہیں، خواہشات کی جگہ نہیں ہے، یہ حقوق کو ادا کرنے کی

جگہ ہے، آخرت کو دارالا جور بنایا ہے، وہاں اجر اور بدلہ دیا جائے گا..... جو یہاں حق ادا کر کے آوے گا وہ وہاں بدلہ پائے گا.... اور جو حق ادا کر کے نہیں آئے گا وہ حقوق میں گرفتار ہو گا۔

انسانوں اور حیوانوں میں فرق:

یہ دنیا دارالحقوق ہے، یہاں تعلقات پیدا ہوتے ہیں..... جتنے تعلقات پیدا ہوں گے اتنے حقوق آئیں گے...... بغیر تعلق کے دنیا نہیں ہوتی ہے.....انسانوں میں اور حیوانوں میں یہی فرق ہے، حیوانوں میں آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے.... اصول فقہ میں ہے جیسا آپ لوگوں نے پڑھا ہے ''بقاء باہم'' جانوروں میں نہیں ہے، انسانوں میں ہے، انکا ایک دوسرے کا تعلق ایک دوسرے کی وجہ سے ہے، اسلئے ان پر حقوق عائد ہوں گے......بال کٹوانے والے کو بال کٹوانے کی ضرورت ہے......اور بال کاٹنے والے کو پیسوں کی ضرورت ہے، کپڑے والے کو کپڑے سلانے کی ضرورت ہے.....اور درزی کو پیسے کی ضرورت ہے..... یہ ہے بقاء باہم......اس لئے کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے، حق ادا کرے، حق لے، حق دے، یہی اس علم کی غایت ہے۔

زیادتیاں کب ہوتی ہیں؟

اسلئے جتنے تعلقات اتنے حقوق، اگر ان تعلقات کے حقوق کی رعایت نہیں ہوگی تو پھر زیادتیاں ہونگی...... ظلم ہوں گے.....خیانتیں ہونگی.....اور حقوق برباد ہوں گے..... تو اس فساد کو مٹانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے علم کی روشنی دی ہے، تاکہ ٹکراؤ نہ ہو، روشنی میں ٹکراؤ نہیں ہوتا، اندھیرا ہوتا ہے تو ٹکراتے ہیں، روشنی دی ہے تاکہ روشنی میں چلتے رہیں، وہ روشنی حقوق کی ادائیگی کی ہے، اسی کے لئے نبی آتے ہیں، کہ ہر آدمی کو اپنی ضرورت یاد رہے، اور اس میں حق کیا ہے ناحق کیا ہے؟.... یہ علم کی خاصیت ہے، یہ علم عدل وانصاف

ہے...... یہ احسان ہے، انصاف بھی کرو، احسان بھی کرو! تا کہ معاشرے میں فساد برپا نہ ہو، اور احسان کی وجہ سے انکے تعلقات صحیح ہو جائیں، یہ اللہ کا حکم ہے ﴿ إنَّ اللّٰهَ يَأمُرُ بِالعَدْلِ وَالإحْسَانِ وَإيتَاءِ ذِي القُربىٰ ﴾ [النحل :۷۰] کہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے کا احسان کرنے کا حکم دیتے ہیں، رشتہ داروں کو دینے کا حکم دیتے ہیں۔

دنیا حقوق کی ادائیگی کے لئے ہے:

یہ دلیل ہے اس بات کی کہ دنیا دار الحقوق ہے، اور اللہ تعالیٰ حقوق کی ادائیگی کے لئے دنیا میں اپنے رسولوں کو بھیجتے ہیں، تا کہ وہ اللہ کا حق بتا دیں، سب سے پہلے اللہ کا!!! اور وہ ہے اللہ کو ''اللہ'' ماننا، جیسے وہ اپنی شان وصفات کے ساتھ ہے، اور اس کے تمام احکام کو تسلیم کرنا، جیسے اس کے احکام ہیں، سب سے پہلے اسی کی دعوت...... سب سے پہلے اسی کی تعلیم .... لوگ اللہ سے جڑ جاویں، ہر نبی کی آواز تھی ﴿ يَاقَوْمِ اعْبُدُوْا اللّٰهَ مَالَكُمْ مِنْ إلٰهٍ غَيْرُه ﴾ [الأعرف: ۵۹، ۶۵، ۷۳، ۸۵، ہود، ۵۰، ۶۱، ۸۴] اے میری! قوم ایک اللہ کی عبادت پر آ جاؤ، تمھارے لئے کوئی دوسرا معبود نہیں، کوئی دوسرا کارساز نہیں ہے، رسول سب کے لئے..... اللہ بھی سب کے لئے...... معبود برحق، حیات اور موت کا مالک ہے..... اور حیات اور موت کے درمیان جتنے مسائل ہیں ان کا بھی مالک.... ایسے ہی سب کے لئے، ایک رسول آخر میں آیا ﴿ قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاس إنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ إلَيْكُمْ جَمِيْعاً الَذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ﴾ [الأعراف: ۱۵۸] ایک ہی راستہ سب کے لئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اس راستہ کو کشادہ کیا گیا تنگی ختم کر دی ﴿ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ﴾ [سورۃ الحج: ۷] اسکی تکمیل کے لئے یہ سارے علوم آئے ہیں۔

دین کی سمجھ اللہ کا بڑا انعام ہے:

اللہ جسکے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرینگے اسکو دین کی سمجھ دیں گے، حدیث شریف میں ہے ''مَنْ یُرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُفَقِّھْهُ فِی الدِّیْنِ'' [مسند احمد بن حنبل/ حدیث نمبر: ۱۶۸۳۷] اللہ جسکے ساتھ خیر کا ارادہ کرے گا اسے اپنے دین کی سمجھ دے گا، تو دین کی سمجھ مل جانا اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے، دین کے بارے میں سمجھ کسی کو مل جاوے وہ سعید ہے...... وہ خوش نصیب ہے...... باقی یہ سمجھنا پڑے گا کہ ہمکو یہ نعمت کیوں ملی ہے؟ تو نعمت حقوق کی ادائیگی کے لئے ہے، حقوق کی پاسبانی کے لئے ہے، اسلئے اس علم کو امانت قرار دیا ہے، اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہے، کوئی اس میں ملاوٹ نہ کرے..... کوئی غلط بیانی نہ کرے..... اپنے خیالات سے رہبری نہ کرے..... بلکہ حق کی رہبری کرے، اس لئے اس علم کا حاصل کرنا فرض قرار دیا۔

علم دین امانت ہے:

دین کے جو کام فرض ہیں انکا علم فرض ہے، جو واجب ہیں انکا علم واجب ہے، اس کے بغیر صحیح بات سامنے نہیں آئے گی، لوگ اپنے اپنے خیالات سے رجوع کریں گے، صحیح علم حاصل کرلو، حضرت عمرؓ لوگوں سے فرماتے تھے ''تَفَقَّھُوْا قَبْلَ أَنْ تسودوا'' [شعب الإیمان، باب ضب العلم، حدیث نمبر: ۱۵۴۹] لوگ تمہیں اپنا بڑا بناویں اپنا رہبر ذمہ دار بناویں اس سے پہلے دین کا علم حاصل کرلو، کیوں کہ یہ امانت ہے، جسکے سلسلے میں ہے کہ انھوں نے صحیح حدیث دی...... صحیح حدیث لی..... ذرا سا بھی خطرہ آیا نہیں لی..... ذرا بھی شک کہ نہیں یہ نہیں لیں گے...... اس سے حدیث نہیں لینی ہے، یہ آدمی ثقہ نہیں ہے، یہ صحیح آدمی نہیں ہے، یہ معتبر نہیں ہے! اسکے قصے کتابوں میں ہیں، ایک محدث کا گھوڑا بھاگ گیا اب اسکو بلا رہے ہیں آؤ آؤ اور انکے پاس تو برا ہے جس پر وہ

دانہ ڈالتے تھے، تو برادکھا رہے ہیں گھوڑے کو، آؤ آؤ مگر تو برے میں دانے ہیں نہیں، تو جب ان کو دیکھا کہ گھوڑے کو بلا رہے ہیں اور برے میں دانے نہیں ہیں، تو کہا گھوڑے کو دھوکہ دے رہے ہیں، جو گھوڑے کو دھوکہ دے..... اسکا کوئی اعتبار نہیں ہے، وہ تو انسان کو بھی دھوکہ دے سکتا ہے، اس سے حدیث نہیں لیں گے، اسکا کوئی بھروسہ نہیں۔

ایسے میں ناپ تول کر کے ایمانداری کو سامنے رکھا، حضور ﷺ کی امانت داری اور سچائی نبوت سے پہلے ظاہر ہوئی، نبوت کے بعد نہیں، نبوت بعد میں ملی..... اور آپکا صدق اور امانت داری پہلے ظاہر ہوئی ہے، یہ بنیاد ہے۔

طالب علم کے ساتھ اچھا سلوک کریں:

یہ دین اور یہ علم اللہ کی امانت ہے، یہ کسی کا ورثہ نہیں ہے، کسی کا حق نہیں ہے، جو لے اسکا حق ہے، ''فمن أخذه أخذه بحظ وافر'' [أبو داؤد، باب الحث علی طلب العلم، حدیث نمبر:۳۶۴۳] حدیث شریف میں ہے کہ جس نے لیا اس نے بڑی چیز لی، بڑا حصہ لے لیا، نبیوں کی وراثت ہے...... جو لیگا اللہ اسکو اوپر لاویں گے..... کوئی بھی لے، اس میں امانتداری ہے، اسلئے اسکو امانتداری سے لیا جائیگا، امانتداری سے دیا بھی جائیگا، حق حقدار کو دیا جائیگا..... جو پوچھنے کے لئے آوے جو سیکھنے کے لئے آوے انکا حق پہلا، کیونکہ یہ پوچھنے آیا ہے..... سیکھنے آیا ہے...... حضور ﷺ نے وفات سے پہلے صحابہؓ سے فرمایا کہ میرے بعد تمہارے پاس لوگ دین سیکھنے کے لئے آئیں گے، تو میں انکے بارے میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ ان سے بھلائی کرنا..... انھیں دین سکھانا...... انہیں دین کا علم دینا، انکے ساتھ سلوک کرنا۔

علم سے حقوق کی معرفت حاصل ہوتی ہے:

عبداللہ ابن عباسؓ صحابہؓ کی جماعت میں بڑے عالم تھے،، بحر العلوم، حبر الأمة یہ انکے

لقب ہیں، تو لوگ انکے پاس دین سیکھنے کے لئے آتے تھے، اپنے کمرے میں اپنے گھر میں بٹھا کر انکو درس دیتے تھے.... یہ حدیث کے لئے آئے ہیں.... یہ تفسیر کے لئے آئے ہیں.... انکو تفسیر کا درس دیتے تھے..... یہ تاریخ کے لئے آئے ہیں..... تو انکو تاریخ کا علم دیتے تھے..... یہ میراث کے لئے آئے، میراث کا علم معلوم کرنے والے ہیں..... تو انکو میراث کے مسائل بتاتے تھے..... ہر ہر جماعت کو ہر ہر قافلے کو، جو قافلہ جس علم کے لئے آیا ہے اسکا علم لیا، جب وہ فارغ ہوگیا، تو دوسرے دروازے سے باہر ہوگیا، دوسرے قافلہ کو بلاؤ، تو انکے دوسرے بھائی باہر کھڑے رہتے تھے، فضل ابن عباس عبداللہ ابن عباسؓ کے بھائی ہیں، یہ بھائی کے پاس سے آئے ہیں کیا آپ کا درس ہوگیا ؟ کہ ایک بھائی درس دے رہا ہے ایک بھائی خدمت کر رہا ہے، کیونکہ حضور ﷺ کی وصیت تھی کہ انکے ساتھ اچھا سلوک کرنا یہ دین سیکھنے کے لئے آئینگے، اور کوئی انکی غرض نہیں ہے.... اللہ کے یہاں طالب علم کا جو مقام ہے وہ مقام اجاگر کیا، یہ اس وجہ سے کہ امانت ہے، تو ساری بات چیت اس بات کی دلیل بنتی ہے کہ علم کی اللہ کے نزدیک اہمیت ہے، کیوں اہمیت ہے؟ اس لئے کہ اس سے اللہ کے حقوق کی معرفت حاصل ہوگی۔

علم والا اپنے آپ کو علم کے تابع کرے:

اللہ بڑے ہیں، اور اللہ کی بڑائی دل میں اس علم کے آنے کی وجہ سے ہوتی ہے، اللہ کا خوف پیدا ہوتا ہے، اسلئے اللہ سے ڈرنے والے، علماء ہوتے ہیں ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ [سورۃ: الفاطر، آیت:۲۸] کہ انکے دلوں میں اللہ کی عظمت اللہ کی بڑائی ہوتی ہے وہ اللہ کی شان سے..... صفات سے..... واقف ہوتے ہیں، اسلئے وہ اللہ سے زیادہ ڈرتے ہیں، سب سے زیادہ ڈرنے والے یہی لوگ ہیں، محمد ﷺ

فرماتے ہیں" إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلَّهِ وَأَتْقَاكُمْ " [صحيح البخاري، باب الترغيب في النكاح، حدیث نمبر:۴۷۷۶] میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں، یہی اثر ہے اس علم کا کہ جو جتنا زیادہ اللہ کو پہچانتا ہے وہ اتنا زیادہ اللہ سے ڈرتا ہے...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اللہ کو پہچاننے والا کوئی بھی نہیں ہے، آپ ﷺ سے زیادہ علم کسی کے پاس نہیں ہے، تو آپ ﷺ سے زیادہ ڈرنے والا بھی کوئی نہیں ہے...... یہ اس علم کا اثر ہے...... علم والے سب سے زیادہ ڈرنے والے ہوتے ہیں...... پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں، یہ کب ہے؟ جب اپنے آپکو علم کا تابع کیا جائے، یہ پہلی ذمہ داری ہے، کہ ہر علم والا اپنے آپکو اپنے علم کا تابع کرے...... دنیا میں ہر قانون جاننے والا اپنے آپ کو اس قانون کے تابع کرتا ہے...... گاڑی چلانے والا اپنے آپکو اصول و قانون کے تابع بناتا ہے...... اسکے حساب سے گاڑی چلتی ہے...... نہیں تو گاڑی ٹوٹ جاوے، اور خراب ہو جاوے...... یہ گاڑی چلانے کے اصول ہیں، پولس کے اصول ہیں...... وہ اپنے آپکو ان اصولوں کا تابع ہو کر کے کام کرتا ہے...... ایسے ہی علم کا حال ہے، کہ علم اللہ کے بتائے ہوئے اصول ہیں، اسکا سب سے پہلا تقاضا ہے کہ عالم پر اثر کرے۔

علم تقویٰ پیدا کرتا ہے:

اسلئے دنیا میں صحابہ نے زہد اختیار کیا...... تقویٰ اختیار کیا...... امانتداری سے کام کیا...... اور صحابہؓ کے علم کی یہ خصوصیت تھی کہ انکے علوم نے انکے اندر تقویٰ پیدا کر دیا، اللہ کا ڈر پیدا کر دیا، امت میں سب سے زیادہ ڈرنے والے ابوبکرؓ ہیں، ﴿ وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ﴾ [سورۃ: الليل. آیت: ۱۷] یہ اتقیٰ ابوبکرؓ ہیں، اور علوم بھی انکے پاس سب سے زیادہ تھے، اگرچہ روایتیں انکی زیادہ نہیں ہیں، جب کوئی مشکل مسئلہ آتا تو وہ فرماتے کہ اسکا حل یہ ہے!!! تو ڈر بھی انکے پاس زیادہ، یہ اس علم کی تاثیر ہے، کہ علم اللہ کا ڈر اور آخرت کا ڈر پیدا کرے گا، حضور

صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا میرے ساتھ کیا ہوگا۔

اپنے عمل سے کوئی جنت میں نہیں جائے گا:

کوئی اپنے عمل سے جنت میں نہیں جائیگا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بھی نہیں ......ڈر ہے اپنے بارے میں، کیونکہ اس کا یہی اثر ہے، کہ جتنا اپنے آپکو اس علم کا تابع بنایا جائیگا اتنا ہی یہ ڈراوے گا......امانتداری بڑھ جائیگی......ڈر بڑھ جائیگا... صحابہؓ کو تقوی ملا، پھر انکے تابع داری میں انکے بعد جتنے بھی حضرات تابعین آئے، تبع تابعین، بزرگان دین، یہ سب اسی صفتِ تقوی پر تھے، تو یہ علم ڈر پیدا کرتا ہے، امانتداری کی صفت پیدا کرتا ہے، مخلوق کے حقوق کی فکر رہتی ہے، اسکی برکت سے اللہ انکے دلوں میں تقوی خشیت بڑھاتے ہی رہتے ہیں۔

امام محمد کا ڈر:

امام محمد ابن حسن شیبانیؒ ہمارے اماموں میں ہیں، وہ ڈرتے ہی رہتے تھے....لوگ کہتے تھے کہ آپ اتنا ڈرتے ہیں؟؟؟ آپ نے تو علم کی اتنی خدمت کی ہے!!! اتنا استنباط کیا ہے، اتنی بڑی بڑی آپ کی کتابیں ہیں!!! اور ایک بڑی امت آپ کے مسلک پر چل رہی ہے، کتنا بڑا اجر ہے؟ لیکن ان لوگوں نے میری گردن پر پل بنایا ہے، اب وہ لوگ میرے استنباط پر عمل کرینگے پتہ نہیں صحیح نکلے نہ نکلے؟؟؟ مجھ سے پوچھ ہوگی، کیونکہ انبیاء کرامؑ سے بھی اللہ پوچھیں گے، کہ آپ نے کیا کیا تھا؟ ﴿فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْھِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ﴾ [الأعراف:٦] جنکے پاس بھیجا ہے انسے بھی پوچھیں گے کہ کیا پہونچا؟ اور جنکو بھیجا تھا ان سے بھی پوچھیں گے کہ آپنے کیا پہونچایا؟ کیا دیا.

انبیاء کی طرح علماء سے بھی سوال ہوگا:

جس طرح انبیاء سے سوال ہوگا اسی طرح علماء سے بھی سوال ہوگا، حضرت شیخ سہارنپوریؒ نے مؤطا کی شرح لکھی ہے ''أوجز المسالک'' اس کے متعلق علماء جانتے ہیں، اسکے مقدمہ میں لکھا ہے کہ جس طرح انبیاء سے سوال ہوگا، امت کے علماء سے بھی سوال ہوگا، آپ کیا کر آئے؟ کیوں کہ آپکو علم دیا تھا، اس لئے ہمیشہ امت کے علماء ڈرتے ہی رہے، ڈرڈر کر اللہ کا کام کیا...... انھوں نے اپنے آپ کو ہمیشہ بچایا.... کہیں اللہ کے حقوق میں کمی نہ ہو جائے، امت کے مالوں سے بچ کر کے امت کی خدمت کی، جیسے انبیاء کرام لوگوں کے مال سے بچتے تھے ﴿لاأسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالاً﴾ امت کے مالوں سے بچکر کے امت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھانا ہے، امت کو فائدہ پہونچانا ہے، کیوں کہ اس علم کی یہی تاثیر ہے، اسلئے اللہ تعالیٰ نے انکی خدمتوں کو پروان چڑھایا، انکی خدمتوں کو سراہا، انکی خدمتوں کو قبول کیا، اور انکی خدمتوں کو ہدایت کا ذریعہ بنایا.... انکو حق کی فکر ہے، انکو ڈر ہے، کہ ہماری طرف سے کوئی کوتاہی نہ ہو جاوے۔

علماء بنی اسرائیل کی کمزوریاں:

اللہ پوچھیں گے ہر عالم سے..... ہر مفتی سے..... ہر خطیب سے..... کیا خطاب کیا تھا؟ کیا فتوی دیا تھا؟ جیسے انبیاء کرام سے پوچھیں گے کیا کیا تھا؟ اس امت کے علماء کی یہ خوبی ہے، ایک بنی اسرائیل کے عالم تھے، انکا پہلو بھی اللہ تعالیٰ نے ہمارے سامنے کھولا ہے، آپ قرآن پڑھیں انکا علم تقوی سے نہیں ملا، انکا علم فسق سے ملا، ﴿وإنَّ أكْثَرَهُمْ لَفَاسِقُوْنَ﴾ [المائدہ:۵۹]، علماء بنی اسرائیل کے حالات پڑھیں سورۃ بقرۃ میں، سورۃ آل عمران میں، سورۃ مائدہ میں، انکی زندگی کی کتنی کمزوریاں تھیں!!! انکی زندگی کی کتنی قباحتیں تھیں، وہ سب قباحتیں بتائی بیان کی گئی ہیں، انھوں نے یہ کیا..... یہ کیا.... یہ کیا ہے...... صحیح رہبری نہیں کرتے تھے...... لوگوں کی دنیا سے فائدہ اٹھاتے تھے، یہ

اس طرح ﴿یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا إِنَّ کَثِیْراً مِنَ الأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَیَأْکُلُوْنَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالبَاطِلِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللهِ﴾ [التوبة:۳۴] دونوں کام کرتے ہیں، لوگوں کے مال ہڑپ کرتے ہیں، اور حق کے راستہ میں رکاوٹ بنتے ہیں، جب کوئی نبی آیا تو سب سے پہلے انکے علماء کو نبی سے حسد ہوا۔

یہود کے علم نے انکے اندر تکبر پیدا کر دیا:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو یہود مدینہ میں تھے انکو سب سے زیادہ حسد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا، انکے علم نے حسد پیدا کر دیا..... تو یہود نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ اس آدمی کی ساری عمر مخالفت کرنی ہے...... جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے قبا پہونچے ہیں تو یہود کے دو بڑے شخص مغرب کے وقت آئے، تو دیکھا کہ یہی ہیں کہ ہاں یہی! کہ ساری عمر اسکی مخالفت کریں گے، یہ فیصلہ کیا... یہود کے علم میں صرف فسق آیا، حالانکہ وہ جانتے ﴿یَعْرِفُوْنَهُ کَمَا یَعْرِفُوْنَ أَبْنَائَهُمْ﴾ کہ وہ اس نبی کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا اپنے بیٹے کو پہچانتے ہیں، کوئی خفا نہیں ہے..... کوئی تردد نہیں ہے..... لیکن تابعداری نہیں کرتے..... کیوں کہ انکے علم نے انکے اندر تکبر پیدا کر دیا، جیسے ابلیس کے علم میں تکبر ہے، تو اللہ کے حکم سے انکار کر دیا..... میں سجدہ نہیں کرتا، اکڑ گیا حکم کے سامنے، اور آدمؑ سے حسد کیا... کیوں کہ حسد تکبر کی فرع ہے، تکبر پیدا ہوگا تو حسد پیدا ہوگا، پھر حسد کرینگے، اور حق سے روکیں گے۔

بنی اسرائیل کے علماء نے علم کا حق ادا نہیں کیا!

تو بنی اسرائیل کے علماء کو فسق ملا..... علم انکے پاس تھا، اللہ نے علماء کہا ہے ﴿أَوَ لَمْ یَکُنْ لَهُمْ آیَةً أَنْ یَعْلَمَه عُلَمَاءُ بَنِی اسْرَائِیْلَ﴾ [الشعراء:۱۹۷] چنانچہ جہلاء نہیں کہا، وہ علماء ہیں، لیکن انکے علم میں فسق ملا ہے، انکے علم میں خشیت..... اللہ کا

خوف.... عدل وانصاف نہیں رہا، بلکہ علم کے ذریعہ سے نفس کی تابعداری کی، اور نفس کے خواہشوں کے پورا ہونے کے حیلے بنائے، اسلئے ہمیشہ کے لئے ملعون ہو گئے، ﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِي اِسْرَائِيْلَ﴾ [المائدہ:۷۸] یہ ملعون ہوئے ہیں، اللہ نے علم بھی دیا تھا.....اللہ نے انبیاء کرام بھیجے، کتابیں بھیجیں، کتابوں کا علم بھی دیا....تو حق روشن ہو گیا.....لیکن اپنی نفسانیت کی وجہ سے علم کا بھی حق ادا نہیں کیا.....اور مخلوق کا حق بھی ادا نہیں کیا.......دنیا دار بن گئے، اور دنیا بنانے کے لئے اپنی تدبیروں سے حیلہ کرتے تھے، بہانہ کرتے تھے، اور اپنی بڑائی جتاتے تھے.....اور جب کوئی نبی آتا تھا تو اس سے حسد کرتے...... نبی کے تابعداروں سے حسد کرتے...... خیر خواہی انکے اندر نہیں ہے کہ اس نبی کی خیر خواہی کریں! کام کی خیر خواہی کریں! دین سے ہمدردی کریں، دیندار لوگوں سے ہمدردی کریں، انکے اندر ہمدردی نہیں ہے.....بلکہ حسد ہے۔

جو علم سے فائدہ نہ اٹھائے اسکا عذاب سب سے سخت ہے:

جب علم کا استعمال صحیح نہیں ہوگا تو دوسری قسم کی چیزیں پیدا ہونگی، جیسے دنیا کا لالچ بڑھ جائیگا، حسد بڑھ جائے گا......اپنی بڑائی بڑھ جائیگی.....اور حق کے راستہ میں زبردست رکاوٹ بنیں گے، اس لئے زبردست عذاب کے حقدار بنیں گے "أَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَالِمٌ لَمْ يَنْفَعْهُ عِلْمُهُ" [شُعَبُ الإيمان / حديث نمبر:۱۶۴۲] سب سے سخت عذاب اس عالم کا ہے جو علم سے فائدہ نہ اٹھائے، تو اللہ نے بنی اسرائیل کے علماء کا حال بھی ہمارے سامنے رکھا، کہ جو حقوق کی معرفت کے لئے علم آیا تھا انھوں نے اپنے نفس پروری میں اسے لگایا، اپنی بڑائی..... اپنی برتری لوگوں کی دنیا سے فائدہ اٹھانا...... اور حق کے ساتھ حسد کرنا، حق کے راستہ میں رکاوٹ بننا، ﴿يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾

[التوبة/۳۹] اللہ کے راستہ میں رکاوٹیں ڈالتے تھے ، صد،یصد لازم متعدی دونوں استعمال ہوتا ہے،خود بھی رکتے ہیں، دوسروں کو بھی روکتے ہیں، یہ کرتے تھے،اور یہ انکی عادت تھی، اسلیے ملعون ہو گئے۔

علماء بنی اسرائیل کے حالات بطور عبرت ہیں:

انکی باتیں اللہ تعالیٰ نے اس امت کے سامنے بطور عبرت رکھی ہیں، تاکہ اپنے اوپر یہ راستہ نہ کھلے، بلکہ اپنے آپکو علم کے تابع بنانا، ایک ایک سنت ہمارے عمل میں آئیگی، ایک ایک سنت کی ہم تبلیغ کرینگے، کیوں کہ وہ عمل کے لئے اور پہونچانے کے لئے ہی ہے، دو ہی کام کرنا ہے، عمل کرو! اور دوسروں کو سکھاؤ! پھر وہ لعنت سے بچے ہوئے ہیں، "الدُّنْيَا مَلْعُوْنٌ وَمَلْعُوْنٌ مَا فِيْهَا إِلَّا ذِكْرَ اللّٰهِ وَمَا وَالَاهَا عَالِمًا و مُتَعَلِّمًا" اللہ کا ذکر اور اللہ کی اطاعت...... اور اللہ کی اطاعت رہبری کیلیے، پھر یہ لعنت سے بچے ہوئے ہیں، یہ رحمت میں ہیں، نہیں تو لعنت میں ہیں۔

علم کے دو اہم تقاضے:

تو بنی اسرائیل کے علماء پر لعنت کی گئی، یہ بہت بڑا پہلو اللہ تعالیٰ نے ہمارے سامنے کھولا ہے، کہ علم کا کیا تقاضا ہے؟ علم کا تقاضا یہی ہے کہ اپنے آپکو علم کا تابع کیا جاوے، اور دوسرا تقاضا اس علم کا یہ ہے کہ دوسروں کو تیار کیا جاوے، دوسروں کے لئے راستہ بنایا جاوے..... ایسی محنت ہو جاوے کہ لوگ اس راستہ پر چلیں، جیسے حکومتیں پل بناتی ہیں..... سڑکیں بناتی ہیں...... پہاڑ چھیدتے ہیں...... سڑک بنانے کے لئے، اور پانی ہے تو پل قائم کریں گے، تاکہ لوگ جائیں... آئیں، ایسے علماء خدمت اور محنت کر کے ایسا راستہ بنادیں کہ لوگ آسانی سے اس پر چل سکیں، غریب، امیر، تاجر ہر ایک اس راستہ پر چلے ، پہلا طبقہ علماء کا.... صحابہ کرامؓ کا ہے، صحابہ کرامؓ کا علم بہت گہرا، جیسا کہ ابن مسعودؓ

فرماتے ہیں کہ " أعْمَقُها عِلماً وأقَلُّها تَكَلُّفاً "[اخرجه ابن عبد البر في جامع بيان العلم وفضله ۲/۹۷] یہ حضرات اپنے علم میں بہت گہرے تھے، اصحاب محمد ﷺ کے پاس علوم تھے، اور وہ اپنے علوم کے تابع ہو گئے، اسلئے انکی زندگی میں انکا علم نور بن کر چمکا ہے، کہ میرے صحابہؓ ایسے جیسے ستارے، تو ہر ستارہ روشنی کے لئے ہوا ہے ،اور زمین والوں کو اس روشنی سے فائدہ ہو رہا ہے، سمندروں میں اور جنگلوں میں..... لوگ ستاروں سے روشنی لیتے ہیں.....رہبری لیتے ہیں۔

حضور ﷺ سراجِ منیر ہیں:

آپ ﷺ کی ہستی سراج منیر ہے..... چراغ ہر طرف روشنی پھیلاتا ہے، سب کی طرف متوجہ ہے، موم بتی جلاؤ سب کی طرف متوجہ ہے، روشنی پھیلے گی، اور کچھ نہیں پھیلے گا، حضور ﷺ کی شان بتائی کہ سوائے روشنی پھیلنے کے کوئی موضوع ہی نہیں، آپ ﷺ کی زندگی کا......کہ حق کی روشنی پھیلے گی..... لوگ حق سے فائدہ اٹھاویں....اس طرح آپ ﷺ کے اصحابؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم لیا، اور خوب لیا، وہ تو آپ کے سامنے ہے، ابن مسعودؓ فرماتے تھے کہ اصحاب محمد ﷺ اپنے علموں میں گہرے ہیں "أعمقهم علماً" اسلئے انکے راستہ پر آؤ! انکے اخلاق سے اخلاق ملاؤ! انکے عادات سے عادات ملاؤ! پھر قسم کھا کے کہا کہ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ بالکل صراط مستقیم پر ہیں، پھر صحابہؓ سے تابعین نے لیا، پھر تبع تابعین نے لیا، اس طرح یہ علم چلتا ہوا آیا ہے، اور امت کو رہبری ملتی چلی گئی۔

باطل نے علماء سے اشتراک توڑ دیا:

پھر باطل نے آ کر یہ کیا کہ امت کا اور علماء کا رشتہ توڑ دایا، یہ ایک محنت ہوئی ہے، کہ عوام کو الگ....اہل علم کو الگ کیا.....عوام کو بدظن بنایا....کہ تم انکے پیچھے چلو گے تو

تمھیں دنیا میں ترقی نہیں ہوگی، وہ تو الحمد للہ ایک عمومی محنت ہوئی ہے تو لوگ جڑے ہیں، ورنہ بڑا مشکل تھا، پہلے لوگ بہت حقارت سے دیکھتے تھے.... انگریزوں کا دور تھا.... اسوقت ہم لوگ پڑھتے تھے، پچاس سال پہلے کی بات ہے، تو لوگ علم کو طلبہ کو بہت حقیر نظر سے دیکھتے تھے، اب اللہ تعالیٰ نے وہ ربط پیدا کرادیا کہ علم کی قدر ہوئی، علماء کی قدر ہوئی، اور عوام بھی علماء کی طرف متوجہ ہوئے،......انکے دلوں میں ہمدردی آئی۔

جس علم سے حسد پیدا ہو وہ وبال جان ہے:

یہی اس علم کا حق ہے کہ علم ہمدردی پیدا کرے گا.......حسد نہیں پیدا کرے گا....اگر حسد پیدا کرے تو وہ علم وبال ہے، اور ہمدردی پیدا کرے تو وہ علم رہبر ہے.....وہ علم رحمت ہے، اس علم کا حق ہمدردی ہے، کیونکہ نبی کے دل میں ہر ایک کی ہمدردی ہوتی ہے، اپنے دشمن کی بھی ہمدردی، یہ دشمن ہے..... کہ ہوگا! نبی اسکا دشمن نہیں ہے، وہ نبی کا دشمن ہے، اسلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے.....قریش بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ناامید نہیں ہوتے تھے، کوئی مسئلہ ہوتا تھا کوئی ضرورت ہوتی تھی تو پیش کردیتے، کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو ہمارے رشتہ دار ہیں..... آپ تو رشتہ داری اور اسکے حقوق بتاتے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ ہاں ٹھیک ہے، اور انکی ضرورت پوری کردیتے تھے، وہ دشمن ہیں مگر آپ ناامید نہیں ہیں، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے رہبر بنایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ہمدردی ہے....... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر اخلاق ہیں.....چنانچہ دشمن سے ناامید نہیں ہوتے تھے، کیونکہ یہ علم اسی لئے ہے کہ ہمدردی پیدا کرے، لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک پیدا کرے۔

امت سے دین کی طلب نکل گئی:

اسلئے میرے بھائیو! اب امت میں دین سے تھوڑی دوری آ گئی، اس دوری کی وجہ

سے یہ نوبت آئی کہ دین کی طلب نکل گئی..... دنیا کی طلب بڑھ گئی، دنیا کی ترقی کی فکر ہے، آخرت کی فکر نہیں ہے..... حالانکہ اس علم کا تقاضا یہ ہے کہ لوگوں سے ہمدردی کرکے انکے لئے راستہ بنایا جاوے، وہ جہالت سے آتے تھے اور نبی اخلاق سے پیش آتے تھے، ایسے ہی لوگ جہالت سے پیش آئیں گے اور اہل علم اخلاق سے پیش آئیں گے، تاکہ انکا ربط ہو جاوے۔

تبلیغ کی غرض وغایت:

اسلئے پھر سے انکے اندر دین کی طلب پیدا کرنے کی ضرورت ہے...... یہ تبلیغ کی محنت ہے، اسکی بڑی غرض وغایت یہی ہے کہ بے طلب لوگوں میں دین کی طلب پیدا کراؤ، تاکہ وہ دین سیکھیں..... دین پوچھیں..... دین لیں..... اگر طلب کے بغیر دو گے تو قدر نہیں ہوگی، جیسے ایک آدمی کا پیٹ بھرا ہوا ہو، اسکو کھانا دو..... تو اسکو بوجھ ہوگا، وہ کسی کو دے دیگا، کہ میں نے تو کھالیا، تو میں یہ بوجھ کیوں اٹھائے اٹھائے پھرونگا،؟ تو بے طلبی سے اگر کوئی چیز دو گے تو قدر نہیں ہوگی..... اور اگر طلب کے بعد دو گے تو ایسا جیسا کہ بھوکے کو کھانا کھلایا، پیاسے کو پانی پلایا..... ننگے کو کپڑا پہنایا! نبی طلب پیدا کراتے تھے، طلب کے بعد اگر کوئی آیا تو طلب کے مطابق اسکو علم بھی دیتے تھے، تو لوگ آتے تھے..... اور کہتے تھے کہ "عَلِّمْنِي يَا رسولَ اللهِ ﷺ مِمَّا عَلَّمَكَ اللهُ" کہ یا رسول اللہ ﷺ جو آپکو اللہ نے سکھایا مجھے بھی سکھاؤ، تو آپ ﷺ انھیں سکھانے کے لئے بیٹھ جاتے تھے، کیونکہ یہ طالب ہے، طلب لیکر آیا ہے۔

لوگوں میں طلب پیدا کرانی ہے:

تو محنت سے لوگوں میں طلب پیدا کرانی ہے، تاکہ دین کی ناقدری نہ ہو، اگر بغیر طلب کے دیدیا تو وہ ناقدری کریں گے..... پڑھ کے ڈال دیں گے، اسلئے نبی نے

لوگوں میں طلب پیدا کرائی..... طلب پیدا کرانے کا نام دعوت ہے.....یعنی امت میں دین کی طلب پیدا کراؤ جیسے کسی کو بھوک نہیں لگتی تو ڈاکٹر اسے وہ دوا دے گا جس سے اسکو بھوک لگے، نیند نہیں آتی تو اسکو وہ دوا دی جائیگی، جس سے اسکے دماغ کی خشکی دور ہو اور نیند آوے، کیوں نیند آنا ضروری ہے.....بھوک لگنا ضروری ہے.... بھوک کی وجہ سے کھانا کھانا بنتا ہے، نہیں تو بوجھ بنتا ہے، نیند سے راحت ملتی ہے، بدن کام کریگا، ﴿وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا﴾ [النبأ/۹] ہم نے تمہاری نیند کو تمہارے بدن کی راحت کیلئے پیدا کیا، کیونکہ ہمکو تم سے کام لینا ہے، تو نیند بھی ضروری ہے، نیند نہیں آتی تو بیماری ہے..... بھوک نہیں لگتی تو بیماری ہے...... ایسے ہی دین کی طلب نہیں ہے، بیماری ہے، دین ضائع ہو جائے گا۔

عبرتناک واقعہ:

ہم نے ۶۶ء میں عراق کا سفر کیا، چھاپی میں بہت بڑا اجتماع ہوا تھا، مولانا یوسف صاحبؒ کا زمانہ تھا، دنیا بھر میں جماعتیں بھیجیں، مولانا نے سارے پرانوں کو جماعتوں میں لگا کر بھیجا، ہمارے حصہ میں عراق آیا تھا، چار مہینہ عراق میں لگائے، وہ عجیب دور تھا، مسجد کا امام نابینا..... مسجد کا مؤذن نابینا..... مسجد کا خادم نابینا..... بینا بھی ہوتے تھے، لیکن نابینا ہوتے تھے، کیونکہ نابینا کچھ کرتا نہیں، تو وہ مسجد میں رہے، اذان دے، بعض نابینے حفظ کرتے تھے، قرآن شریف کے حافظ ہیں، کوئی استعمال نہیں جب کوئی مرجاتا تھا تو وہ قبر تک اسکے پیچھے پیچھے جاتے تھے، اور اسکے وارث اسکو پیسے دیتے تھے، یہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، نابینا ہے.....اور حافظ قرآن ہے، قرآن شریف کا کوئی استعمال نہیں ہے، کیونکہ دینی فضاء نہیں ہے، مسلمان ہیں وہ دنیاوی علوم وفنون حاصل کرتے ہیں، اور قرآن شریف کی کوئی قدر وقیمت نہیں، بصرہ اور کوفہ ہم تو اپنی کتابوں میں پڑھتے

تھے، بصری/ انکا یہ مذہب ہے.....کوفی / انکا یہ مذہب ہے.....عوام میں جہالت ہے، حالانکہ یہ علمی مراکز رہے ہیں، عراق میں عبداللہ ابن مسعودؓ کے ہزاروں شاگرد تھے، حضرت علی جب عراق گئے تو انکے مشہور شاگردوں نے انکا استقبال کیا، یہ ابن مسعودؓ کے شاگرد ہیں، یہ علمی مراکز ہیں۔

دین کی طلب نکل گئی:

جب لوگوں سے طلب اٹھ گئی تو وہاں سے علم اٹھ گیا، ایک رکعت تراویح میں ایک آیت پڑھتے ،اس لئے کہ تراویح جلدی ختم ہو جاتی ہے، ایک آیت **الرحمٰن، اللہ اکبر.... علم القرآن**، اللہ اکبر....... ہنسنے کی بات نہیں ہے، حالانکہ یہ علمی مراکز رہے ہیں، اسی بے طلبی کی وجہ سے علم ضائع ہو گیا..... اہل علم اٹھ گئے، علماء مر گئے، بعد والوں نے علم لیا نہیں، تو زندگی جہالت کا شکار ہوگئی، ہم لوگ پیدل چلتے تھے، ایک جگہ ہمارا قیام ہوا، مسجد تھی نہیں؟ ایک آدمی نے اپنے گھر پر ہمکو ٹھہرایا، ظہر کی نماز تک ہماری تعلیم ہوئی، پھر میں نے ان سے کہا کہ ظہر کی نماز پڑھیں؟ کہا ہاں پڑھو! تو میں نے کہا آپ بھی پڑھو، انھوں نے صاف عربی میں کہا لا أعرف الصلاة میں نماز نہیں جانتا۔ آج امت میں بے طلبی..... اور بے طلبی کی وجہ سے اپنے دین کی بھی خبر نہیں ہے.....اور آخرت کی بھی خبر نہیں ہے۔

علماء عوام سے تعلق پیدا کریں:

اسلئے آج علم والوں پر..... دین والوں پر..... یہ تقاضا ڈالا گیا کہ وہ ان سے تعلق پیدا کریں..... جیسے اللہ نبی کو جہالت میں بھیجتے تھے، حضور ﷺ جاہلیت میں آئے ہیں، اور کتنی پکی جہالت..... چھ سو برس تک انکے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، عیسیٰؑ کے

اٹھائے جانے کے بعد ﴿لِتُنْذِرَ قَوْماً مَا اُنْذِرَ آبائُهُمْ فَهُمْ غَافِلُوْنَ﴾ [یٰسین: ۹] یہ کہا اللہ نے، آپ ﷺ ان لوگوں کو ڈرا کر اللہ کی طرف لائیں گے، انکے باپوں کو بھی کسی نے نہیں ڈرایا، یہ غافل ہیں، پکی جہالت.....طواف بھی خانہء کعبہ کا ننگا کرتے تھے ،مرد بھی اور عورت بھی، یہ جہالت کے آثار ہیں.....اس جہالت میں حضور ﷺ نے کام کیا ہے، کہ لوگوں میں دین کی طلب پیدا فرمائی، انکو بشارتیں سنائی، انکو عذاب دکھائے ..... دیکھو یہ کروگے تو یہ ہوگا، نہیں کروگے تو یہ ہوگا..... پھر انکو اخلاق دکھائے، ﴿وَاَعْرِضْ عَنِ الجَاهِلِيْنَ﴾ جہالت کے جواب میں اخلاق، جہالت کے جواب میں علم.....، کون سا علم؟ ترغیب کا....... اللہ نبیوں کو مبشرین اور منذرین بنا کر بھیجتے تھے ،وہ انھیں بشارتیں سنادیں، اپنے انجام سے ڈرادیں، تاکہ ان میں تعلق پیدا ہو۔

دعوت وتعلیم دونوں نبوت کے شعبہ ہیں:

تو بے طلبوں میں کام کرنا اسکو دعوت کہتے ہیں، طلب والوں میں کام کرنا اسے تعلیم کہتے ہیں...... اور دونوں ضروری ہیں، دونوں نبوت کے شعبے ہیں، نبی داعی بھی ہوتا ہے..... نبی معلم بھی ہوتا ہے، نبی مصلح بھی ہوتا ہے، انکے اعمال اخلاق کو ٹھیک کرتا ہے، تاکہ انکی معاشرت صحیح ہوجاوے.....انکا رہن سہن صحیح ہوجاوے، حقوق کی ادائیگی ہوجاوے.....انصاف احسان انکی زندگیوں میں آوے...... یہ ذمہ داری امت کے اہل علم پر ہے، کہ طلب والا آوے تو اسے علم دو...... تحقیق سے پڑھاؤ! ہمارے علماء کرام جو علم دیتے تھے تحقیق سے دیتے تھے، کیونکہ علم تو تحقیق کا نام ہے.....نہ تو اٹکل گمان ہے.... اس لئے علم زندہ رہا ہے.....کیونکہ تحقیق کے ساتھ دیا، محنت کے ساتھ پڑھایا، خود محنت سے پڑھا بھی ہے، اور محنت سے پڑھایا بھی ہے، صحیح چیز یہ ہے..... جو طلب کے لئے آویں انھیں صحیح چیز دینا، اور جنکو طلب نہ ہو ان سے تعلق پیدا کر کے ان میں طلب پیدا

کر کے انکی دین کی طرف رہبری کرنا، تا کہ وہ بھی دین کی طلب والوں میں آ جاویں، اس کو دعوت کہتے ہیں۔

بے طلبوں میں طلب پیدا کرنا کٹھن کام ہے:

بے طلبوں میں طلب پیدا کرا کے انکو اللہ کی طرف لانا یہ کام کٹھن ہے، نبیوں پر بہت بھاری پڑتا تھا..... کیونکہ لوگ جہالت سے پیش آتے تھے، مخالفت کرتے تھے، ستاتے تھے، نبی کو پہچانتے نہیں ہیں، جب پہچان شروع ہوگئی بس پھر وہ آپ ﷺ کا اکرام کرتے تھے، آپ ﷺ کے وضو کا پانی گرنے نہیں دیتے تھے، نہیں تو دھول اڑاتے تھے شور کرتے تھے، بات سننے نہیں دیتے تھے، اب طلب آ گئی تو اب جو حکم ہے اسکے لئے تیار ہیں۔

تحقیق کر کے علم پہونچائیں:

تو علماء کرام پر اللہ نے یہی ذمہ داری ڈالی ہے، کہ طلب والا آوے اسے علم تحقیق سے دو! تحقیق سے فتویٰ دو! تحقیق سے حکم بتاؤ! تا کہ اسکا عمل صحیح ہو جاوے..... اور آپکے لئے صدقہ جاریہ ہو جاوے..... اور طلب نہیں، تو ان سے اخلاق سے پیش آؤ، ترغیب سے پیش آؤ، ان میں طلب پیدا کراؤ، پھر وہ بھی طلب لیکر آئے گا، کہ ہمکو دین سکھاؤ، اس میں خدا کیا کہتے ہیں؟ حکم کیا ہے؟ مولانا محمد یوسف صاحبؒ فرماتے تھے کہ علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ علماء تیار کریں! تا کہ یہ ذمہ داریاں چلتی رہیں، یہ نہیں کہ عالم کے مرنے کے بعد ماحول سونا ہو گیا، یہ نہیں کہ عالم کا انتقال ہو گیا اب انکی ذمہ داری سنبھالنے والے نہیں ہیں، بلکہ ذمہ داری سنبھالنے والے پیدا کریں، تا کہ امانت کی حفاظت کریں، جیسے مالدار آدمی چاہتا ہے کہ اولاد ہو..... کیونکہ وہ مال کا وارث بنیگی، اور اولاد نہیں ہوتی ہے تو دونوں میاں بیوی کو بڑی حسرت ہوتی ہے، کہ اللہ نے ہمکو مال دیا ہے..... دولت دی

ہے..... اولاد نہیں ہے، تو ہمارے مرنے کے بعد ہمارا گھر بند ہو جائیگا، یا تو کوئی دوسرا مالک بن جائے گا، اسلئے چاہتے ہیں کہ اولاد ہو جو اسکی وارث بنے..

علماء اپنے وارثین پیدا کریں:

اسی طرح علماء کے ذمہ یہ قرار دیا کہ آپکے بعد آپکے وارث ہوں تاکہ آپکی ذمہ داری کو موت تک سنبھالیں..... اسکو ترقی دیں، اس لئے فرمایا کہ علماء کی ذمہ داری ہے کہ علماء تیار کریں..... تاکہ حق کی بات لوگوں کے درمیان چلتی رہے، صحابہ کرامؓ نے علم کو زندہ کرنے کا انتظام کیا تھا، حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں...... جو صحابہؓ علماء تھے انکو ملکوں میں بھیجا، ابو درداءؓ کو شام میں بھیجا.... عبادہ ابن صامتؓ کو فلسطین بھیجا...... معاذ ابن جبلؓ کو یمن بھیجا.... یہ سب علماء ہیں، کیوں؟ تاکہ یہ لوگ وہاں علم کو زندہ کریں، تو موت تک وہیں رہے، اور اپنے علم کو وہاں زندہ کیا، اور ہر لائن کا علم...... خالی عبادت کا علم نہیں، فرمایا: مجھے ایسی جماعت چاہیئے جو وہاں جا کر علم کو زندہ کرے، تو پانچ صحابہ تیار ہوئے، [جن کی تفصیل ابھی گذری] اسلئے علم زندہ رہا، تو حضرت مولانا یوسفؒ یہ فرماتے تھے علماء کی ذمہ داری ہے یہ علماء تیار کریں، تاکہ امت کو حدود و قیود بتادیں..... کہ اسکی یہ حد ہے..... یہ حق ہے.... یہ شریعت ہے......

ہر طبقہ کو علم پہونچے:

دوسری ذمہ داری امت کے علماء کی یہ ہے کہ طبقات کو علم دیں...... تاجروں کے پاس تجارت کا علم ہونا چاہیئے! زمینداروں کے پاس زمینداری کا علم ہونا چاہیئے..... مزدوروں کے پاس مزدوری کی شریعت ہونی چاہیئے..... تاکہ انکی تجارتیں غلط نہ ہوں، انکی زمینداریاں غلط نہ ہو جاویں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کے احکام اتارے ہیں، اور یہ سب ہماری فقہ کی کتابوں میں ہے، کیونکہ ہمارا زمیندار بھی..... ہمارا دکاندار

بھی.... ہمارا مزدور بھی دیندار ہو، اور وہ اپنی جگہ پر اللہ کی حدود اور قیود پر قائم رہنے والے ہوں، یہ نہیں کہ خالی مال کمانے والا ہے، بلکہ مال بھی کمائے گا، اور حکموں کے ساتھ کمائے گا، تو طبقات میں علم دینے کے لئے طبقات کے اندر طلب پیدا کرنی پڑے گی، تب وہ تاجر آکر آپ سے مسئلہ پوچھے گا، اگر اسکے اندر طلب نہیں ہے تو وہ مسئلہ نہیں پوچھے گا، اگر ان میں دین کی طلب آئی تو مسئلہ پوچھے گا، کہ میرے یہ مسائل ہیں ان میں شریعت کیا کہتی ہے؟۔

ایک تاجر کی طلب:

ایک جماعت ہمارے پاس مصر سے آئی تھی، اس میں ایک سونے چاندی کے تاجر تھے، تو وہ ایک مرتبہ مجھ سے کہنے لگے کہ ہماری تجارت سونے کی ہے، اور اس میں بڑے مسائل آتے ہیں، کیونکہ سونے کی تجارت کے مسائل بڑے نازک ہیں، فقہ میں کتاب الصرف پڑھتے ہیں کہ نہیں؟ ثمن کی تجارت! کہ بڑے مسائل آتے ہیں، اس نے کہا کہ میں اس میں رہبری چاہتا ہوں، کوئی اس میں روشنی ملے کہ سونے چاندی کی تجارت میں بہت جلدی حرام آجاتا ہے، تھوڑا سا تفاضل ہوا تو حرام ہو جائیگا، تو مجھے روشنی چاہیئے، میرے کچھ مسائل ہیں وہ میں پوچھنا چاہتا ہوں، مجھے اسکا جواب دیجئے! تو اسکے اندر طلب آئی کہ میری تجارت حلال کی رہے، میں نے کہا: کہ ہم مسائل جانتے نہیں، لیکن ہمارا طریقہ ہے کہ ہم مسائل کے لئے علماء کی طرف متوجہ کردیتے ہیں...... آپ لکھ کر کے لائیے! کہ صورت مسئلہ یہ ہے.... تو ہم آپ کو جواب دے دیں گے، وہ مسائل لکھ کر کے لائے پھر میں نے دیوبند بھیجا، مفتی محمود حسن صاحبؒ اس وقت حیات تھے، تو وہاں سے پورے جوابات آگئے۔

مسائل پوچھنے سے علماء کا علم بڑھے گا:

تو تاجر اپنی تجارت میں علم لے آیا...... اسی طرح مال کمار ہا ہے دین کے ساتھ.... کیوں کہ اس میں دین آیا ہے دین کی طلب آئی ہے، تو اب رجوع کر رہا ہے، کہ علماء اس میں مجھے رہبری کریں...... ایسے ہی الجزائر کے ایک ساتھی تھے، وہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے، کہنے لگے: میرے مسائل ہیں.....تو میں نے ان سے بھی یہی کہا کہ تم بھی لکھ کرلے آؤ! کہ ہم آپ کو بتادیں گے اور رہبری کرینگے، کیونکہ ہمارے پاس علماء ہیں.... وہ آپ کو تحقیق کے ساتھ جواب دیں گے، لوگوں میں طلب آئے گی، تو وہ مسائل پوچھیں گے، جب مسائل پوچھیں گے تو علماء کا علم بڑھ جائیگا، کیونکہ تحقیق کر کے جواب دینا پڑے گا، جیسے گاہک دکان میں بڑھ جاتے ہیں تو مال بھی بڑھ جاتا ہے، اس مال کی اب کھپت زیادہ ہے...... مال زیادہ منگواؤ! جیسا رمضان میں کھانے پینے کی چیزوں کی طلب لوگوں میں بڑھ جاتی ہے، تو کھانے پینے کی چیزیں بازاروں میں بہت آتی ہیں، کیونکہ انکے خریدار بہت ہیں، ایسے ہی جب لوگ طلبگار بنیں گے تو علماء کا علم ترقی کریگا.

نئے مسائل میں علماء کی رہبری:

اسی طرح ہمارے علماء خدمت کر رہے ہیں، نئے نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں، اس پر غور وخوض کر رہے ہیں، اصول سے فروعات نکال کر رہبری کر رہے ہیں..... یہ اسی وجہ سے کہ نئے نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں.....ہوائی جہاز نہیں تھا، اب ہوائی جہاز پر نماز کا مسئلہ آگیا، پہلے لوگ اونٹوں پر سفر کرتے تھے، پانی پر سفر کرتے تھے، اب دوسرے مسائل آگئے، تو علماء ان مسائل کو اصول سے نکالتے ہیں، اور رہبری کرتے ہیں، تو حضرت فرماتے ہیں طبقات کو علم دینا علماء کی ذمہ داری ہے..... علم تو تب وہ لینگے جب ان میں طلب آوے گی، طلب نہیں آوے گی تو وہ کیوں لیں گے، آپ بتاؤ گے بھی تو شکریہ کہکر وہ بات

عمل میں نہیں آئے گی، کیونکہ ابھی اسکے اندر طلب نہیں ہے، ایک عرب ہمارے پاس آئے.....سوڈانی تھے..... مجھ سے کہنے لگے کہ میں گاڑی چلا رہا تھا، تو ایک بچی گاڑی کے نیچے آگئی، اور وہ مرگئی، تو جو اسوقت قانون حکومت تھا، وہ تو ہوگیا..... اب مجھ سے شریعت کیا کہتی ہے، میرے ہاتھ اس کا خون ہوا ہے تو مجھے دیت دینی پڑے گی؟ کفارہ دینا پڑے گا؟ یا اور کچھ دینا پڑے گا؟؟؟ یہ قتل خطا ہے، اس طرح کے مسائل پیدا ہوں گے...... لوگوں میں طلب آئیگی.....تو اب اس کی تحقیق کرنی پڑے گی کہ اس آدمی پر قتل خطا میں کیا آتا ہے؟ دیت آتی ہے کفارہ آتا ہے؟ لوگوں میں طلب آئیگی..... تو لوگ آپ سے پوچھیں گے تو آپکا علم ترقی کرے گا...... ایک صاحب اور آئے کہا کہ میں اور میرے ساتھی گاڑی چلا رہے تھے، میرے دائیں بائیں دو ساتھی آگئے..... ایکسیڈنٹ ہوگیا اور وہ دونوں دائیں بائیں والے مرگئے..... ایکسیڈنٹ میں غلطی میری ہے، یہ خطا مجھ سے ہوئی ہے..... تو شریعت مجھے کیا کہتی ہے؟ انہوں نے مسئلہ پوچھا، کیوں؟ اس لئے کہ طلب آئی ہے، کہ اللہ کو جواب دینا ہے..... جو وقت کے قوانین ہوتے ہیں وہ تو ہو چکے ہیں..... اب اللہ کا حکم کیا ہے؟؟؟

لوگوں میں طلب پیدا ہو رہی ہے:

یہ مثالیں میں نے اسلئے دی ہیں تاکہ معلوم ہو کہ الحمد للہ اب لوگوں میں طلب آرہی ہے..... ورنہ ایسے مسائل کون پوچھتا ہے! وہ جانتے بھی نہیں کہ یہ بھی مسئلہ ہے.....اور پڑھنے پڑھانے میں بھی یہ مضامین بہت کم آتے ہیں، لیکن جیسے جیسے لوگوں میں طلب آئیگی تو اللہ تعالیٰ ایسے علوم بھی زندہ کریں گے، اسکے طلب گار آئیں گے پھر اسکو دینے والے پیدا کرینگے..... اسلئے مولانا فرماتے تھے کہ امت کے ذمہ ہے کہ علماء تیار کریں...... تاکہ یہ دین باقی رہے.....اور صحیح شکل میں باقی رہے، اور تمام طبقات میں علم زندہ رہے...... بیمار کے پاس بیماری کا علم......﴿وإن كنتم مرضى أو على

سفرؒ تو حضرت فرماتے تھے اگر طبقات میں علم زندہ ہوا!!! تو پھر ہر جگہ لوگ ایمان کے ساتھ ایمانداری ساتھ زندگی گزار کے کامیاب ہوجائینگے...... ہمارا تاجر کامیاب...... ہمارا زمیندار کامیاب..... ہمارا مزدور کامیاب...... کیونکہ اسکے پاس اسکی لائن کا دین ہے.

اخلاق سے قربت پیدا ہوتی ہے:

اسکا آسان راستہ یہ ہے کہ ان میں طلب پیدا کراؤ! آخرت کی فکر پیدا کراؤ! ان سے تعلق پیدا کرو! وحشت دور ہوجاوے.... تعلق پیدا ہوجاوے.... اور تعلق اخلاق سے پیدا ہوتا ہے، نبیوں نے لوگوں کے ساتھ اخلاق کا معاملہ کیا... تو لوگ اخلاق کی وجہ سے نبیوں سے محبت کرتے تھے.... وحشت نہیں ہوتی تھی..... محبت ہوتی تھی، محبت کی وجہ سے اطاعت آسان ہوجاتی تھی، محبت کی وجہ سے پوچھنا آسان ہوجاتا تھا، تو فوراً پوچھتے تھے... یا رسول اللہ ﷺ یہ مسئلہ ہے! یا رسول اللہ ﷺ یہ مسئلہ ہے. صحابہؓ چاہتے تھے کہ کوئی باہر سے آوے اور پوچھے تو نئی نئی باتیں ہمکو معلوم ہوجاویں.... تو پوچھنے والوں کی برکت سے ہمیں بھی مل جائیگا.

اللہ بے طلبوں میں رسول بھیجتے تھے:

تو طلب کی وجہ سے علم بڑھتا ہے، طلب کی وجہ سے معاشرت صحیح ہوتی، تعلقات صحیح ہوتے ہیں، اسلئے اللہ کی سنت یہ ہے کہ بے طلبوں میں اللہ رسول بھیجتے ہیں، ان میں کوئی طلب نہیں ہے انکار ہے یہ رسول ان میں محنت کرتے ہیں...... یہ محنت کٹھن ہوتی ہے..... مجاہدہ ہوتا ہے، لیکن یہی محنت انکی ہدایت کا ذریعہ بنتی ہے، پھر اللہ انہیں ہدایت دے دیتے ہیں، اور نبی کی اطاعت کرتے ہیں، نبی کی تابعداری کرتے ہیں، نبی سے محبت کرتے ہیں، اور انکے حامی ہوجاتے ہیں.

دعوت کے کام کی رفتار دھیمی ہوتی ہے:

دوسری بات یہ ہے کہ دعوت کے عمل کی رفتار دھیمی ہے، دھیمے دھیمے اسکا اثر ہوگا..... جیسے کوئی چیز زمین سے دھیمے دھیمے اگتی ہے، ایک دم ایک ہفتہ میں اوپر نہیں چلی جاتی، ایسے ہی اس محنت کا اثر دھیمے دھیمے ہوتا ہے..... لیکن پکا ہوگا، حضور ﷺ نے تیئیس سال محنت کی، تیئیس برس کی محنت کا یہ اثر ہوا کہ چھ سو سال سے جو گمراہی تھی وہ ختم ہوگئی.... چھ سو برس کی جہالت سب ختم ہوگئی، لوگ بھائی بھائی بھی ہوگئے، اور دیندار بھی ہوگئے، تو عمومی محنت بھی صحیح ہے..... خصوصی محنت بھی صحیح ہے..... خصوصی محنت طلب کرنے والوں میں.....طلبہ میں...... طالب علموں میں دین دینا یہ بھی صحیح ہے، اور بے طلبوں میں طلب پیدا کر کے دین دینا یہ بھی ضروری ہے، اسلئے یہ دعوت دی جاتی ہیکہ آپ حضرات علم میں مشغول ہیں، اور مشغولی صحیح ہے، برحق ہے، کیونکہ آپکے پاس طلب والے آئے ہیں تو انکا حق ہوگیا، انکو بھی حق دینا ہے، لیکن بہت بڑی امت ایسی ہے جسکو دین کی کچھ طلب نہیں ہے..... وہ جہالت میں زندگی گزارتے ہیں...... خبر ہی نہیں ہے کہ کیا واجب ہے؟ کیا واجب نہیں ہے؟ ایک آدمی جماعت میں وقت لگا کر آیا تھا، اور وقت لگانے کے بعد اس نے اپنے گھر جا کر اٹھارہ برس کی زکوٰۃ ادا کی.... بلڈر تھا..... بس کمانا ہی کمانا ہے، کمائی کے دین کی خبر نہیں ہے، اب وہ اللہ کے راستہ میں پھرا...... باتیں سامنے آئیں، آدمی میں جب طلب آتی ہے تو اپنے آپکو ٹھیک کرنے میں لگ جاتا ہے...... یہ آج کی مثالیں ہیں.

بے طلبوں میں بھی کام کریں:

اسلئے ہمارا ایک موقع ایسا ہونا چاہیئے کہ ہم بے طلبوں میں جاویں.....اور ان میں طلب پیدا کریں.....انکی کڑوی کسیلی برداشت کریں..... انکے مقابلہ میں صبر کریں.....

اپنی ہمت، محنت، اوراخلاق سے ان سے پیش آویں..... تو اخلاق کی بھی مشق ہو جائیگی محنت کی بھی مشق ہو جائیگی، اخلاص بھی آئے گا، کیونکہ وہ تو قدر نہیں کریں گے، اور آپکو ان میں کام کرنا ہے، تو سوائے اخلاص کے کوئی دوسری طاقت نہیں ہے.....اخلاص والا جمتا ہے...... اخلاق کو بھی پانی ملتا ہے..... اخلاص کو بھی پانی ملتا ہے......دینداری کی فضاء بنے گی، اسلئے بے طلبوں میں جانا یہ بھی ایک کام ہے، اسلئے کہا جاتا ہے کہ اپنے کام کی ترتیب بناویں، کہ ایک وقت طلب والوں میں درس دینا..... تعلیم دینا.... تحقیق سے پڑھانا..... انکی تربیت کرنا..... دوسرا وقت ایسا نکالیں کہ بے طلبوں میں جاویں، انکی کڑوی کسیلی برداشت کریں..... انکو فضیلت بتاویں....انکو آخرت سمجھاویں.... اخلاق سے پیش آویں..... تاکہ ان میں آخرت کی طلب آوے، اپنے ایمان کے تقاضہ پر عبادتیں کریں، اور عبادت کو صحیح کرنے کیلئے صحیح علم حاصل کریں.

علماء وقت فارغ کریں!

اسلئے آپ سے درخواست کی جاتی ہے کہ وقت فارغ کرکے یہ کام بھی کریں! تاکہ دونوں پہلو سلامت رہیں، ایک کام کی وجہ سے دوسرے کام کو برباد نہیں کرنا ہے، کیونکہ دونوں حق ہیں..... یہ بھی حق ہے..... وہ بھی حق ہے..... غلط کوئی بھی نہیں ہے، اور اصول ہے "الحق لایزاحم الحق" کہ حق حق کا مزاحم نہیں ہوتا، حق حق کا مخالف نہیں ہوتا..... بلکہ حق حق کو پانی دیتا ہے،

نبی کام کی ترتیب بتاتے ہیں:

جیسے نماز پڑھنے والا رکوع سے سجدے میں، اور سجدے سے قاعدے میں جاتا ہے، تو رکوع بھی ضروری.....سجدہ بھی ضروری..... قاعدہ بھی ضروری....لیکن ہر رکن کی ہیئت الگ الگ ہے، کہ رکوع والا سجدے میں نہیں ہوسکتا، اور سجدے والا قاعدہ میں نہیں ہو

سکتا، تو پھر کیا کریں؟ نبی نے ترتیب بتائی، قیام پہلے ہوگا، رکوع بعد میں ہوگا، سجدے بعد میں ہوں گے، اور قاعدہ اخیر میں ہوگا..... اسے ترتیب کہتے ہیں، تو نبی حقوق اور حق کی ترتیب بتاتا ہے" صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِي أُصَلِّي " نماز پڑھ کے بتایا کہ قیام یوں ہوگا! پھر رکوع یوں ہوگا! پھر سجدے یوں ہوں گے! پھر قاعدہ یوں ہوگا! تو ہر ہیئت کو حق مل گیا..... قیام بھی ہوگیا..... رکوع بھی ہوگیا.....سجدے بھی ہوگئے..... ورنہ ہر ہیئت دوسرے کے مخالف ہے، کہ رکوع ہو تو سجدے کیسے ہوسکتا ہے؟ قاعدہ ہو تو سجدہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تو نبی ترتیب بتاتے ہیں..... چنانچہ دین کی ترتیب بتائی ہے، تاکہ دین کے سارے کام اپنی ہیئت میں باقی رہیں کیونکہ ایک دوسرے کے مخالف نہیں ہیں۔

نبی کی ذمہ داری:

مولانا یوسف صاحبؒ فرماتے تھے نبی کے ذمہ ہوتا ہے کہ عمل بتاوے..... عمل کی نیت بتاوے..... عمل کی ترتیب بتاوے..... یہ مذہب کی تکمیل ہوتی ہے، تو اسلئے ہمیں ترتیب قائم کرنی ہے..... بات بگاڑنی نہیں ہے..... کوئی کام چھوڑنا نہیں ہے..... کوئی کام توڑنا نہیں..... بلکہ اسکی ترتیب ہوگی، تو ہر کام کو پانی ملے گا جیسے میں نے ابھی نماز کے ارکان کے بارے میں کہا، ایسے ہی ایک وقت فارغ کریں، عمومی کام کیلئے، ایک وقت خصوصی خدمتوں کیلئے ہوگا، اسکی درخواست ہے..... اسلئے یہ ترتیب چلی ہے، پڑھنے والے پڑھیں، تو سال لگادیں اور جو خدمتوں میں مشغول ہیں وہ اپنے وقت کی ترتیب بنادیں! چار چار مہینوں کی، سال کے چلوں کی، باقی وقت گھر پر اپنا خدمتوں میں لگادیں! تو دونوں جگہ پانی ملے گا۔

☆☆☆☆☆

دونوں (دعوت تعلیم) حق ہیں..... یہ بھی حق ہے
وہ بھی حق ہے..... غلط کوئی بھی نہیں ہے،
اور اصول ہے "الحق لایزاحم الحق"
حق حق کا مزاحم نہیں ہوتا، حق حق کا مخالف نہیں ہوتا
بلکہ حق حق کو پانی دیتا ہے۔

بیان نمبر (۴)

صحابہؓ کی محنت اور مجاہدے:

﴿بھروچ، ۲۰۱۳/۰۴/۱۲﴾

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه، و نعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيآت أعمالنا، من يهده الله فلا مضلله: ومن يضلله فلا هادى له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له، ونشهد أن سيدنا محمدا عبده ورسوله ﷺ وعلى آله و صحبه، وبارک وسلم تسليماً كثيراً كثيراً، أما بعد!

میرے بزرگو اور پیارے بھائیو!

ہمارا بیٹھنا عبادت ہے..... سننا عبادت ہے..... گرمی برداشت کرنا عبادت ہے..... سردی برداشت کرنا عبادت ہے..... جیسے رمضان کے روزے سردی کے گرمی کے سب عبادت ہیں، کیونکہ وہ دین کی وجہ سے برداشت کررہے ہیں، یہ بڑی بات ہے کہ اللہ کے حکموں کے لئے اللہ کے دین کے لئے تکلیف برداشت کی جاوے..... نقصان برداشت کیا جاوے، جو تکلیف .....جو نقصان دین کی وجہ سے برداشت کیا جاتا ہے وہ اللہ کے یہاں نقصان نہیں مانا جاتا، بلکہ وہ قربانی مانی جاتی ہے، ہر تکلیف چاہے اللہ کے راستے میں کانٹا بھی لگے یہ کانٹا بھی نیکی کے لکھنے کا ذریعہ: اور گناہ کے مٹنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

اس محنت کی مثال بارش کے پانی کی ہے:

رسول اللہ ﷺ فرمایا: جو علم و ہدایت دیکر اللہ نے مجھے بھیجا ہے وہ ایسا ہے جیسے آسمان سے برسنے والا پانی ہوتا ہے، آسمان سے برسنے والا پانی سراسر رحمت اور سب کے لئے رحمت ہوتا ہے.... اپنوں کے لئے پرایوں کے لئے... جانوروں کے لئے..... زمین سے اگنے والی چیزوں کے لئے...... سب کے لئے رحمت ہے، حدیث پاک میں ہے ”مَثَلُ مَا بَعَثَنِيَ اللّٰه بِه مِنَ العِلمِ وَالهُدَى كَمَثَلِ الغَيثِ الكَثِيرِ“ [صحيح

البخاری/ باب فضل من علم وعلم، حدیث نمبر:۷۹] تو دین کی محنت بارش کی طرح رحمت ہے، ماحول میں اس سے رحمتیں برستی ہیں، بھائی چارے پیدا ہوتے ہیں، اور دین صحیح معنوں میں آتا ہے..... تو ہمارا رہن سہن صحیح ہو جاتا ہے، بھائی چارہ قائم ہو جاتا ہے.....دشمنیاں ختم..... ناراضگیاں ختم...... ایک دوسرے پر احسان اور ایثار کرنے والے، مدد کرنے والے ایک دوسرے کا بھلا چاہنے والے.... پیدا ہو جاتے ہیں، جیسے مدینے کے انصار آپس میں بہت لڑتے تھے، بڑی خونریز جنگیں ہوتی تھیں، اور برسوں سے چلتی تھیں، لیکن انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے مقدس ہاتھوں سے دین قبول کیا اور بیعت کر کے قول وقرار کرلیا تو اس دن سے ہی ان کا جذبہ یہ بن جاتا تھا کہ صرف آپکا کام کرنا ہے، اللہ نے انکے حالات بدل دیئے، انکی دشمنیاں ختم ہوگئیں، محبت ہوگئی، بھائی ہوگئے، انکی تنگیاں ختم ہوگئیں، برکتیں ہوگئیں.... بارش کے پانی کی طرح سے، اگر بارش کا پانی رک جاوے تو خیر ہے ہی نہیں، اور اگر بارش برس جاوے تو خیر ہی خیر ہے۔

زندگی سے خواہشوں کو ختم کریں:

اسلئے محنت سے حق تعالیٰ دنیا کے حالات بنانے والے ہیں، بدلنے والے ہیں، یہ پکی بات ہے، اس محنت کو اپنی زندگیوں کا جز بنائیں...... یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ جو زندگی اللہ تعالیٰ نے دی ہے وہ ذمہ داری کی زندگی ہے.... خواہشوں کی زندگی نہیں ہے، مسئلہ یہ بنتا ہیکہ زندگی خواہشوں پر چلی گئی، اس لئے اب ذمہ داری کی فکر نہیں ہے، ذمہ داری پوری نہیں ہو رہی ہے، جب ذمہ داری پوری نہیں ہوتی تو مدد بھی نہیں ہوتی، حق تعالیٰ شانہ کا یہ نظام ہے، کہ جو جتنی ذمہ داری پوری کریگا اتنی وہ اللہ کی مدد پائے گا، حضور ﷺ فرماتے تھے " المعونة علی قدر المعؤونة" [شعب الإيمان / فصل فی ذکر ما فی الأوجاع.....حدیث نمبر:۹۹۵۴] اللہ کی مدد اتنی ہوگی جتنی ذمہ داری پوری کی

جائے گی، اسلئے یہ کام تو ذمہ داریوں کا ہے، اپنے آپ پر بوجھ لیکر کے...... برداشت کر کے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنا، ایک ذمہ داری اپنے کو دیندار بنانے کی ہوتی ہے، کہ ہر آدمی اپنے کو دیندار بناوے، جس طرح اپنے آپ کو تندرست رکھتا ہے...... خوشحال رکھتا ہے...... کھانا پینا ہے، ایسے ہی ایک ذمہ داری یہ ہیکہ ہر آدمی اپنے آپ کو دیندار بناوے، اور وہ دین کے کاموں کو سیکھے، دین کے کاموں کو کرے...... فرائض کو ادا کرے...... واجبات کو ادا کرے...... حلال کو حرام کو دیکھے! حقوق کو دیکھے! دوسروں کے اور اللہ کے کیا حقوق ہیں؟ یہ ہر آدمی پر ضروری ہے، جیسے کھانا پینا کپڑا پہننا ضروری، اس سے زیادہ ضروری یہ ذمہ داری پوری کرنا ہے۔

اپنے دین کی حفاظت:

اسلئے کہ ہر آدمی سے اسکی قبر میں اسکے دین کو پوچھا جائیگا، چاہے وہ مومن ہو یا مومن نہ ہو، کہ وَمَا دِينُكَ؟ حضور ﷺ جب کسی کو دفن کر کے فارغ ہوتے تھے، تو لوگوں سے فرماتے تھے، کہ اپنے بھائی کے لئے دعا مانگو "اِسْتَغْفِرُوا لِأَخِيكُمْ وَسَلُوا لَهُ التَّثْبِيتَ فَإِنَّهُ الآنَ يُسْأَلُ" [سنن أبي داؤود/باب الاستغفا عند القبر: حديث نمبر:۳۲۲۳] اس سے ابھی سوال شروع ہو جائیگا...... پوچھ تاچھ شروع ہو جائیگی، ابھی اسکے واسطے دعا کرو، اور خود بھی دعا مانگتے تھے، تو ہر آدمی سے اسکی قبر میں اسکا دین پوچھا جائیگا، اسی لئے اپنا دین بنا کر کے لے جانا، دین بنانے کے لئے اور دین قائم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہم کو پیدا کیا ہے، یہ ہمارا اصلی کام ہے...... جب یہ اصلی کام ہوگا تو باقی کاموں میں رحمتیں..... اور برکتیں آئیں گی، اسلئے ایک ذمہ داری یہ ہیکہ اپنی ذات اپنے آپکو دیندار بنانا، اللہ نے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَاراً﴾ [التحريم:۶] اے ایمان والوں اپنے آپکو دیندار بناؤ! اپنے گھر والوں کو

دیندار بناؤ! اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ اپنے گھر والوں کو دوزخ سے بچاؤ! دوزخ دیکھی نہیں ہے دوزخ کہاں ہے تو پھر کیسے بچائیں گے؟ حضرت علیؓ فرماتے تھے، کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو دین سکھاؤ!!! اپنے آپکو پابند کرو! اپنے اھل و عیال کو دین کا پابند کرو، تاکہ وہ بھی دیندار بنیں، اگر اپنے آپ کو دیندار نہیں بنایا..... تو انسان اپنی دنیا برباد کرے گا، کس فضولیات میں برباد کریگا؟ اپنی خواہشوں میں برباد کرے گا.......

اہل وعیال آخرت میں پکڑ کا سبب ہیں:

اور اسکی وجہ سے اسکے اھل وعیال ایسے ہی ہو جائیں گے، وہ بھی اسکی کمائی ہوئی دنیا کو کھا پی لیں گے، اور اسکے واسطے کچھ نہیں بچے گا، علماء نے لکھا ہے کہ "اَلعِیَالُ سُوسُ العَمَل" کہ آدمی کے اھل وعیال اناج کا کیڑا ہیں، گیہوں میں چاول میں کیڑے پڑ جاتے ہیں، تو وہ کھانے کے کام کے بھی نہیں رہتے .... اور اگنے کے کام کے بھی نہیں رہتے ...... ایسے آدمی نے اپنی دنیا کمائی..... اپنی دنیا بنائی..... اور دین نہ اپنا بنایا نہ اپنے اھل وعیال کا بنایا تو وہ کھا پی لیں گے، اسکے لئے کچھ نہیں، العیال سوس العمل کہ آدمی کے اھل وعیال اسکے مال کا کیڑا وہ بھی کھا پی کر فارغ ہو جائیں...... اور حق بھی ادا نہیں کرینگے، کیونکہ انہیں دین نہیں سکھایا..... دین سکھایا ہو!!! تو تب حق ادا کریں، حضور ﷺ نے نیک اولاد کی نشانی بتائی: کہ "ولد صالح یدعو له" نیک بیٹا وہ ہے جو اپنے ماں باپ کے مرنے کے بعد دعا مانگے، دعا مانگنا اسکے لئے نیکی کی علامت ہے، اسکے پاس دین ہے تو وہ اپنے ماں باپ کے لئے دعا مانگے گا، کیونکہ زندگی میں اسکو سکھایا تھا، وہ خود بھی دین پر رہا ماحول بھی گھروں کا دیندار رہا..... تو وہ ماں باپ کا حق ادا کرینگے.

دین کی محنت سے اندر ایمانی طاقت پیدا ہوتی ہے:

تو ذمہ داری ہے کہ اپنے آپکو دیندار بنانا ہے، یہ محنت اسی لئے ہے کہ اپنے اندر دین پر قائم رہنے کی طاقت پیدا ہو جاوے، اسلئے یہ محنت زیادہ بھاری لگتی ہے..... علاج کی طرح جیسے علاج بھاری لگتا ہے...... لیکن علاج اگر پورا کرلے تو تندرست ہو جاتا ہے، پھر وہ اپنے سب کام کریگا..... کیونکہ تندرستی ہوگئی، حالت ٹھیک ہوگئی، وہ جماعت میں نکلا اندر سے طاقت پیدا ہوگئی، اس محنت سے اندر سے طاقت پیدا ہوتی ہے، اگر محنت پوری نہیں ہوئی، تو اسکو حکم بھاری لگتے ہیں..... وہ جان چراتا ہے، اور چھوڑ دیتا ہے، اور اگر محنت پر آجاوے تو گزری ہوئی زندگی کا بھی حساب سامنے آتا ہے، کہ میں نے تو کچھ کیا ہی نہیں! ایک آدمی ساؤتھ انڈیا سے آیا تھا، پتہ نہیں کتنا وقت جماعت میں لگایا...اور گھر جانے کے بعد اٹھارہ برس کی زکوۃ ادا کی، اس نے کہا میں نے ایک سال کی بھی زکوۃ نہیں دی ہے، اور اسے پتہ نہیں تھا کہ اسکا کیا حق ہے؟ لیکن جب محنت ہوئی تو پانی پڑا، انکے لئے یہ محنت پانی ہے...... تو دلوں پر پانی پڑا، توبہ کا جذبہ پیدا ہوا، تو یاد کرتا ہے میں نے یہ بگاڑا، میرے اندر یہ بگاڑ ہے..... مجھے یہ سب ٹھیک کرنا ہے، وہ اللہ کے راستہ میں پھرے باتیں سنیں، صدقات کے فضائل سنیں، مولانا زکریا صاحب کی کتاب پڑھی اور سنی.....کہ مال کی زکوۃ کہاں لگانا؟ اور کہاں نہیں لگانا؟ اور مال لگاؤ گے تو کیا برکت ہوگی؟ اور نہیں لگاؤ گے تو کیا نحوست ہوگی؟ تو جو ایک سال کی زکوۃ نہیں دیتا تھا، وہ اٹھارہ سال کی کیوں دے گا؟ ایک سال کی بھی زکوۃ دینے کی طاقت نہیں تھی! اتنی غفلت تھی! اتنی جہالت تھی! فضائل سنیں.....اور حساب نکالا کہ اتنے سال سے مالدار ہوں، کیونکہ زکوۃ بھول جانے سے معاف نہیں ہوگی.....

حقوق معاف نہیں ہوتے:

ہم لوگ امریکہ سفر میں تھے، تو یونیورسٹی میں عرب کے تین ہزار لڑکے تھے، جو تعلیم

لیتے تھے، ہم نے ان میں کام کیا، وہ یہاں آئے تو وہ یہ پوچھنے لگے کہ ہم یونیورسٹیوں میں پڑھتے تھے، اور روزہ تو رکھتے ہی نہیں تھے، تو کیا حکم ہے؟ رمضان کے روزے اپنے وقت پر رکھنا فرض ہے، اور نہیں رکھے ہیں تو قضاء کرنا بھی فرض ہے، تو انھوں نے کہا کہ ہم قضاء کریں گے، وہ جب آئے تھے تو ایسے ہی گرمی کا زمانہ تھا، میں نے کہا ہمارے ملک میں تو بہت گرمی ہوتی ہے، اور تم جماعتوں میں پھروگے، اور روزے رکھوگے تو یہ بہت مشکل ہوجائے گا...... اسلئے تم کو قضاء تو کرنی ہے..... تو وہ روزہ رکھنے کے لئے تیار ہو گئے ، اس محنت کا بڑا اثر ہے، یہ محنت اس لئے نہ کرنا کہ چلہ پورا کرنا ہے....چار مہینے پورے کرنا ہے.....نہیں!!! اس محنت سے حقوق ادا کرنے کی طاقت پیدا ہوگی، کہ دوسروں کے مجھ پر کیا حقوق ہیں؟ اللہ کے مجھ پر کیا حقوق ہیں؟ کیونکہ حقوق معاف نہیں ہوتے ، وہ دینے ہی پڑیں گے...... جب تک حق والا معاف نہ کرے.....ہم ایک ملک میں گئے تھے، تو دیکھا کہ یہاں جماعت کی شوریٰ کے ایک ساتھی بہت ہی مالدار تھے، ہم لوگ مہمان تھے وہ میزبان تھے، ہمارا وہ اکرام کرتے تھے، کسی حادثہ میں وہ قتل ہوگئے، نیویارک میں اب انکا خاندان بچا ہے، تو وہ خاندان بھی کبھی ہم جاتے ہیں تو اکرام کرتا ہے! میرے ایک دوست مفتی صاحب تھے، وہ یہاں آتے جاتے تھے، میں نے ان سے کہا کہ مفتی صاحب یہ ان مرحوم کا خاندان تو بہت ہی مالدار ہے، اور اب اسکا تو انتقال ہوگیا، تو کیا ان وارثوں نے ان کا مال تقسیم کیا؟ اور وارثوں کو مال مل گیا؟ تو لوگوں کو دینا لینا یہ صحیح ہے؟ نہیں تو جو مال آرہا ہے سب کا اس میں سے مال دینا کہاں صحیح ہے؟ تم انکو سمجھاؤ کہ حق داروں کا حق دے دو! کیونکہ یہ واجب ہے..... انھوں نے جاکر بات کی تو وہ تیار ہوگئے..... اسی کام میں لگے ہوئے تھے، انکو بتانے کی ضرورت تھی کہ کوئی رہبری کرے، انھوں نے اپنی ساری جائداد کو شریعت کے مطابق تقسیم کرلیا۔

حقوق کی ادائیگی کی فکر:

یہی اس کام کا اثر ہے، کہ لوگ دوسروں کے حقوق ادا کرنے لگیں گے، اور جب تک حقوق ادا نہیں کریں گے، تو چھٹکارا نہیں پائیں گے...... ایمان کی محنت سے ایمان تیار ہوتا ہے، تو حقوق کی ادائیگی کی فکر ہوتی ہے...... حلال حرام کی فکر پیدا ہوتی ہے..... اور یہی اصلی دین ہے، اور اسی دین کو لیکر دنیا میں پھرنا ہے.....تاکہ ایک ایک مسلمان کے اندر یہ بات پیدا ہوجاوے کہ یہاں مجھ پر ذمہ داری ہے، اپنے آپکو دیندار بنانا.....اور اپنے ماحول کو دیندار بنانا.....اور عالم میں دین پھیلے اسکی فکر کرنا.....تاکہ ہر ایک آدمی اپنے بارے میں فکر کرے.....کہ مجھ پر اللہ کا کیا حق ہے، اور اللہ کے بندوں پر کیا حق ہے؟ اور میری آخرت کیسے بنے؟ اس سے احسان زندہ ہوتا ہے، انصاف زندہ ہوتا ہے، بچوں میں اور اولاد میں دینداری آتی ہے، وہ حق ادا کرنے والے بنتے ہیں، خدمت کرنے والے بنتے ہیں، دین کے تمام کاموں کو پانی ملتا ہے، یہ تر و تازہ ہوتے ہیں.

کام کو سمجھ کر کریں:

اسلئے اس محنت کو خوب سمجھ سمجھ کر کرو، جیسے دنیا کے کاموں کو ہم خوب سمجھ سمجھ کر کرتے ہیں، اسکے بارے میں سوچتے ہیں، ایسے ہی اس کام کو جو سمجھ کر کریگا وہ تو چلتا رہے گا، اور خدانخواستہ بے سوچے سمجھے اگر کرلیا تو بے سوچے چھوڑ بھی دیگا، چھوٹے بچے کی طرح سے..... چھوٹا بچہ کوئی چیز کہیں لے کر گیا وہیں چھوڑ کر آ گیا..... چھوٹا بچہ بغیر سمجھے چابی اٹھا کر لے گیا تھا..... اور بغیر سمجھے کہیں چابی چھوڑ کر چلا بھی آیا، وہ جانتا نہیں کہ چابی کی کتنی ضرورت پڑے گی! ایسے ہی بغیر سمجھے اگر اس کام میں چلے تو لوگ چھوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں، اسلئے ہم انکو یہ دعوت دیتے ہیں، کہ اس کام کو سمجھنے کی کوشش کریں! اللہ کا تقویٰ، اور اللہ کا خوف پیدا کرنے والا یہ عمل ہے، آدمی کو پابند کرنے والا عمل ہے..... حق ادا کرانے والا

عمل ہے..... اسکی زندگی پاک ہو جاتی ہے، حیات طیبہ ملتی ہے، اللہ کا وعدہ جو ایمان اخلاص اور اعمال کے ساتھ ہے، وہ پورا ہوگا..... اللہ انھیں جینے کے لئے پاک زندگی دیں گے، ﴿ولنحيينه حياة طيبة﴾ کہ ہم انھیں جینے کے لئے پاک زندگیاں دیں گے، تو دلوں میں چین..... آپس میں محبتیں..... اخلاق، صحت، دعا کی قبولیت کے اسباب، برکتیں..... یہ سب پاک زندگی کے آثار اور نشان ہیں۔

وقت کی حفاظت:

اللہ کے راستہ میں یہ مبارک وقت بڑا قیمتی ہے..... اپنے وقت کو قیمتی بنانے کی فکر کریں! جو پابند ہو کر وقت گزارے گا اسکا وقت قیمتی ہو جائے گا، اسے کام کی سوجھ سمجھ ملے گی..... اللہ کا ڈر ملے گا..... پھر وہ اللہ کے ڈر کے ساتھ زندگی گزارے گا، یہ بہت بڑی بات ہے، صحابہ کو اللہ کا ڈر ملا..... اسلئے سب پابند ہو گئے..... بیمار بھی پابند، امیر بھی پابند غریب بھی پابند، کیوں کہ اندر ڈر آیا، یہ ڈر آدمی کو حق کی طرف چلاتا ہے..... ناحق سے بچاتا ہے، اور آخرت کا ڈر اس کام سے ملتا ہے، آدمی اس کام کے کرنے کے لئے، حق ادا کرنے کے لئے، کوئی گناہ کی بات ہے تو چھوڑنے کے لئے اسکے اندر طاقت پیدا ہو جاتی ہے،

کام کی سمجھ اللہ سے مانگیں:

اس کام کو سمجھ سمجھ کر کریں، موت تک اسکو کرنا ہے، جو سمجھ کر کریگا وہ نہیں چھوڑ سکتا، صحابہ کے بارے میں ہے کہ کوئی بھی صحابی ایمان لانے کے بعد پھر اپنے ایمان سے پھرا نہیں ہے، دوسرے لوگ پوچھتے تھے کہ جو ایمان لاتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر پھر وہ پھر جاتے ہیں؟ فرماتے کہ نہیں! کوئی نہیں ہٹتا کہ حق کی یہی نشانی ہے، جسکے دل میں حق جم گیا پھر چھوڑے گا نہیں..... چھوڑ کے واپس کوئی نہیں آتا، کہ بڑھتے ہیں یا گھٹتے

رہتے ہیں؟ کہا کہ بڑھتے رہتے ہیں..... زیادہ ہوتے رہتے ہیں؟ ایمان کی یہی شان ہے، کہ اللہ کی طرف بڑھتا ہے..... لوگوں سے ہماری یہ درخواست ہیکہ اسے سمجھ سمجھ کر کریں، اور اللہ سے اسکی سمجھ مانگیں، حدیث میں ہے کہ جسکے ساتھ اللہ بھلائی کا ارادہ کریگا اسے دین کی سمجھ دیگا، ورنہ دنیا کی سمجھ ملتی ہے، تو آدمی لالچی ہوجاتا ہے، ہوس میں مبتلا ہوجاتا ہے، اور دین کی سمجھ ملتی ہے تو اللہ کا حق ادا کرنے والا، اللہ کی مخلوق کا حق ادا کرنے والا، اپنے آپ کو سنبھالنے والا بن جاتا ہے..... اسلئے اللہ تعالیٰ سے دین کی سمجھ مانگنی ہے۔

محنت سے زندگی کا رخ صحیح ہوگا:

اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایک محنت دی ہے میرے دوستو! اس محنت کا مقصد ہے کہ زندگیاں حق کی طرف مائل ہوجاویں، ہم اپنے کو موت تک قائم رہنے کے لئے کریں، اسکے تو دورخ ہیں..... ایک محنت کا رخ، جو میں نے آپکو سمجھایا ہے، اور دوسرا رخ اللہ تعالیٰ سے مانگنا ہے، یہ بھی اسکا حصہ ہے، پیغمبروں کو اللہ نے دعوت کا بھی کام دیا..... اور دعا کا بھی کام دیا، نبیوں کی زندگی میں دعوت دعا دونوں ہوتے تھے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات کے میدان میں لمبی دعا مغرب تک مانگی ہے۔

اللہ کی جانب سے پرامید رہیں:

محنت پر بھروسہ نہیں کرنا ہے..... محنت تو امید کے لئے ہے..... ہم نے محنت کی ہے اب اللہ نوازنے والا ہے، جیسے زمین دار زمین پر محنت کرلیتا ہے پھر اللہ سے امید لگالیتا ہے، اللہ تعالیٰ مجھے دیگا، ایسے اللہ تعالیٰ سے امیدیں کرنی ہیں، اور محنت اچھی بنانی ہے، اللہ سے اچھا گمان رکھنا ہے، کیوں کہ بعض مرتبہ آدمی پر حالات آجاتے ہیں، بیماری آجاتی ہے..... یا کوئی اور دوسری تکالیف آگئی...... وہ سوچتا ہے کہ میرا تو تعلق دعوت

سے ہے میرے ساتھ یہ حالات کیوں آئے؟ ایسا نہیں ہے! حالات تو نبیوں پر بھی آئے ہیں، کیوں کہ ان حالات سے اللہ تعالیٰ انکو ترقی دیتے ہیں.....تنگیاں آئیں.... تکلیفیں آئیں......دشواریاں آئیں..... تو جس طرح کام کے ذریعہ سے اللہ ترقی دیں گے، اسی طرح حالات کے ذریعہ بھی اللہ ترقی دیں گے۔

صبر کا نتیجہ اچھا ہوتا ہے:

ناگوار حالات آویں تو صبر کرلو! اسکا نتیجہ اچھا آویگا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں بعض حالتیں ایسی ہیں کہ تمہیں پسند نہیں ہیں مگر حقیقت میں وہ تمہارے لئے اچھی ہیں، بعض حالتیں ایسی ہیں جو تمہیں اچھی لگتی ہیں مگر حقیقت میں وہ تمہارے لئے اچھی نہیں ہیں، اللہ اسکو روک لیتا ہے، پھر فرمایا اللہ جانتے ہیں تم جانتے نہیں ہو؟ اسلئے بعض مرتبہ ناگوار حالات آتے ہیں تو شیطان آدمی کو ناامید بناتا ہے.... کہ میں تو اتنے عرصہ سے کام کرتا ہوں! اور میرے حالات ایسے ہیں! نہیں نہیں! تمہارے حالات تمہاری ترقی کے لئے ہیں! اسکے پیچھے تمہاری ترقی چھپی ہے، جیسے مریض پرہیز کرتا ہے، پرہیز کا کھانا کھاتا ہے، تکلیف اٹھاتا ہے، اسکے پیچھے اسکی تندرستی چھپی ہوتی ہے، ایسے ہی اسی کام میں ناگوار حالات میں اللہ تعالیٰ خیر کا دروازہ کھولتے ہیں، کوئی نہ گھبروائے! اور نہ ہی شیطان کسی کو ناامید کرے...... بلکہ اللہ تعالیٰ سے اچھا گمان رکھو! حدیث شریف میں ہے کہ میں بندے کے ساتھ ایسا معاملہ کروں گا جیسا وہ میرے ساتھ گمان کرے گا، ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا گمان کریں اللہ تعالیٰ جو کرتے ہیں حکمت سے کرتے ہیں.....جو وہ کرتے ہیں اچھا کرتے ہیں۔

دعا کی فضیلت واہمیت:

حالات میں اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں، دعا اسی لئے بتائی گئی ہے کہ تمہارے

حالات کا مقابلہ تمہاری دعاؤں سے ہوگا........ تمھاری دعاؤں سے تمھارے حالات پلٹیں گے، حدیث ہے کہ جب دعا اوپر جاتی ہے تو وہ دعائیں بلاؤں کو نیچے نہیں آنے دیتیں......دعا مانگنے والا تو مر گیا، اسکی زندگی پوری ہوگئی لیکن اسکی دعائیں بلاؤں کو اب تک زمین پر آنے نہیں دیتیں......دعا مانگنا عبادت ہے...... دعا خوب مانگیں، دعا میں جی نہ لگے تو بھی دعا مانگیں...... تنہائی میں بھی دعا مانگیں......اپنے گناہوں کی معافی مانگیں....... اپنے گناہوں سے توبہ کریں...... اس سے دل نرم ہوجاتا ہے، رونے سے دل نرم ہوجاتا ہے، پھر دعا میں بھی دل لگنے لگے گا، اس طرح اپنے آپ کو دعاؤں کا عادی بنائیں! کوئی بات ہو، کوئی مسئلہ آئے، سب سے پہلے اللہ سے دو رکعت نماز پڑھ کر دعا مانگیں گے، ہمارے پاس موقع ہے دعائیں مانگنے کا.... چنانچہ رات کے آخری حصہ میں دعائیں قبول ہوتی ہیں...... فرض نمازوں کے بعد دعائیں قبول ہوتی ہیں.......تو اس کام کا ایک حصہ دعا کا بھی ہے، اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتے ہیں تو اسے دعائیں مانگنے، توبہ کرنے، واویلا کرنے کی توفیق دیتے ہیں، اگر کوئی انسان اللہ کے سامنے عاجزی کرتا ہے..... واویلا کرتا ہے.....روتا ہے.....تو سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کوئی خیر دینے کا ارادہ کیا ہے۔

فارسی کا ایک شعر ہے جس کا مطلب یہ ہے

کہ جب اللہ خیر دینے کا ارادہ کرے گا تو پھر اسے رونے دھونے عاجزی کرنے کی توفیق ہوجاتی ہے، پھر وہ اللہ کے سامنے تنہائیوں میں روتا ہے..... اپنے مسئلے رکھتا ہے.... اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہے......اپنے حالات اللہ کے سامنے پیش کرتا ہے...... اپنی حاجتیں مانگتا ہے، اپنے اوپر دعاؤں کے دروازے کھلواتا ہے! جسکے لئے

دعا کا دروازہ کھلا اسکے لئے قبولیت کا دروازہ کھلا نہیں تو پھر دل سخت ہوجاتے ہیں، تو دعا نہیں مانگتے اور پھر دعا میں دل نہیں لگتا، اسلئے اللہ کے راستے میں جس طرح دعوت میں محنت کریں اسی طرح دعا میں بھی اپنے آپ کو لگادیں. ہمارے بڑوں نے دعاؤں سے بڑے بڑے کام اللہ تعالیٰ سے بنوائے ہیں، ان کے بڑے بڑے کام دعاؤں سے ہوگئے، جو نہیں ہوتے تھے، ناممکن تھے۔

ہر حال میں دعا مانگیں:

دعا کا مطلب یہ ہیکہ میں اسے نہیں کرسکتا اے اللہ تُو اسے اپنی قدرت سے کردے! اس لئے اللہ کے راستہ میں پھرنے کے زمانے میں بھی...... واپس آنے کے زمانے میں بھی...... تکالیف آویں تو بھی..... بیماری آوے تو بھی.....اور اللہ خوشحال رکھیں تو بھی دعائیں مانگتے رہیں، یہ نہیں کہ خوشحالی میں بھول گئے، جب کوئی پریشانی آئی تو دعا کے لئے نیک بندوں کے پاس بزرگوں کے پاس جاتے ہیں،، یہ بات کمزوری کی ہے، بلکہ ہم تو ہر وقت اللہ کے محتاج ہیں، اسلئے ہر چیز اللہ تعالیٰ سے مانگیں! چھوٹی چیز بھی مانگیں بڑی چیز بھی مانگیں!!! ہمارا مزاج دعا والا بنے...... تمام نبی دعا والے، تمام اللہ کے نیک بندے دعا والے، انکے کام دعاؤں سے ہوئے ہیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا:

حضرت زکریا علیہ السلام نے بڑھاپے میں دعا مانگی، بڑھاپا بھی اتنا تھا کہ گوشت لٹک گیا ہے...... کھال لٹک گئی ہے..... ایسا بڑھاپا تھا، اور بیوی بھی...... اب داعیہ پیدا ہوا کہ کوئی بیٹا پیدا ہو، جو میرے بعد کام کرے، تو اللہ تو قدرت والے ہیں، ہر کام کو اپنی قدرت سے کرتے ہیں، نبی نے بڑی بڑی دعائیں مانگیں..... صحابہ نے بڑی بڑی

دعائیں مانگیں.....جو ناممکن تھا وہ ممکن ہوگیا....... اسلئے اپنے آپ کو پرامید کرکے اللہ سے تعلق پیدا کریں، پہلے اللہ تعالیٰ کی تعریف کریں! نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک پڑھیں! اور پھر اپنی دعا مانگیں.......اور دعاؤں میں پہلے گناہوں کی معافی مانگو! تا کہ اللہ سے ہمارا معاملہ صاف ہو جاوے....... صلح ہو جائے .....تو بہ کریں! اپنی حاجتیں! مانگیں جب بھی کوئی مسئلہ پیش آوے..... جماعتوں میں بھی......اور بعد میں بھی تو سب سے پہلے اپنے آپ کو دعا میں مشغول کریں، دعا تو مومن کا ہتھیار ہے، دعاؤں سے بڑے بڑے کام ہوئے ہیں، اور آئندہ بھی ہونے والے ہیں

حضور ﷺ نے دعاؤں کا ذخیرہ دیا ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت دعائیں ہم کو سکھائی ہیں...... اور دعاؤں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے، اور حدیث کی کتابوں میں بے شمار دعائیں وارد ہوئیں ہیں.... اس کام کی دعا ہے، اس کام کی یہ دعا...... اور بیماری کی یہ دعا..... اور بڑی پریشانی کی یہ دعا..... پہلے دعائیں یاد کریں اور پھر موقع پر دعا مانگیں......ابی ابن کعبؓ نے کہا کہ ہم سفر میں تھے، بارش ہوگئی.....تو ہم نے دعا مانگی! اے اللہ بارش سب کے کام کی ہے ہوتی رہے، لیکن میرا کپڑا نہ بھیگے، جب قافلہ منزل پر پہونچا تو انکے سامان اور کپڑے سوکھے ہوئے تھے، باقی لوگ کے بھیگے ہوئے تھے، تو لوگوں نے پوچھا یہ کیا ہوا کہ تمھارے کپڑے خشک ہیں؟ اور باقی لوگ بھیگے ہوئے ہیں؟ تو لوگوں سے کہا کہ میں نے اپنے پروردگار سے دعا مانگی تھی۔

یقین والی دعا مانگیں!

یہ دعا یقین والی ہے، ظاہر والی نہیں ہے، لوگ ظاہر والی دعا کرتے ہیں، تو ظاہر والی

دعا مت کرنا، اللہ کو آزمایا نہیں جاتا...... پہلے یقین پیدا کرو جب یقین پیدا کرو گے پھر تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے......کہ یہ ہوسکتا ہے کہ نہیں ہوسکتا؟؟ کہ ہو تو نہیں سکتا، ہو تو نہیں سکتا، لیکن اللہ کرنے والا ہے، اسکی حکمت کا تقاضا ہوگا تو کردیگا، اور اگر اسکی حکمت کا تقاضا نہیں ہوگا تو نہیں کریگا پھر قبولیت ظاہر نہ ہو تو وہ ناراض بھی نہیں ہوتا ہے......اور نا امید بھی نہیں ہوتا......کیوں کہ اللہ حکمت سے بھی کرتے ہیں قدرت سے بھی کرتے ہیں...... قدرت سے تو سب کچھ کرنے پر قادر ہے، لیکن حکمت سے بعض مرتبہ نہیں کرتے، کیونکہ اس وقت اللہ کی حکمت کا یہی تقاضہ ہے، میں نے اسکو اسلئے سنایا کہ یہ حضرات اللہ پر بڑا یقین رکھتے تھے، میری حاجت ہے اور اللہ کی قدرت ہے، تو وہ مانگتے اور اللہ تعالیٰ انکی مدد کرتے تھے، نبیوں کی مدد معجزوں سے ہوتی ہے، اولیاء کی مدد کرامتوں سے ہوتی ہے، عام مسلمانوں کی مدد اعانت سے ہوتی ہے، یعنی اللہ انکی مدد کے لئے ان کی دعاؤں پر کوئی اسباب پیدا کردیتے ہیں، وہ کام بن گیا۔

نا امید نہیں ہونا چاہئے:

اللہ تعالیٰ سے امیدوار بن کر اپنے گناہوں کی معافی روزانہ مانگنا چاہئے، توبہ کرنا فرض ہے، کیوں ہم سب گناہ گار ہیں، حدیث شریف میں ہے: اے میرے بندوں تم سب خطا کار ہو، اسلئے توبہ کریں! اپنے گناہوں کی روز معافی مانگیں! خدانہ خواستہ موت آجائے تو توبہ والی زندگی کے ساتھ...... تو یہ برکت کی موت ہوگی، کیوں کہ بری موت وہ ہے جسے توبہ کی توفیق نہیں ہوئی، اور وہ مرگیا.... اسلئے اس راستہ میں اپنے آپ کو توبہ کا اور اللہ سے دعائیں مانگنے کا عادی بنائیں، تاکہ ہم دعوت والے بھی بنیں اور دعا والے بھی بنیں...... حقوق کو ادا کرنے والے بھی بنیں اور اس کام کو لے کر دنیا میں چلانے پھیلانے والے بھی بنیں۔

دعوت اور دعا امت کے کام ہیں:

یہ اس امت کا کام ہے، یہ امت اپنے نبی کے اس کام کو سنبھالے گی، اپنے دین کی نصرت کرے گی، اور نصرت کی مثال ایسے جیسے پانی برستا ہے، تو زمین زندہ ہو جاتی ہے، دین کی نصرت ہوئی تو دین زندہ ہو گیا، اور پانی کٹ گیا تو سب چیزیں مردہ ہو جاتی ہیں، ایسے ہی نصرت ختم ہو گئی تو پھر لوگ یہ بھی نہیں جانیں گے کلمہ کیا ہے....... سب چیزیں چھوٹ گئیں..... کیوں کہ پانی کٹ گیا، ہم نے اسلامی ملکوں کا سفر کیا، ایک جگہ نماز کا وقت آیا تو میں نے کہا ظہر کا وقت ہو گیا ہے نماز پڑھ لیں، ایک عرب ساتھی تھا، اس نے قسم کھا کر کہا: خدا کی قسم میں نماز جانتا ہی نہیں ہوں، یہ حال ہو گیا ہے..... نماز جانتے ہی نہیں، اور اسلامی ملک میں رہ رہے ہیں، اور ایسا نہیں کہ غیر اسلامی ملک ہو، یہ کیوں؟ کہ دین کی محنت چھوٹ گئی، پانی کٹ گیا، تو اب نماز ایک نام رہ گیا ہے، الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا، اور یہ محنت جاری کی، اب لوگ صرف نماز پڑھتے ہی نہیں ہیں، بلکہ نماز زندہ کرنے کی محنت بھی کرتے ہیں، حکموں کو زندہ کرنے کی محنت کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسکے واسطے قبول فرمالے، اسلئے ہم دعوت والے بھی بنیں دعا والے بھی بنیں، انشاء اللہ

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان نمبر (۵)

﴿۱۴/۰۳/۲۰۰۹، انکلیشور﴾

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه، و نعوذ بالله من شرور أنفسنا و من سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، و من يضلله فلا هادی له، و نشهد أن لا اله الا الله وحده لا شريك له، و نشهد أن سيدنا محمداً عبده و رسوله صلى الله تعالى عليه و على آله و صحبه و بارك وسلم تسليما كثيراً كثيراً، أما بعد!

فاعوذبالله من الشيطان الرجيم. بسم الله الرحمن الرحيم.

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰه ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلائِكَةُ أَنْ لَا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَأَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ، نَحْنُ أَوْلِيَائُكُمْ فِي الْحَيوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ، نُزُلًا مِنْ غَفُوْرٍ رَحِيْمٍ، وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِمَّنْ دَعَا إِلَى اللّٰه وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾. صدق الله العظيم.

میرے پیارے بھائیو!

اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا کو ذمہ داریوں کی جگہ ٹھہرایا ہے، اور دنیا ہے کیا؟؟.... تو دنیا ذمہ داریوں کے پورا کرنے کی جگہ ہے، جو طاقتیں جو صلاحیتیں دی گئیں ہیں وہ ذمہ داریوں کے لئے دی گئیں ہیں، شروع سے یہی بات ہے کہ زندگی ذمہ داری کے لئے ہے، بلکہ زندگی نام ہی ہے ذمہ داری کا..... اگر ذمہ داری پوری ہوگئی تو زندگی کا انجام و مآل اچھا.........اور حال بھی اچھا، دونوں.........حال اور مآل........یعنی موجودہ اور آئندہ دونوں جگہ خیر ملے گی، نہیں تو دونوں جگہ سے خیر اٹھ جائے گی.

ضابطہ بندگی:

اور ضابطہ بتایا کہ ’’زندگی بے بندگی شرمندگی‘‘، ’’زندگی بر بندگی خوش بندگی‘‘ کہ جس نے زندگی کی ذمہ داری کو پورا نہیں کیا اسکو شرمندگی اور حسرت ہوگی، اور جس نے زندگی کی ذمہ داری پوری کی اسکو خوشی ہوگی، یہ ذمہ داریاں امانت داری سے پیدا ہوگی ......یہ بھی اک تقاضہ ہے کہ اسے امانت داری کے ساتھ پورا کیا جائے، اور امانت داری سنبھالنے کے لئے ایمان دیا...... جی ہاں ایمان امانت داری سنبھالنے کے لئے دیا گیا ہے تا کہ ایمان والے اپنے زندگی کے کاموں کو اور زندگی کی ذمہ داریوں کو امانت داری سے پورا کریں...... پھر نہ چالاکیاں ہوں گی، نہ ہی بے ایمانی ہوگی، اور نا ہی خیانتیں ہوں گی، یہ سب چیزیں ختم ہو جائیں گی، کیونکہ کام کرنے کے بہت سے راستے ہوتے ہیں، مگر صحیح راستہ ایک ہی ہے، باقی سارے راستے بگاڑ اور فساد کے راستے ہیں.

ایمان اسی لئے دیا گیا تھا کہ......... اللہ ایک ہی ہے، وہی دیکھے گا، وہی پرکھے گا، وہی پوچھے گا، وہی سزا اور جزا کا حکم قائم کرے گا......... اللہ ہی کے وعدیں ہیں، اللہ ہی کی وعیدیں ہیں، اور یہ سب اس لئے ہیں کہ زندگی کے کام پورے ہوں، اور امانت داری کے ساتھ پورے کئے جاویں.

اس لئے جن لوگوں نے اس مضمون کو سمجھا وہ ہمیشہ ڈرتے ہی رہے.......... صحابہ کی اکثریت دنیا سے روتی ہوئی گئی........ رو رہے ہیں، کیوں رو رہے ہیں؟ کیا انہوں نے کام کو بگاڑا؟ نہیں!!! بلکہ یہ کام ہی ایسا ہے کہ جو زیادہ سمجھے گا وہ زیادہ ڈرے گا، دوسرے فنون میں یہ ہے کہ...... جو زیادہ سمجھے گا وہ زیادہ جری ہوگا...... اور زیادہ بے فکر، کہ کوئی بات نہیں کرلیں گے..... اور یہاں؟ یہاں جتنا کیا اتنا ڈر.... ’’إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلّٰه وأَتْقَاكُمْ لَهُ‘‘ [سنن ابن حبان، باب ماجاء فی فضل الطاعات وثوابها

..... حدیث نمبر:۳۱۷] یہ کون فرمارہے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں، یہ خاص بات ہے کہ جو زیادہ سمجھے اور جسے زیادہ معلومات ہوں وہی زیادہ ڈرے گا، صحابہ اکرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "لیست له راحة" [شعب الإیمان / فصل في خلق الرسول ﷺ، حدیث نمبر:۱۴۳۰] کہ آپ کے لئے راحت تھی ہی نہیں، یہ اصلی کیفیت ہے۔

اس کی وجہ سے یہ کام رسمیت سے بچے گا، ورنہ رسمیت سے نہیں بچ سکتا، اس طرح اس کام میں صداقت آئے گی، حقیقت آئے گی، کیوں؟ اس لئے کہ ڈر ہے، ذمہ داری کا احساس، کہ قیامت میں پوچھ ہوگی۔ اور کون پوچھیں گے؟؟؟ کہ.....اللہ۔

سارے انبیاء ڈریں گے، باوجود انکہ وہ معصوم ہیں، اور ان کے لئے بشارتیں ہیں، ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَى أُولٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ﴾ [الأنبیاء / ۱۰۱] لیکن سب سے زیادہ وہی ڈریں گے، اللہ کو جواب دینا ہے، یہی زندگی کی ذمہ داری ہے۔

احساس ذمہ داری:

میرے دوستو! دین زندگی کے تمام پہلوؤں کو لیئے ہوئے ہے، ایمانیات اسکے اندر ہے، عبادات اسکے اندر ہیں، معاشرت و رہن سہن اسکے اندر ہے، معاملات و لین دین اسکے اندر ہے، اخلاق اسکے اندر ہیں، اسلئے ایمان والے کی ذمہ داری ہے، اور ایسی ذمہ داری ہے جیسا کہا گیا ہے، یہی اصل ڈر کی بنیاد ہے، کہ جیسا کہا گیا ہے ویسا کرکے لاؤ، ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ﴾ [سورہ ہود، آیت:۱۱۲] استقامت بتاؤ، پابندی بتاؤ جس طرح حکم دیا گیا ہے، یہ سورہ ہود کی آیت ہے، اور حضور اسکے بارے میں فرماتے ہیں "شَيَّبَتْنِي هُوْدٌ" [رواہ الترمذی، باب ومن سورة الواقعة، حدیث نمبر: ۳۶۰۹] مجھے سورہ ہود نے بوڑھا کردیا، یہ کتنی بڑی ذمہ داری ہے، کوئی معمولی بات

نہیں ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسی عظیم المرتبت ذات، سید البشر یہ فرمائیں کہ مجھے سورہ ہود نے بوڑھا کردیا، کیوں؟؟؟ اسلئے کہ جیسا حکم ملا ویسا کرکے آؤ، ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَن تَابَ مَعَكَ﴾ [سورہ ہود، آیت:۱۱۲] یہ ہمکو حکم ملا ہے، کہ جو آپ کے ساتھ ایمان لائے اور توبہ کی تو کام بھی ویسا کرکے لائیں جیسا حکم ملا، اسی وجہ سے کام کرنے والے لوگ دنیا سے روتے روتے گئے، کیوں کہ اب جواب دینا ہے۔

غرور قبولیت کو روک دیتا ہے:

اور یہ پورے دین کی ذمہ داری ہے، ﴿اُدْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً﴾ [سورہ البقرۃ، آیت: ۲۰۸] پورے دین میں داخل ہو، پورے دین کی ذمہ داری لو، یہ عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ جتنی توفیق دے اتنا کرے مگر اسپر مطمئن نہیں ہونا ہے، بلکہ آگے دیکھنا ہے کہ کتنا باقی رہ گیا ہے...... اور شکر کرتے رہنا ہے، کیوں کہ وہ بندہ ہونے کی صفت ہے، کہ الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے توفیق دی یہ کام ہوگیا...... توشکر گذار بنیں تاکہ غرور نہ پیدا ہو، اگر کام میں غرور پیدا ہوگیا تو قبولیت رک جائے گی، غفلت پیدا ہوئی تو تکمیل نہیں ہوگی، کام پورا نہیں ہوگا کیوں کہ کام میں غافل ہوا ہے، جیسے کوئی نماز سے غافل ہوا تو اسکی رکعتیں چھوٹ جاتی ہیں، اسکی جماعت چلی جاتی ہے، اور بعض مرتبہ قضی بھی ہوجاتی ہے، ایسا کیوں ہوا؟؟؟ کیوں کہ سوگیا تھا تو غفلت کی تاثیر یہ ہے کہ وہ تکمیل نہیں ہونے دے گی، اور غرور کی تاثیر یہ ہے کہ وہ قبول نہیں ہونے دے گا........

کیوں کہ غرور کرنے کا ہمکو حق نہیں ہے، کہ یہ کام ہم نے کیا.....تو یہ شخص مدعی ہوگیا۔

داعی اور مدعی کا فرق:

داعی اور مدعی میں فرق ہوتا ہے، ایک مدعی ہے کہ ہم نے کیا، تو اسکی مدد نہیں ہوگی ....کیوں کہ یہ مدعی ہے، کہ........ہم نے کیا، آپ نے کیسے کیا؟ اللہ تعالیٰ فرماتے

ہیں: ﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللهَ رَمَى﴾ [سورہ:الأنفال، آیت ۱۷]
اے نبی دشمنوں پر جو کنکری آپ نے پھینکی ہے وہ آپ نے نہیں پھینکی وہ تو اللہ نے پھینکی ہے، اسمیں تو اللہ کی طاقت تھی، تو جتنا کام ہوا ہے، وہ اللہ کی طاقت سے ہوا ہے، تمہاری طاقت سے نہیں ہوا،

اس لئے ہم اپنے عمل کو غرور سے بچاویں، اور شکر کریں، کہ اے اللہ تیری توفیق سے ہوا ہے، اگر اللہ توفیق نہ دیتا تو کچھ نہیں ہو سکتا. شیخ سعدی نے قرآن شریف کی آیت کا ترجمہ کیا ہے، کہ....

جہاں آفریں گر نہ یاری کند کجا بندہ پرہیز گاری کند

اس لئے شکر گذار بنیں تا کہ نعمتیں اور آویں، جس کام کا شکر ہوا اسمیں اضافہ ہوگا، اور جس نعمت کا شکر ہوا اسمیں اضافہ ہوگا، اللہ تعالیٰ اسکو اور دیں گے، اور جس کام میں غرور آیا اسکو رد کریں گے.

غرور اور غلو:

مدینہ منورہ میں ہمارے ایک ساتھی تھے، وہ ہم لوگوں سے فرما رہے تھے کہ دیکھو تمہارا کام بہت اونچا ہے...... مگر دو غین سے بچنا. وہ دو غین کون سے ہیں؟ ایک غرور کا غین..... دوسرا غلو کا غین.

اگر غرور آیا تو بات رد ہو جائے گی، کیونکہ غرور ایک خیالی چیز ہے، میں کرتا ہوں..... میں ایسا ہوں، یہ تو ایک خیالی بات ہے......... کام تو سارے اللہ تعالیٰ کے فیصلے سے ہوتے ہیں. اور غلو کہتے ہیں مذہب میں آگے بڑھ جانے کو. مذہب کے حدود سے آگے نکل جانے کو غلو مذہب میں ہی ہوتا ہے جیسے اسراف اور تبذیر دنیا میں ہوتا ہے، فضول خرچی ہوتی ہے، اس لئے دین کے کاموں میں غلو سے بچو! اور اعتدال رکھو، میانہ پن

رہنے دو......... اسکی جو حدود بتائیں ہیں وہیں تک رکھو. ان حدود سے آگے نہ جاؤ، جیسے پہلے زمانہ میں پہلی قوموں نے کیا تھا. کسی کو آگے بڑھا دیا، جیسے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا بنا دیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر دیا، یہ ہے غلو... یہ حد پر قائم نہیں رہے.. کہ وہ بھی نبی تھے اور یہ بھی نبی ہیں، انکی تابعداری انکے زمانہ میں، اور انکی تابعداری انکے زمانہ میں، یہ سیدھا راستہ ہے.

اپنے کو صحیح راستہ کا پابند بنانا ہے:

اس لئے کام کو حد پر باقی رکھنا ہے، اس سے صحیح نتیجہ نکلے گا، جیسے کوئی گاڑی اپنی لائن پر چلے تو وہ اپنی منزل پر چلی جائے گی اور آخر تک پہونچے گی....... کیونکہ وہ اپنی حد پر ہے، تو کام کی حفاظت کرنی ہے اور ان چیزوں سے دین کے کام کو بچانا ہے........ استقامت میں یہ شامل ہے، پابند رہنے میں یہ شامل ہے، اپنے کو کام میں پابند بنانا ہے اور صحیح طریقہ سے بنانا ہے.......... پوچھ کر چلنا ہے، مان کر چلنا ہے، کیوں کہ مان کر چلنے سے عمل وجود میں آئے گا، اور جو پوچھ کر چلے گا وہ غلطی سے محفوظ رہے گا، جو مان کر چلے گا وہ عمل کو پورا کرے گا، یہ ہمارے کام کا صحیح رخ ہے، اور اسی رخ پر اپنے آپکو چلانا ہے، تاکہ دین کا یہ کام صحیح طریقہ پر چلتا رہے.

استقامت کی وجہ، اور اسکی ضرورت:

ایک تو ہماری ذمہ داری استقامت کی ہے، کہ اپنے کو دین پر باقی رکھنا ہے ....قائم رکھنا ہے، استقامت کی ضرورت اس لئے ہوتی ہے کہ دنیا کو اللہ تعالیٰ نے حالات کا گھر بنایا ہے، یہاں مختلف قسم کے حالات پیدا ہوتے ہیں، ان حالات میں پابند ہوکر چلنا ہے، بعض مرتبہ انسان کی زندگی میں ناگوار حالات پیش آتے ہیں، تو اسکو ان ناگوار حالات میں کیا کرنا چاہیئے ؟؟؟. ایک تو یہ کہ ناگوار حالات میں کام چھوڑ دے..... تو

چھوڑ دینا کوئی علاج نہیں، اگر چھوڑ دو گے تو کب کرو گے؟؟؟ یہ طریقہ نہیں ہے کہ ناگوار حالات آ دیں تو کام کو چھوڑ دو.... اسکا طریقہ یہ ہے کہ پوچھو........ کہ یہ حالات ہیں ہم ان حالات میں کام کیسے کریں؟ جیسے کوئی بیمار ہو جائے تو وہ بیماری کی نماز کا مسئلہ پوچھے.... یہ طریقہ نہیں ہے کہ نماز چھوڑ دے، کیونکہ بیماری کی نماز کا بیان الگ ہے، .یہ طریقہ نہیں ہے کہ نماز چھوڑ دے، بلکہ بیماری میں نماز اور زیادہ پڑھنی چاہئیے کیونکہ مرنے کا وقت ہوتا ہے، تو نماز پوچھ کر پڑھے.

استقامت کی راہ:

عمران ابن حصین بیمار ہو گئے اور بہت بیمار رہتے تھے .وہ بیماری کی نماز کا مسئلہ پوچھتے تھے.. کہ میں کیسے نماز پڑھوں؟؟؟ یہ نہیں پوچھتے تھے کہ میں بیمار ہوں تو نماز پڑھوں یا نہ پڑھوں؟ .یہ پوچھتے تھے کہ کیسے پڑھوں؟؟ پڑھنا تو ہے ہی...... اسی سے استقامت اور پابندی پیدا ہوتی ہے، کیوں؟ اس لئے کہ پوچھو گے تو راستہ ملے گا. چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انکو نماز پڑھنے کے طریقے بتاتے تھے، بیٹھ کر پڑھ لو، اشارہ سے پڑھ لو، اور لیٹ کر پڑھ لو وغیرہ وغیرہ، تو بہت سی چیزیں ہلکی ہو گئیں.

اسی طرح حضرت علی کی کلائی کی ہڈی ٹوٹ گئی، تو وہ آئے یا رسول اللہ ہڈی ٹوٹ گئی؟؟؟ تو فرمایا..... جوڑ لو! پٹی باندھ لو! مسح کر کے نماز پڑھ لو.... ایسی مثالیں صحابہ کے حالات میں بہت ملیں گی، حالات میں کام کرنا ہے..... تو پوچھو..... راستہ مل جائے گا، لوگ وکیلوں سے پوچھتے ہیں کہ نہیں پوچھتے ؟؟؟ کیوں پوچھتے ہیں؟؟؟ کچہری کے حالات آ گئے، مسئلہ کھڑا ہو گیا، تو کس سے پوچھو گے؟؟؟ مسجد وار جماعت سے؟؟ نہیں... بلکہ وکیل سے.... یہ مسئلہ وکیل سے متعلق ہے، وکیل سے پوچھو.

اسی طرح بیماری آ گئی.... تو ڈاکٹر سے رجوع کرو شریعت کا مسئلہ آیا.. تو عالم صاحب سے

معلوم کرو. کہ ہماری میراث کا جھگڑا ہے...شریعت کا کیا حکم ہے؟؟؟ یہ استقامت کا راستہ ہے.

ایک حکم کی ادائیگی کے بہت سے طریقے ہوتے ہیں:

اسی طرح دین کے کام میں کوئی مسئلہ آیا تو اسکے بارے میں ذمہ داروں سے پوچھو! کام مت چھوڑو! اس سے کام آسان ہوگا اور آسان ہوگا. اور آدمی عمل سے کٹے گا نہیں. اس سے رہبری ملے گی، حکم ایک ہوتا ہے طریقے بہت ہوتے ہیں، یہ اسلام کی خوبیوں میں سے ہے، یہ محاسن اسلام کہلاتا ہے، کیونکہ لوگوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں....تو انکے لئے مختلف طریقے ہوتے ہیں، پانچوں انگلیاں ایک سی نہیں ہوتی، کہ ملیٹری کی طرح کہ سب ایک ساتھ پاؤں اٹھادیں.

چنانچہ ہر آدمی جس حال میں ہو اس حالت کا حکم معلوم کر کے اس پر پابند رہے، اور حکم نہ چھوٹے.... پوچھ کر چلے.... مان کر چلے... یہ اجمال ہے، پوچھ کر چلو، مان کر چلو، تا کہ پابند رہو.... اور استقامت رہے، اور استقامت ضرورت ہے.... حالات الگ الگ ہوتے ہیں مگر کسی حال میں بھی کام چھوڑنے کی اجازت نہیں، بلکہ عمل کرنے کی آسان شکلیں آپکو ملیں گی. اس سے کام بڑھے گا اور مختلف لوگوں کے لئے کام کی راہیں کھلیں گی.... پابندی نصیب ہوگی.

کام میں پابندی کے ساتھ اور پوچھ کر چلنا ہے:

کام کرنے میں اپنے آپکو پابند بنائیں، پوچھ کر چلو........مان کر چلو، تاکہ تمہارے اوپر کوئی تنگی نہ آوے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہی ہدایت دیتے تھے: ''**إنما شفاء العي السؤال**'' **[رواه أبوداؤد عن جابر ، رقم الحديث: ٣٣٦]** تم ہار جاؤ تھک جاؤ تو اسکا علاج ہے.....سوال....سوال کرو، کہ کیا کروں؟؟؟ یہ نہیں کہ ہار تھک کر چھوڑ دیا، جس لائن کا کام ہے اس لائن کے لوگوں سے پوچھو! تبلیغ کا کام ہے تو میاں جی سے

پوچھلو! شریعت کا کام ہے تو پھر میاں جی سے نہیں، پھر مفتی صاحب سے پوچھو، کورٹ کا کام ہے تو وکیل سے...... بیماری کا مسئلہ ہے تو ڈاکٹر سے حکیم سے پوچھو! یہ طریقہ ہے اس سے کام صحیح ہوگا۔ اور کوئی بیکار نہیں رہے گا، ذمہ داری پوری کریگا، پھر کام آسان ہو جائے گا، اور جو اپنی رائے سے کرے گا، غلط کرے گا...... ایک مرتبہ میری کمر میں درد ہو گیا، تو ہمارے حکیم نے دوا بتائی، ، میں نے وہ دوا کھائی مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا، پھر میں حکیم وجیہ اللہ صاحب کے پاس گیا، وہ دیوبند کے پڑھے ہوئے تھے، ہمدرد دواخانہ کے بہت اچھے آدمی تھے، انکو اپنے فن سے بڑی مناسبت تھی، میں نے کہا کہ.... میں نے دوا کھائی مگر فائدہ نہیں ہوا، فوراً انہوں نے مجھ سے سوال کیا کہ.... کیا آپ نے ہم سے پوچھا تھا؟؟؟ میں نے کہا...... نہیں، تو انہوں نے کہا بس.... تو انہوں ایک دوسری دوا دی، اور پہلی دوا کو باقی رکھا...... پھر بیماری الحمدللہ ٹھیک ہوگئی.

حضور ﷺ نے ضابطے بتائے:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ضابطہ کی بات بتائی، کہ دین کے کام کو نہ چھوڑو!!! کوئی بات پیش آجاوے تو پوچھ کر چلو...... تا کہ اسکو کوشش کرنے کا دوسرا راستہ بتایا جائے۔ اور وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو جائے.

اللہ کو اپنے کام کی کوشش پسند ہے:

ہم نتیجہ کے ذمہ دار نہیں ہیں، کوشش کے ذمہ دار ہیں، آپ نے کسی آدمی کو بہت سمجھایا...... بہت سمجھایا..... مگر وہ راستہ پر نہیں آیا.... تو آپ کا کام پورا ہو گیا، اسکو راہ راست پر لے آنا یہ آپ کا کام نہیں ہے...... یہ اللہ کا کام ہے. قیامت میں ایسے نبی بھی آئیں گے کہ ان کے پیچھے ایک بھی آدمی نہیں ہوگا۔ ساری عمر انکی محنت میں گئی..... تو کیا وہ نبی ناکام ہو گیا؟؟؟ نہیں! نبی ناکام نہیں ہوا، وہ ناکام ہوئے جنہوں نے اپنے نبی کی

بات نہیں مانی.......انہوں نے اپنی کوشش پوری کرلی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **عليك الجهد** تمہارے ذمہ کوشش ہے. محمد بن مسلمہ مشہور انصاری صحابی ہیں، انکے ذمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کام لگایا... فرمایا: کل فلاں کام ہے! کون انجام دے گا؟؟؟ وہ کھڑے ہوگئے، اور عرض کیا میں کروں گا......ذمہ تو لے لیا، پھر انکو ڈر ہوگیا، کہ میں اسے کیسے پورا کروں گا؟ تو انکا کھانا پینا بند ہوگیا، لوگوں نے عرض کیا کہ محمد بن مسلمہ کا تو کھانا پینا بند ہوگیا. کہ کیوں؟ کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وعدہ کرلیا تھا کہ فلاں کام میں کرلوں. اب ان کو ڈر ہے کہ کرپاؤنگا کہ نہیں؟ آپ ﷺ نے انکو بلاکر پوچھا کہ آپ نے کھانا پینا کیوں بند کردیا؟ کہا یارسول اللہ مجھے ڈر ہے کہ جو وعدہ میں نے کیا ہے اسکو پورا کرپاؤنگا کہ نہیں؟ چنانچہ اس وقت آپ نے فرمایا **عليك الجهد** آپ کے ذمہ صرف کوشش ہے. اس کے علاوہ کچھ نہیں. تو اب کام آسان ہوگیا. اللہ نے ہم کو کوشش کا ذمہ دار بنایا.....نتیجہ کا نہیں. اور یہی ہمارا کام ہے.

نتیجہ کی فکر نہ کریں:

جو کام ہمارے ذمہ ہے اسکی پوری کوشش کریں، نتیجہ اللہ کے ہاتھ میں ہے: **أَلَا إِلَى اللّٰهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ** [سورة:الشورى، آيت :٥٣] سارے امور اور نتائج اللہ کے ہاتھ میں ہیں، اسی طرح قربانیاں بنتی ہیں کہ اپنی کوشش پوری کرڈالو......مولانا الیاس صاحبؒ اپنے ساتھیوں سے فرماتے تھے کہ دنیا میں لوگ اپنے کاموں کے لئے تدبیریں کرتے ہیں، جیسے کسی آدمی کو مکان بنانا ہے تو وہ مکان بنانے کی تدبیر کرے گا......کوئی بیمار ہوگیا تو وہ اپنے علاج کی فکر کرے گا........عام طور سے ان تدبیروں سے کام بن جاتا ہے......تو فرماتے تھے کہ اسی طرح دین کے کام کے لئے تدبیریں اختیار کرو......اور دعا کرو.

دین کی کر مدد کریں!

ہماری اور پوری امت کی ذمہ داری یہ ہے کہ اپنے دین کی مدد کریں، اور اپنے دین پر استقامت اختیار کریں...... اعمال کے پابند رہیں، اللہ تعالی فرماتا ہے ﴿كُوْنُوْا أَنْصَارَ اللّٰهِ﴾ یہ ایمان والوں کو خطاب ہے، اے ایمان والوتم سارے کے سارے اپنے دین کے مددگار بنو...... مدد کی مثال پانی کی طرح ہے، جیسے زمیں کو پانی دینا...... کھیتی کی زمین سے لینے کے لئے اسکو پانی دو..... باغ کی زمین کو پانی دو....... جس طرح کھیتی اور باغ کی زمین پانی مانگتی ہے اسی طرح دین...... دین کو پانی دینے کے معنی ہیں کہ دین کی نصرت کرو! تاکہ دین کے جتنے شعبے ہیں سب زندہ ہو جائیں..... اگر کھیت سے پانی کٹ گیا تو کچھ نہیں پیدا ہوگا.... زمین بغیر پانی کے مرجاتی ہے..... ایسے اگر دین کی نصرت نہیں کی گئی تو دین مرجائے گا تو ہر مسلمان اپنی جان مال سے اپنے دین کو زندہ کرنے کی فکر کرے.

لوگوکواللہ سے جوڑیں!

تو دین کی نصرت کی مثال پانی کی طرح ہے...... پانی ایسی چیز ہے کہ ہر چیز کو زندہ رکھتی ہے، ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾ [الأنبياء/۳۰] تو دین کو پانی دینے کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو اللہ تعالی سے جوڑو! .... لوگوں کو اللہ سے ہونا بتاؤ....... اللہ سے ہی ہوتا ہے، کسی اور سے کچھ نہیں ہوتا، کیونکہ لوگ مختلف چیزوں میں الجھے ہوئے ہیں، کوئی کسی سے جڑا ہوا ہے..... تو کوئی کسی سے..... ان سب کو اللہ سے جوڑو! لوگوں کے دماغوں میں مختلف چیزیں ہیں کہ اس سے ہوتا ہے .... اس سے ہوتا ہے.... یہ سب تو بت ہیں، بت چاہے سونے کا ہو تو اس سے بھی کچھ نہیں ہوتا، چاہے پتھر کا ہو تو اس سے بھی کچھ نہیں ہوتا..... صرف اللہ تعالی کی قدرت سے ہوتا ہے.

لوگ حالات کی وجہ سے اللہ کی قدرت بھول جاتے ہیں.

مولانا یوسفؒ صاحب فرماتے تھے کہ لوگوں کو اللہ کی قدرت سمجھاؤ، لوگ حالات کی وجہ سے اللہ کی قدرت بھول گئے، جن کے اچھے حالات ہیں وہ بھی اللہ کو بھول گئے، اور جن کے ناگوار حالات ہیں وہ بھی اللہ کو بھول گئے، حالانکہ یہ حالات بھی اللہ کی قدرت سے آتے ہیں، اس لئے اللہ تعالی سے جڑیں. حضور اکرم ﷺ نے مدینہ میں فرمایا تھا، ابن القیم نے اسکو زاد المعاد میں نقل کیا ہے کہ من أصلح ما بينه و بين الله اصلح الله مابينه و بين خلقه کہ جو لوگ اللہ کا اور اپنا معاملہ صحیح کرلیں گے تو اللہ تعالی انکا اور مخلوق کا معاملہ صحیح کردیں گے......یہ اصلی بات جو سب کے اندر ہونی چاہئے.....جب یہ بات ہے تو جس کام کو اللہ اور رسول کرنے کا حکم دیں اسکو کریں......اور جس کام سے منع کریں اس سے باز آئیں.

مخلوق پر کوئی وعدہ نہیں!

اس لئے یہ دعوت دو کہ اللہ تعالی نے کسی بھی مخلوق پر وعدہ نہیں کیا.....کہ مال سے کروں گا......اِس سے کروں گا......فلاں چیز سے کروں گا......بلکہ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ میں خود اپنے حکم سے کروں گا، اپنی قدرت سے کروں گا. اللہ تعالی کتنے لوگوں کے کام بنادیتے ہیں!!!! اور کتنوں کا بگاڑ دیتے ہیں!!! کتنوں کی کمر توڑ دیتے ہیں!!! ﴿وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا﴾ [القصص /۵۸] کتنے ہیں ہم نے انکی کمر توڑ دی.....کتنے ہیں ہم انکو اوپر لائیں گے.

پہلے کام کریں پھر اللہ سے مانگیں!

اللہ تعالی سے کام کر کے مانگو!!! یہ اصول ہے، کام کئے بغیر نہیں.....﴿إياك نعبد

وإياك نستعين﴾ اے اللہ ہم آپ ہی کی عبادت کریں گے اور آپ ہی سے مدد لیں گے........نافرمانی کے راستہ سے مدد نہیں لیں گے......اور نافرمانی کے راستہ پر کوئی مدد نہیں ہوگی.اس لئے اللہ سے ہونے کا راستہ اطاعت ہے، اطاعت پر اپنے آپکو کوکھڑا کرنا ہے......اور پھر اللہ سے مانگنا ہے، حق کی ابتدا ناگواریوں سے ہوگی، اللہ تعالیٰ حق کو اسی راستہ سے چلاتے ہیں، کہ حق والوں کے سامنے ناگواریاں آویں گی.......دشواریاں آویں گی.....رکاوٹیں آویں گی......آسانیاں آویں ایسا نہیں ہوگا، یہ سنت کے خلاف ہے، اللہ کی سنت ایسی ہے ہی نہیں، بلکہ تم کام کرتے رہو اللہ حالات بدل دیں گے.

دشواریوں کے بعد آسانیاں:

باطل پہلے چھا جاتا ہے......اندھیرا چھا جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ سورج کو نکالتے ہیں، اور اندھیرے کو چھانٹ دیتے ہیں.....پھر اسکا کوئی وجود نہیں رہتا......﴿إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْراً فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْراً﴾ [الشرح / ۵،۶] کہ گھبراؤ مت دشواریوں کے پیچھے آسانیاں آویں گی......ابتداء ناگواریوں سے اور انتہا کامیابیوں سے......اس لئے کہتے ہیں کہ اپنے کام کو وہاں تک لے جاؤ جہاں تک اللہ کہتے ہیں، تھوڑا کر کے رک جانا یہ کہیں بھی نہیں ہے......اسمیں کوئی نتیجہ نہیں آتا........جیسے کوئی انسان پانی نکالنے کے لئے کنواں کھودتا ہے تو وہ اگر تھوڑا کھود کر بیٹھ جائے تو پانی ہاتھ نہیں آئے گا بلکہ وہاں تک کھودو جہاں تک پانی آوے.....یہ ہر کام کا اصول ہے کہ اسے وہاں تک لے جاؤ جہاں تک نتیجہ آوے.

کام کے اعتبار سے یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ اسکو ناقص نہ چھوڑیں.کام کو پورا کریں پھر آگے اللہ نتیجہ دکھاویں گے.......نتیجہ کا وعدہ اللہ کا ہے، اس لئے کام کو پورا کرو پھر اللہ سے مانگو.

پہلے راستہ بنائیں!

حکومتیں پل بناتی ہیں..... سڑکیں بناتی ہیں...... پہاڑوں کو کاٹ کر سرنگیں بناتی ہیں..... کیوں کہ اس پار جانا ہے، ایسا نہ کرے تو پھر کوئی کام نہیں ہوگا، ندی آجاوے تو پل بناؤ...... پہاڑ آجاوے تو سرنگ نکالو..... تاکہ ٹرین آسانی سے گزر جائے. ہندوستان میں ریلوے لائن انگریزوں کی بچھائی ہوئی ہے، بنیاد انہوں نے ہی ڈالی ہے. اب اسپر ترقی ہورہی ہے، پہلے کوئلے سے گاڑیاں چلتی تھیں، انکو آگ گاڑی کہتے تھے، چنانچہ انگریزں نے ایک بنیاد ڈالی، اس کے لئے سڑکیں بنائیں، پل بنائے، پہاڑوں کو کاٹ کر سرنگیں بنائیں، تو کہتے ہیں رکاوٹیں ہونگی تو راستہ بناؤ، سب سے زیادہ اجروثواب انکو ملتا ہے جو دین کے لئے راستہ بناتے ہیں..... سب لوگ چلیں گے اس لئے کہ راستہ بن گیا.

حرکت سے اللہ راستے نکالیں گے:

حضور اکرم ﷺ نے اپنی امت کو حرکت دی ہے، کہ امت دین کو لیکر حرکت میں آوے. جب یہ اپنا دین لیکر حرکت میں آوے گی تو راستے بنیں گے، پھر ہر قسم کے لوگ چلیں گے...... چنانچہ ایک محنت ہوئی ہے تو راستے ہوگئے کہ لوگ ہوائی جہازوں میں نماز پڑھتے ہیں..... اور ہوائی جہازوں میں قبلہ بنایا جاتا ہے، ایسا کیوں ہوا؟ کہ اب نماز پڑھنے والے آگئے، پہلے ایسا نہیں تھا..... ایک مرتبہ ہم سفر سے آرہے تھے صبح کی نماز کا وقت ہوگیا مگر قبلہ نہیں معلوم تھا، تو ہم نے سروس کے لوگوں سے پوچھا کہ ہمیں نماز پڑھنی ہے تو آپ لوگ بتایئے کہ مکہ کس طرف ہے؟ تو اسنے لاؤڈ اسپیکر سے بتایا کہ مکہ فلاں سمت ہے..... اس طرح راستہ کھلا ہے، لیکن اگر مسلمان نماز نہ پڑھیں تو انکو راستہ کون بتائے گا!!! اسی طرح ہوائی جہازوں میں سحری کا کھانا بھی دیتے ہیں اور سحری کا وقت بھی بتاتے ہیں، یہ کیوں؟؟؟ اس لئے کہ امت حرکت میں آئی..... اگر حرکت ختم ہوجاوے تو

کوئی نصرت نہیں کرے گا. اگر ہم حرکت کریں گے تو ساری دنیا میں اسی طرح جگہ ہوجائے گی. اسی کو قرآن میں اللہ تعالی بیان فرماتا ہے: ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا مِنكُم وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ [النور/ ۵۵].

دین کے کام پر اللہ کی مدد یقینی ہے:

باطل تو باطل ہے.....وہ تو ہے ہی مٹنے کے لئے، پنپنے کے لئے ہے ہی نہیں.... حق چمکنے کے لئے ہوتا ہے، اللہ کہہ رہے ہیں کہ ہم اس کے لئے جگہ بناویں گے، تو اللہ جگہ بناویں گے، ہمارا کام تو صرف کوشش کرنا ہے، اللہ اپنی قدرت سے سب کچھ کرنے والا ہے..... چنانچہ بڑی بڑی بشارتیں ہیں..... بڑے بڑے وعدے ہیں، اگر لوگ اللہ کے دین کی مدد کریں تو اللہ انکی مدد کرے گا، پھر دین کے لئے جگہ ہوجائے گی، رکاوٹ اللہ کی حکمت ہے، اس نے رکاوٹ ڈالی ہے تو مدد بھی ڈالے گا، ﴿إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْراً﴾ گھبراؤ مت دشواری کے بعد آسانی آنے والی ہے... کہاں سے آئے گی کہ اللہ کی قدرت سے.... ہم تو صرف اپنی ذمہ داری کو پورا کریں، ذمہ داری پورا کرنے پر حدیث شریف میں ہے: المعونۃ علی قدر المعونۃ مدد اتنی آوے گی جتنی ذمہ داری پوری کی جائے گی، اس لئے کہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ اللہ مدد نہ کرے.... مولانا الیاسؒ فرماتے تھے کہ جو اللہ کا کام کرے اور اللہ کی مدد کا یقین نہ کرے وہ فاسق ہے. ﴿أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِناً كَمَنْ كَانَ فَاسِقاً لَا يَسْتَوُوْنَ﴾ [السجدة: ۱۸] کہ آدمی مؤمن ہو اور فاسق بھی، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟؟؟.

اللہ اپنے وعدہ میں سچا ہے:

اللہ تعالی اپنے کام کرنے والوں کی مدد ضرور کرتا ہے، انسان کام اللہ کا کرے اور مدد کا یقین نہ کرے تو یہ فاسق ہے، منافق فاسق ہوتا ہے..... کیوں کہ اسکو اللہ کی مدد کا یقین

نہیں ہے تو اسکے لئے کچھ بھی نہیں ہے.....اور مؤمن کو اللہ کی مدد کا یقین ہوتا ہے، تو وہ اللہ کا کام کرتا ہے، اور اللہ سے مدد حاصل کرے گا، اللہ تعالیٰ مدد کا وقت نہیں بتاتے بلکہ اسکو غیب میں رکھتے ہیں جب شرط پوری ہو جاتی ہے تب اللہ اپنا وعدہ پورا کر دیتے ہیں اور غیب سے مدد لاتے ہیں۔

مدد مشاہدہ میں نہیں ہوتی:

مدد نظر نہیں آتی ہے بلکہ جب کام پورا ہو جاتا ہے تب اللہ اپنی مدد بھیجتا ہے، وہ اسکو غیب میں رکھتا ہے، جب بندہ کام کرتا ہے تو کام پر اسکی مدد ہوتی ہے، پھر اسکا سینہ کھل جاتا ہے......اللہ کی مدد حق ہے، پھر اس سے آگے کا قدم اٹھاتا ہے، ایک کلاس کے بعد دوسری کلاس.....اور ہر آنے والی کلاس کا مضمون پہلی والی کلاس سے سخت ہوتا ہے، اسی طرح ایمان کے راستہ سے اس درجہ پر پہونچتا ہے کہ ہر آنے والی آزمائش پہلی والی سے زیادہ سخت ہوتی ہے.....پھر اللہ کا وعدہ ایسا جیسا مشاہدہ.......اور وہ کہتا ہے کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے ہم کو اسمیں کوئی شک نہیں.......باقی آزمائش.....رکاوٹیں......مخالفتیں...... بدنامی.....یہ تو آنی ہے. یہ کوئی نئی بات نہیں ہے.....بلکہ پورانی بات ہے، قرآن پڑھو اور دیکھو کہ فرعون بھی موسیٰ علیہ السلام کو فسادی کہتا تھا حالانکہ وہ خود بہت بڑا فسادی تھا..... ﴿ذَرُوْنِیْ اَقْتُلْ مُوْسٰی وَلْیَدْعُ رَبَّه اِنِّی اَخَافُ اَنْ یُبَدِّلَ دِیْنَكُمْ اَوْ اَنْ یُظْهِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ﴾ [غافر: ۲۶] مجھے اسکو قتل کرنے دو ورنہ یہ تمہارا دین بھی بدل دیگا اور ملک میں فساد مچا دے گا۔

ہر نبی کو بدنام کیا گیا اور ہر نبی کے دشمن ہوئے:

نبی کے دشمن انسانوں میں سے بھی ہوتے تھے اور جنوں میں سے بھی، جن حضور ﷺ کے سامنے نماز میں آگ کا شعلہ لیکر آتے تھے.....قرآن صاف کہتا ہے:

﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِينَ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ هَادِيًا وَنَصِيرًا﴾ میں وكفى بربك هاديا ونصيرا کتنی زبردست بات ہے کہ نبی کے دشمن مجرموں میں سے ہوں گے ....کوئی بات نہیں میرا پروردگار ہدایت دینے کے لئے کافی ہے......میرا رب مدد کے لئے کافی ہے، ہمارے پاس تو پکے دستاویزات ہیں کہ حضور ﷺ کو بدنام کیا گیا تھا....قریش کہتے تھے کہ محمد نے ہمارے قبائل میں پھوٹ ڈالی ہے...... فرق جماعتنا ہمارے اندر مشکلات پیدا کردیں اور ہماری جماعت میں تفریق ڈالدی، حالانکہ حضور ﷺ نے بھائی بھائی بنا کر کام شروع کیا تھا.......ان باتوں سے نہ ڈرو ساری بدنامیاں ڈھل جائیں گی....عزت اللہ کے لئے ہے، عزت اللہ کے رسول کے لئے ہے، عزت ایمان والوں کے لئے ہے، یہ فیصلہ ہے، ولله العزة ولرسوله وللمؤمنين . یہ باتیں قیامت تک چلیں گی، لیکن اللہ ہدایت دینے کے لئے کافی ہے......اللہ مدد کے لئے کافی ہے.

ہم کسی کو اپنا دشمن نہیں سمجھتے:

ہماری کسی سے دشمنی نہیں ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا" الدين النصيحة" دوسروں کی بھلائی چاہو یہ ہماری بنیاد ہے .ہم اس بنیاد پر کام کریں گے کہ ہر ایک کا بھلا ہو جاوے، جیسے بارش کے پانی سے سب کا بھلا ہوتا ہے، خیر وجود میں آتا ہے،......نظر اللہ پر رکھنی ہے....غرور بھی نہیں کرنا ہے....اوصول پر بھی چلیں گے...... اور مشورے بھی کریں گے......کام کے تقاضے بھی پورے ہوں گے.....تاکہ ہر طبقہ کے اندر دین زندہ ہو جاوے.......اجتماعی فکر ہوتی ہے تو اجتماعی مدد اترتی ہے.....یہی ہمیں کرنا ہے تاکہ اللہ کا سچا دین وجود میں آجاوے....اس لئے ارادے کرو.........اور اللہ سے مانگو!!!!!!
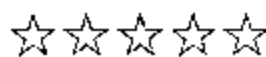
☆☆☆☆☆

بیان نمبر (٦)

علم کی دولت

﴿جمبوسر، ۰۷/۰۴/۲۰۱۳﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰه رب العالمين والصلوٰة والسلام علىٰ سيد المرسلين وعلىٰ آله وصحبه أجمعين!

میرے بزرگو اور عزیزو!

اللہ تعالیٰ نے ہم کو علم کی نعمت عطا کی ہے، اللہ نے اپنے علم کا پرتو ہم پر ڈالا ہے، جس میں سب سے اونچی چیز اللہ کی کتاب ہے، تمام عزتوں کا ذریعہ..... تمام بلندیوں کا ذریعہ...... ہدایت کا ذریعہ...... کامیابی کا ذریعہ...... وہ اللہ کی کتاب ہے، حضور ﷺ کے لئے بھی رہبر ہے، کوئی معاملہ پیش آیا تو قرآن کی آیت رہبری کرتی تھی، حضور ﷺ سارے عالم کے رہبر ہیں، اور آپ کا رہبر اللہ کی کتاب، اس کتاب کے پڑھنے کی آپ حضرات کو توفیق دی ہے...... پڑھانے کی توفیق دی ہے..... یاد کرنے کی توفیق دی ہے.... اور وہ حفظ ہو جاتی ہے، سینوں میں بیٹھ جاتی ہے۔

نعمت کا شکر ادا کریں!

بہت بڑی نعمت ہے، اس کا شکر کرنا چاہئے، موسیٰ کو اللہ نے کتاب دے کر فرمایا ﴿يَامُوْسَى إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَاتِي وَبِكَلَامِي فَخُذْ مَا أَعْطَيْتُكَ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِيْنَ﴾ [الأعراف : ۱۴۴] اے موسیٰ! ہم نے آپ کو کتاب دی، اور آپ کو ہم نے شرف کلام بخشا ہے، اس لئے آپ اس کا شکر ادا کریں، پیغمبروں سے شکر کا مطالبہ..... شکر کا حکم ہے، اس کتاب کا شکر..... اس علم کا شکر.....اور اس پر استقامت..... اسلئے ہم پابند ہو جائیں! اس کے پڑھنے کے پابند...... اس کے یاد رکھنے کے پابند.... یہ یاد بھی جلدی ہو جاتا ہے، اور نکل بھی جلدی جاتا ہے..... حدیث پاک میں ہے کہ اس کتاب کو یاد کیا کرو! نہیں تو یہ بہت جلدی نکل جائے گی، جیسے اونٹ

بیٹھا یا اور اس کا گھٹنہ نہ بیٹھا یا وہ بھاگ جائے گا، ایسے قرآن شریف سینے میں ہے تو اسے برابر پڑھتے رہیں، اسے یاد کرتے رہیں، اللہ توفیق دے اس کو نوافل میں پڑھا کریں، اس سے حفظ بہت پکا ہو جاتا ہے۔

حفظ: علم بھی ہے، اور ذکر بھی ہے:

قرآن شریف کے ذریعہ سے اللہ کو یاد کیا جائے تو یہ ذکر ہے، حضور ﷺ صحابہ کرام کو اس کا علم دیتے، دار ارقم میں بیٹھ کر لوگ قرآن شریف سیکھتے تھے..... قرآن شریف کے احکام سیکھتے تھے..... قرآن کو یاد کرتے تھے..... ایک دوسرے کو پڑھاتے تھے..... اپنے گھروں میں پڑھتے تھے..... اور پچھلی راتوں اٹھ کر اس کی تلاوت کرتے تھے..... تو یہ کتاب ذکر بن جاتی تھی، ﴿يَتْلُوْنَ آيَاتِ اللّٰهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ﴾ [آل عمران: ۱۱۳] اللہ کے نیک بندے وہ راتوں کو اٹھتے ہیں اللہ کی آیت کی تلاوت کرتے ہیں، سجدے کرتے ہیں، نمازوں میں اس کو پڑھتے ہیں، اونچی بات ہے، کہ قرآن شریف نماز میں پڑھتے ہیں، جو قرآن نماز میں پڑھا جائے گا تو ایک حرف پر سو نیکیاں ملتی ہیں، اس لئے جنہوں نے قرآن شریف اللہ کی توفیق سے یاد کیا ہے، وہ اسے یاد رکھیں، نہیں تو بہت گناہ ہوگا، یاد کر کے بھول گئے..... فارغ ہو کر اپنی دنیا میں لگ گئے، اب قرآن شریف زبان پر چلتا نہیں ہے، نکل گیا تو یہ بڑی ناقدری ہے..... اس کے لئے حدیث میں بڑی وعیدیں ہیں، اس لئے تلاوت کی پابندی کریں، روز معمول بنا کر قرآن پڑھا کریں!، ہمارے حضرت کہتے تھے جو حافظ ہوں انہیں چاہئے کہ روزآنہ تین پارے پڑھیں، حافظ محمد بخش صاحب جو میرے ساتھ امریکا میں تھے وہ کہتے ہیں کہ میرے استاذ نے فرمایا کہ قرآن شریف نہیں کھولنا، کیا مطلب؟ حفظ پڑھنا وہ روزآنہ تین پارے پڑھتے تھے، صف میں بیٹھے بیٹھے، نماز کے انتظار میں بیٹھے ہیں..... اس طرح تین پارے پڑھ لیتے تھے۔

قرآن کریم سیکھیں اور سکھائیں:

قرآن شریف حفظ ہوگیا..... تو سینہ میں گویا علم نبوت آ گیا، حدیثوں میں ہے، ثواب کا ذخیرہ ہے، یہ قبر کا نور ہے..... بہترین امت کے بہترین لوگ وہ ہیں جو اس کتاب کو سیکھیں اور سکھائیں، اس کے حروف کو بھی سکھانا ہے..... اس کی تجوید کو بھی سکھانا ہے، اس کے احکام کو بھی سکھانا ہے، سکھانے کے کچھ درجے ہیں، ویسے بہتری کے بھی کچھ درجے ہیں، جس نے اس کو پڑھا ہے آگے اسے سیکھنا ہے، اس کا ترجمہ اس کی تفسیر اس کے احکامات سیکھنا ہے، پھر اس کو یاد کرنا ہے، پھر امت میں اسکی تبلیغ کرنا ہے، قرآن شریف عبادت بھی بن جائے تبلیغ بھی بن جائے.....﴿بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ﴾ جو آپ پر نازل ہوا ہے اس کی تبلیغ کرو۔

قرآن والوں کو وحشت نہیں ہوگی:

قرآن کریم قبر میں مونس ہے.....قبر میں وحشت ہوگی لیکن جو قرآن والے ہیں ان کو وحشت نہیں ہوگی..... بلکہ قرآن آجائے گا کہ میں آپ کا ساتھی ہوں، آپ کو گھبرانے کی ضرورت نہیں، اس لئے قرآن شریف سے تعلق پیدا کرو، علم کا بھی تعلق، اور عمل کا بھی تعلق، قرآن کا علم بڑا علم ہے، یہ حضور ﷺ پر نازل ہوا، اور پھر آپ کو حکم دیا گیا کہ لوگوں کو ایسے سمجھاؤ، تو آپ نے اسے سمجھایا، اس کا یہ مطلب ہے، اس کا یہ مطلب ہے، اور اس پر اس طرح عمل کرو، اس پر اس طرح عمل ہے، ﴿وَأَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ﴾ [النحل/۴۴] ہم نے آپ پر یہ ایک ذکر نازل کیا۔ اللہ نے اس کو علم بھی کہا اس کو ذکر بھی کہا۔ آپ پر نازل کیا ہے، اب آپ لوگوں کو سمجھائیں، قرآن سمجھنے کے لئے سنت کا سمجھنا ضروری ہے۔ کیونکہ حدیث سے جاہل رہ کر قرآن سمجھنا مشکل ہے۔

قرآن وحدیث نور ہے:

حدیثوں کو بھی پڑھنا، سنتوں کو بھی سیکھنا..... سنتوں پر عمل کرنا، اللہ کی کتاب اور اللہ کا رسول یہ دونور ہیں، ہم کو دو نور ملے ہیں، ﴿وَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ نُوْرًا مُبِيْنًا﴾ ایک نور نازل کیا ﴿قَدْ جَائَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَ كِتَابٌ مُبِيْنٌ﴾ ایک نور حضور ﷺ کی سنت اور ایک نور اللہ کی کتاب ہے، تو اپنے آپ کو اس کا پابند بناویں، معصیت سے گناہوں سے بے ادبیوں سے اس کو میلا نہ کریں۔

علم تقویٰ کے ساتھ رہتا ہے:

تقویٰ پرہیزگاری کے ساتھ یہ کتاب ملی ہے..... علم ملا ہے.... تو انہیں تقویٰ وطہارت کے ساتھ چلاؤ، یہ نور ہے، بنی اسرائیل کے علماء کو علم ملا، تو انہوں نے تقویٰ کھودیا، اور فسق آ گیا، وہ فاسق ہوگئے، ان کے عبادت گزار لالچی بن گئے، تو وہ فاسق اور لالچی بن گئے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی ہے...... اور ان کے دلوں کو سخت کردیا، بڑے بڑے گناہ کرتے تھے، یہاں تک کہ کتاب کو بھی بدل دیتے تھے، نبی کو بھی قتل کردیتے تھے.... یہ تقوے والا علم ہے.... یہ علم اسکے پاس ہوگا جس کے پاس تقویٰ ہوگا، نہیں تو اسکا بھی وہی حال ہوگا جو بنی اسرائیل کا ہوا، اسکا بھی دل سخت ہو جائے گا، فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ بڑے عالم گزرے ہیں، انھوں نے بھی کہا کہ علم سے دل سخت ہوجاتا ہے..... یہ میں نے پڑھا ہے کہ علم سے دل سخت ہوجاتا ہے..... کیوں کہ علم کے تقاضے پر عمل نہیں کیا..... علم کو دنیا کے لئے استعمال کیا..... تو بجائے اسکے کہ دلوں میں تقویٰ اور نور پیدا ہو دل سخت ہوجائیں گے۔

بغیر عمل کے علم سے دل سخت ہوجاتا ہے:

جیسے بنی اسرائیل کے علماء کے دل سخت ہوگئے تھے، اور یہ دلوں کا عذاب ہے، دل سخت ہوگئے پڑھنے کے باوجود بھی..... جاننے کے باوجود بھی.... میں جانتا ہوں.... ہاں

میں جانتا ہوں ..... مگر عمل کچھ ہے، اس طرح دل برباد ہوجاتے ہیں، جس کا دل جتنا سخت ہوگا اتنا وہ اللہ سے دور ہوگا، دلوں کا علاج بھی قرآن شریف میں ہے، حدیث شریف میں ہے کہ دلوں کو زنگ لگتا ہے...... میل لگتا ہے، ''اسکی صفائی کی کیا صورت ہے کہ موت کو یاد کرو اور قرآن شریف کی تلاوت کرو، یہ علاج ہے''، یہ علم تو اللہ نے ہمیں پابند ہونے کے لئے دیا ہے، آزاد ہونے کیلئے نہیں دیا...... دوسرے جو دنیا کے فنون ہیں ان میں لوگ آزاد ہوتے ہیں... آوارہ ہوتے ہیں..... مگر اس علم میں پرہیزگار ہوں گے، پابند ہوں گے، پرہیزگار اور پابند ہو کر ہی جنت میں جاسکتا ہے ﴿والعاقبة عند ربك للمتقين﴾ عاقبت کی خوبیاں پرہیزگاروں کو دی جاتی ہیں...... فاسقوں کو نہیں دی جاتی ہیں..... اسلئے اپنے آپ کو فسق سے بچانا ہے، اور گناہوں سے دور رکھنا ہے، اسی لئے یہ علم دیا ہے تاکہ اس پر عمل کرو.... قرآن دیا ہے تاکہ یہ عمل میں آوے، اسکو پڑھیں پڑھاویں.... اسکو دنیا میں پھیلاویں۔

قرآن پر دنیا میں کوئی اجرت نہیں لینا ہے:

اسپر دنیا والوں سے کچھ نہیں لینا ہے، اللہ بہت دیگا بہت...... امت میں بڑے لوگ گزرے ہیں انھوں نے کچھ نہیں لیا، اللہ نے انھیں خوب دیا...... وہ لوگوں کو دین بھی سکھاتے تھے، اور کھانا بھی کھلاتے تھے، لوگوں سے لینا تو کیا! بلکہ ہمارے یہاں پڑھ کے بھی جاؤ اور ہمارے یہاں سیکھ کر اور کھانا بھی کھا کر جاؤ..... یہ تو تھا علم اخلاق کے ساتھ..... علم اغراض کے ساتھ نہیں، ایثار کے ساتھ..... احسان کے ساتھ، یہ صحابہ کا علم تھا، بنی اسرائیل کے علماء کا علم اغراض کے ساتھ تھا، اسلئے محروم ہوگئے اور اللہ نے انکو دور کردیا، جو لوگ بے غرض ہیں وہ مقرب ہوگئے..... اللہ ان سے راضی ہوگیا، بس ہمیں اس پر اپنے کو پابند بنانا ہے، جو پابندی نہیں کریگا اسکی کوئی ترقی نہیں..... اور جو پابند ہے وہ ہر وقت ترقی کرتا ہے، اگر پابند ہوگئے انشاء اللہ پھر نور علی نور..... اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق دے! اور آپ کو بھی توفیق دے!

بیان نمبر (۷)

حقوق اللہ
و
حقوق العباد

﴿ ۲۰۱۴/۰۲/۱۶، نلور اجتماع، بعد مغرب ﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه، و نعوذ بالله من شرور أنفسنا و من سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، و من يضلله فلا هادى له، و نشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، و نشهد أن سيدنا محمداً عبده و رسوله صلى الله تعالى عليه و على آله و صحبه و بارك وسلم تسليما كثيراً كثيراً، اما بعد!

فاعوذبالله من الشيطان الرجيم. بسم الله الرحمن الرحيم.

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَنْ لَا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَأَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ، نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ، نُزُلاً مِنْ غَفُوْرٍ رَحِيْمٍ، وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِمَّنْ دَعَا إِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾. صدق الله العظيم.

دین نام ہے ادب کا:

میرے بزرگو اور پیارے بھائیو!

دین سارے کا سارا ادب کرنے کا نام ہے۔ "الدين كله أدب" دین ادب کرنے کا نام ہے...... ایک مرتبہ میں جماعت لے کر دارالعلوم دیوبند گیا، عرب حضرات کی جماعت میرے ساتھ تھی، مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ اس وقت حیات تھے، مفتی صاحب ہمارے حلقے میں آئے، عربوں سے ملاقاتیں کیں، پھر بات شروع کی...... پہلی بات یہی کی جو میں کہہ رہا ہوں "الدين كله أدب" کہ دین سارے کا سارا ادب کرنے کا نام ہے...... ہمارے دین میں بے ادبی کی کوئی جگہ ہی نہیں ہے۔ وضو اور استنجاء کے بھی اداب ہیں...... اللہ کا ادب...... اس کے رسول ﷺ کا ادب...... اس کی کتاب کا ادب...... مجلس کا ادب...... مسجد کا ادب۔

علماء کی صحبت:

علماء سے فائدہ اٹھانا ہے، کیونکہ ان کے علوم سے.....ان کے عمل سے ایسا نفع ملتا ہے جیسے زمین کو پانی سے نفع ملتا ہے، اس لئے کہ علم تو وہی بتاویں گے۔ اور عمل بھی وہی بتاوینگے، کتاب پڑھ لو تو علم ضرور آویگا، لیکن عمل کی جگہ خالی رہے گی، اسلئے اللہ کتاب بھی اتارتے ہیں اور رسول بھی بھیجتے ہیں..... خالی کتاب ہی نہیں، کہ معلومات ہو جاویں لیٹریچر ہو جاویں، ٹھیک ہے! اس کے ساتھ عمل کی شکل ہونی چاہئے، تو عمل کی شکل اسکے لئے اللہ تعالیٰ آدمی بھیجتے ہیں، وہ ہمارا ہی آدمی ہوتا ہے، بنی آدم میں سے ہے.....وہ عمل کی شکل تیار کرتا ہے، کہ دیکھو یہ حکم ہے اس کا عمل یہ ہے..... یہ حکم ہے اس کا عمل یہ ہے..... ایک کتاب ایک انسان، اس کو کہتے ہیں اتباع، تو وحی کا اتباع کرو! اور وہ رسول کی تابعداری ہے، رسول بتائیں گے احکام کیا ہیں؟ آداب کیا ہیں؟ غلط کیا ہے؟ صحیح کیا ہے؟

تو ہمارا دین سارے کا سارا ادب ہے، اور ادب کے معنی کیا ہے؟ ادب کے معنی تکلفات نہیں ہیں۔ جیسے آج کل تکلفات ہو گئے ہیں، ادب تو تعظیم ہے...... عبداللہ ابن مسعودؓ مسجد میں داخل ہو رہے تھے، دروازے پر پہونچے، حضور ﷺ نے ممبر پر سے فرمایا" اجلسو" بیٹھ جاؤ! دروازے پر پہونچے تھے کہ یہ آواز کان میں پڑی، تو وہیں بیٹھ گئے۔ کیونکہ حکم ہو گیا بیٹھ جایئے۔ اب چلنے کی جگہ نہیں ہے، دروازے پر ہی بیٹھ گئے، یہ حکم کی تعظیم ہے!!! تو آپ ﷺ نے بلالیا عبداللہ آگے آجاؤ، تو آگے آئے، حکم کی تعظیم...... اور اس سے آگے کی بات.....ایک دفعہ ایسے ہوا کہ ممبر پہ آپ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے، تو آپ نے فرمایا بیٹھ جایئے! مسجد نبوی سے قریب ایک محلہ تھا، اسکو بنوغنم کا محل کہتے تھے: عبداللہ ابن رواحہ وہیں تھے، مسجد کی دیواریں چھوٹی چھوٹی تھیں، تو آواز باہر جاتی تھی، انھوں نے محلہ میں آواز سنی بیٹھ جایئے! تو وہیں بیٹھ گئے...... اللہ کے

حکموں کی تعظیم، اور تعظیم سے اس پر عمل کرنا، تو عبد اللہ بن رواحہ وہیں بیٹھ گئے......
لوگوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ عبداللہ ابن رواحہؓ محلہ بنوغنم میں تھے آپ کی آواز سن کر وہیں بیٹھ گئے، آپ ﷺ نے خوش ہو کر کے ان کو دعا دی...... کہ اللہ تعالیٰ ان کی اطاعت کی رغبت اور زیادہ کرے، یہ ہمارا کام ہے۔

مخلصین کی پہچان:

میرے دوستو! یہ کوئی رسمی چیزیں نہیں ہیں، اداب ہیں......احکام ہیں...... ذمہ داریاں ہیں...... اور یہ ساری کی ساری چیزیں ذمہ داری سے امانت داری سے پوری کی جائیں گی، تب یہ دین بنے گا، اخلاص بھی شرط ہے، اخلاص کے ساتھ کام کریں، ایک اللہ کو راضی کرنے کے لئے اور کوئی غرض نہیں ہے، کوئی پوچھے یا نہ پوچھے، کام تو کرنا ہے، ہم کو نہیں پوچھا...... کہ کوئی بات نہیں، نہیں پوچھا...... تو ہم کام کریں گے۔ صحابہ اکرامؓ یہ کہتے تھے، کہ ہم نے تو اللہ کے رسول ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر قول وقرار کیا ہے، بیعت کی ہے، کہ جو حکم آئے گا اسے سنیں گے، اور ہر حال میں مانیں گے، اللہ غریب بناویں گے تو بھی بات مانیں گے...... اللہ مالدار بناویں گے تو بھی بات مانیں گے..... ہمارا جی چاہے گا تو بھی کام کریں گے، اور بات مانیں گے، جی نہیں چاہتا... کام ذمہ میں آیا تو بھی کام کریں گے۔ اور بات مانیں گے۔ یہ ہے کہ پانچویں بات "بَايَعْنَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ، وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ وَالْأَثَرَةِ عَلَيْنَا وَأَنْ لَا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ"، [رواه ابن ماجه عن عبادة الصامت في باب البيعة، حدیث نمبر:۲۸۶۶] یہ پانچویں بات ہے کہ کوئی ہم کو آگے کر دے تو بھی بات مانیں گے، کوئی ہم کو پیچھے کر دے تو بھی بات مانیں گے، کوئی نہیں پوچھے تو بھی بات مانیں گے،

کوئی ہمیں نہ پوچھے تو بھی بات مانیں گے، یہ مخلصین کی اطاعت کہلاتی ہے۔

کام صرف اللہ کو راضی کرنے کے لئے ہے:

حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہی عمل قبول ہوگا جو خالص اللہ کے لئے کیا گیا ہوگا، اس لئے صحابہؓ نے کہا کہ ان پانچوں صورتوں میں ہم انصار دوسرے لوگوں کو آگے کرتے تھے ،اپنی حاجت پوری نہیں کرتے تھے..... لوگوں کی حاجت پوری کرتے تھے، اپنی راحت چھوڑ دیتے تھے،لوگوں کو راحت دیتے تھے..... اور ﴿يُؤْثِرُوْنَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ [الحشر/۹] لیکن فرمایا کہ تمہارے اوپر ایک دور ایسا آوے گا کہ لوگ تم کو پیچھے کردیں گے، اپنی راحتوں کو آگے کریں گے، اپنی ضرورتوں کو آگے کریں، تمھیں پیچھے کردیں گے،تو تمہیں کیا کرنا چاہئے؟ ایسے دور میں تمکو صبر کرنا چاہئے، کہ نصرت تم نے کی ہے، ساتھ تم نے دیا ہے، قربانیاں تم نے دی ہیں، راستہ تم نے بنایا ہے، سب کو آسرا تم نے دیا ہے، اسکے باوجود لوگ تمہیں پیچھے کریں گے ایسا دور آئے گا..... "یہ ہم کام کرنے والوں کے لئے بات ہے"! کہ تم کو ایسے وقت میں کیا کرنا ہوگا؟؟؟ تم کو ان سے لڑنا نہیں، ان سے جھگڑنا نہیں، کوئی شکایت نہیں کرنی ہے، بلکہ تم کو صبر سے کام لینا ہے، اور تمہارا بدلہ میں حوض کوثر پر اللہ سے قیامت میں دلوادونگا۔

یہ ہدایت ہے بہت وزنی ہدایت ہے، یہ ہر کام کرنے والے کے لئے ہر پرانے کے لئے وہ اپنے کام کا کوئی بدلہ نہ مانگے کوئی اعزاز نہ مانگے ،کوئی مقام نہ مانگے، جو کچھ مانگے وہ اللہ سے مانگے..... یہ اس کے خلوص کی دلیل ہے، یہ اس کے اخلاص کی دلیل، یہ اس کے آخرت کے طلبگار ہونے کی دلیل ہے..... اس لئے ان ہدایتوں کا اپنے آپ کو پابند کرنا ہے، پھر اتنی خیر ہوگی اتنی خیر ہوگی کہ دشمنوں کے دلوں سے دشمنی نکل جائیگی، اور

ہدایت کا نور ان کے دلوں میں آ جائے گا..... کیونکہ یہ کام ہے ہی صبر آزما، صبر کرنے کا کام ہے۔

کام میں انہماک اور فکر مندی:

یہ کام صرف شوق پورا کرنے کا م نہیں، دین کے کام شوق پورا کرنے کے لئے نہیں ہوتے، شوق پورا کرنے کے لئے کام نہیں کیا جائے گا، فکر سے کام کیا جائے گا..... جیسے قرض دار کو قرض کی فکر ہوتی ہے، کہ تاریخ آ گئی ہے، تو وہ فکر مند ہو جاتا، اس کو نیند نہیں آتی، فکر ہے.... بوجھ ہے، ایسے ہی دین کے کام کا بوجھ ہونا چاہئے، یہ شوق پورا کرنے کا یا نمائش کا کام نہیں ہے، اسے نمائش کے لئے نہیں کرنا ہے، اپنے آپ کو نمایاں بنانے کے لئے بھی نہیں کرنا ہے..... اگر نمایاں بنو گے تو پھر اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی قیمت نہیں ہے: "وَمَنْ اُشِيْرَ اِلَيْهِ بِالْاَصَابِعِ فَلَا تَعُدْهُ" [الترمذی عن أبی هريرة فی باب الكفاف والصبر عليه، حدیث نمبر: ۴۲۵۳] کہ جس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جائے یہ فلاں صاحب ہیں...... یہ فلاں صاحب ہیں تو اس کو کچھ مت سمجھو۔

قابل بہت ہیں مقبول بہت کم ہیں:

اپنی قابلیت کو دین پر لگانا ہے تاکہ اللہ مقبول بناوے، قابل بہت ہیں..... مقبول تھوڑے ہیں...... ہمیں مقبول بننا ہے، اس لئے دین کے کام شوق کے لئے نہیں کئے جائیں گے، بیان کرنے کا شوق ہے...... شوق کا بیان نہیں ہوتا، امت کی خیر خواہی کا بیان ہوتا ہے، امت کو دین پہونچانا ہے، شوق نہیں پورا کرنا ہے، امانت ہے کہ امت کو دین سکھاؤ، امت کو دین سمجھاؤ، وہ لائنیں دوسری ہیں جس میں شوق پورے کئے جاتے ہیں، جن میں اپنے آپ کو نمایاں کیا جاتا ہے، وہ دنیا میں ہیں...... ہمارے یہاں تو دین

کے کاموں میں اخفا بہتر ہے، چپکے چپکے صدقہ کرے، کہ سیدھے ہاتھ سے صدقہ اور دوسرے ہاتھ کو پتہ نہ چلے...... یہ صدقہ ظاہری صدقہ سے افضل ہے، ﴿اِنْ تُبْدُوْا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّاهِيَ﴾ اگر تم ظاہر کر کے صدقہ دو گے تو یہ بھی ٹھیک، ﴿وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَ تُؤْتُوْهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ [البقرة/ ۲۷۱] اگر چھپاؤ اور چپکے سے صدقہ دے دو تو تمہارے لئے بہت بہتر ہے، جیسے مال صدقہ ہے، اسی طرح ہر آدمی کا نیک عمل اس کی زندگی کا صدقہ ہے، اس کا جتنا اخفاء کر سکتا ہے اور جتنا پوشیدہ رکھ سکتا ہے یہ اس کے اظہار سے بہتر ہے، اظہار تو ضرورت کے لئے کرنا پڑتا ہے، جیسے فرض نماز جماعت سے پڑھی جائی گی، تو اظہار کر کے پڑھو تا کہ اور لوگ بھی پڑھیں۔

ورنہ اپنی نیکیوں کو ایسا چھپاؤ جیسے اپنے گناہوں کو چھپاتے ہو، لوگ اپنے گناہوں.... کو اپنی غلطیوں کو...... اپنی کمزوریوں کو..... چھپاتے ہیں، تا کہ ماحول میں رسوائی نہ ہو، تو یہ کام شوق پورا کرنے کا نہیں ہے، یہ تو ذمہ داری پورا کرنے کا کام ہے، اور ذمہ داری بھی امانت داری سے پورا کرنے کا کام ہے۔

اللہ سے قرب کا ذریعہ:

جب ذمہ داریوں کو امانت داری سے پورا کیا جائے گا تو لوگ اللہ تعالیٰ سے قریب ہو جائیں گے۔ ان کی خدمت..... ان کی قربانی..... ان کی اطاعت.... وزن دار ہو جائے گی، کیونکہ اپنی ذمہ داری کو پوری امانتداری سے ادا کیا ہے، رسول ﷺ نے ایک سفر کیا، واپسی میں یا جاتے ہوئے ایک جگہ قیام ہوا، قافلہ کا پڑاؤ جہاں ہوا، وہ جگہ خطرے کی تھی، چاروں طرف ماحول خطرناک تھا، دشمنوں کا ماحول تھا، چوکیداری بھی ہمارے کام کا ایک حصہ ہے، جیسے آپ حضرات سامان کی..... مالوں کی...... چوکیداری کرتے ہیں،

یہ بھی ایک محنت ہے، اور اس کی بڑی فضیلت ہے، حضور ﷺ نے تقاضہ رکھا، تو فرمایا من یسحر ھذا اللیل آج کی رات چوکیداری کون کرے گا؟ مشکل جگہ تھی انصاری آ گئے...... انصار مدینہ کی یہ خصوصیت تھی کہ مشکل مشکل کاموں کو اپنے ذمہ لیتے تھے، مشکل کام یہ نہیں کہ عزت کے کام..... شہرت کے کام..... بلکہ جو کام کٹھن ہو اس کو لیتے تھے۔ یہ ان کا مزاج تھا، دین کے کام کرنے والوں کے لئے سبق ہے، کہ کٹھن کام اپنے ذمہ لو! طبیعت اطاعت کی بنے گی، اور کام ہو جائے گا، یہ کام اعزازی نہیں ہے، حضور ﷺ نے انصار سے کہا کہ تمہارا مزاج ہے میں تمہیں جانتا ہوں کہ تمہارا مزاج یہ ہے "تکثرون عندالفزع و تقلون عند الطمع" کوئی کٹھن کام ہوتا ہے، مشکل معاملہ ہوتا ہے، تو اس کے لئے ہم حاضر ہیں، بتایئے کیا کرانا ہے؟ یہ وفاداروں کی شان ہے، ہاں! کہ ہم وفادار ہیں اور کوئی میٹھا معاملہ ہوا، ملائم معاملہ ہو، تو چھوڑ دیتے ہیں، کہ یہ میٹھا معاملہ ہے، ملائم معاملہ کوئی اور کریگا۔

انصارِ مدینہ کی صفت:

بحرین سے مال کے بارے میں پوچھا اس کو کیا کرنا؟ انصار نے عرض کیا کوئی بات نہیں ہے، مہاجرین کو دے دیجئے، ملائم معاملہ ہے، میٹھا معاملہ ہے، رقم آئی ہے، تو کس کو دیں؟ مہاجرین کو دیدیں، اور خندق کھودنی ہے، تو اس کے لئے ہم ہیں، خندق کھودنے کیلئے انصار کی دس دس آدمیوں کی جماعت بنائی تھی، اور ناپ کر زمین دی تھی، کہ یہ آدمی اتنا کھودے.... یہ اتنا کھودے.... یہ اتنا کھودے.... تو انصار کی جماعت کھودتی تھی، جب وہ جماعت اپنے حصہ کا کام پورا کر چکی اور کھودلیا...... تو اب کون سی جماعت ہے جن کا کام ابھی پورا نہیں ہوا ہے ان کی مدد کریں گے، ان کا ہاتھ بٹائیں گے،

یہ نہیں کہ ہماری جماعت نے تو کام کر لیا اور بیٹھ گئے...... یہ کٹھن کام اپنے ذمہ لیتے تھے۔

سبق آموز واقعہ:

یہ سبق دیا ہے دین کی نصرت کرنے والوں کو، اگر اعزازی کاموں میں آگے رہیں، اور مشکل کاموں میں پیچھے ہو جاویں، اس سے ان کی ترقی نہیں ہوگی، اور ان کی تربیت بھی نہیں ہوگی، دونوں باتیں نہیں ہوں گی، کیونکہ یہ سہولت سے کرتے ہیں، سہولت دیکھتے ہیں، سہولت ہو تو کریں! کہ ایسا نہیں، عزیمت سے کریں، پھر اللہ کی مدد آئے گی، تو وہ قصہ کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ آج کی رات چوکیداری کون کرے گا؟ تو انصاری آ گئے کہ جی میں کروں گا چوکیداری! فرمایا اچھی بات ہے، تم سوار ہو کر آؤ میرے پاس! تو گھوڑے پر سوار ہو کر حاضر ہوئے، پھر آپ نے بتایا یہ جگہ ہے جہاں چوکیداری کرنی ضروری ہے، جہاں نگرانی کرنی ہے، سب جگہ بتادی کہ اس جگہ سے ہوشیار رہنا، ہدایت دیدی...... رات کو چلے گئے، رات گزر گئی، صبح کی نماز کا وقت آیا، تو جناب رسول ﷺ لوگوں کو نماز پڑھانے کیلئے تشریف لائے، آپ نے لوگوں سے پوچھا، تمہارے سوار کا کیا حال ہے، کوئی خبر ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ہمارے پاس تو ہمارے سوار کی کوئی خبر ابھی آئی نہیں ہے، بس وہ رات کو گئے ہیں، پھر آپ ﷺ نے نماز پڑھائی...... نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ تمہارا سوار آنے ہی والا ہے، اتنے میں وہ جھاڑیوں میں سے آتا ہوا نظر آیا اور آ کر کے سامنے کھڑا ہو گیا، سلام کر کے حضور ﷺ نے کیا پوچھا؟ یہ نہیں پوچھا کہ خیریت ہے؟ رات کیسی گزاری؟ یہ نہیں پوچھا! تربیت کی باتیں ہوتی ہیں...... یہ پوچھا کہ یہ بتاؤ رات کو اپنے گھوڑے پر سے اترے تھے؟ "هل نزلت" رات گھوڑے پر سے اترے تھے؟ عرض کیا بالکل نہیں اترا، ساری رات چکر لیتا رہا، صبح کی نماز کا وقت آیا

اس کیلئے اترا تھا، پیشاب کی حاجت ہوئی تھی اس کے لئے اترا تھا، باقی پوری رات اپنے گھوڑے پر رہا، اور اپنے کام میں مشغول رہا، جب انھوں نے یہ کارگزاری دی تو کیا جواب ملا کارگزاری کے جواب میں یہ ملا "قد اوجبت" آپ نے اپنی جنت واجب کرلی۔

یہ مثال میں نے اس لئے عرض کی ہے کہ کام کو ذمہ داری سے امانت داری سے کرنا ہے، جیسے انہوں نے پہرے داری پوری امانت داری سے کی ہے، کہ رات بھر اپنے گھوڑے سے نہیں اترے، یہ عزیمت کہلاتی ہے، اللہ کے کام کی عظمت اس کے حدود وقیود کی حفاظت، اس لئے ایک ہی رات میں اتنا انعام مل گیا کہ آپ نے اپنی جنت واجب کرلی، کوئی دیکھے یا نہ دیکھے، کوئی پوچھے یا نہ پوچھے! اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال کو خود دیکھنے والے ہیں، ﴿قُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ﴾ [التوبة/۱۰۵] کام کرو اللہ تمہارے کام کو دیکھے گا، حساب کتاب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا دین امانت ہے:

اللہ نے ایمان امانت کے طور پر دیا ہے تاکہ اس امانت کو امانتداری سے ادا کریں، یہ ایمان ہی ایسی چیز ہے جو امانتداری سے کام کرواوے، ایمان ہی ایسی چیز ہے جو اللہ سے ڈرا کر کام کرواوے، ایمان ہی ایسی چیز جو کسی کے بھلے یا برے کہنے کی پرواہ نہ کرے، کوئی کچھ بھی کہے کوئی بات نہیں ...... مجھے تو اللہ کا کام کرنا ہے، اللہ کے دین کا کام کرنا ہے، کوئی عزت کرے...... کوئی ذلت دے..... کوئی بات نہیں، عزت اور ذلت دینے والی ذات تو اللہ کی ہے۔

ایمان ایسا خزانہ ہے جو ہم سے ہٹے گا نہیں...... ہم سے کٹے گا نہیں...... دنیا کے

سارے خزانے، دنیا کی ساری حکومتیں، ساری دولتیں، یا تو آدمی ان سے کٹ جائیگا یا وہ خود ہٹ جائیں گی، اس میں کٹ کٹاؤ ضروری ہے، ساری نعمتیں ایمان کے سوا چھوٹ جاتی ہیں، ایمان ایسی نعمت ہے جو ہٹے گی نہیں، کٹے گی نہیں، ایمان والے کے ساتھ رہے گی، اور اس کی رہبری کرے گی، جب ایمان بڑھ جاتا ہے، تو خدا کا خوف تیز ہو جاتا ہے، ایمان تیز ہو گیا ہے، تو یقین تیز ہو جاتا ہے،،، ایمان تیز ہو جاتا ہے تو اللہ کی محبت بڑھ جاتی ہے..... آخرت کی محبت بڑھ جاتی ہے..... اللہ کے بندوں کی ہمدردی پیدا ہوتی ہے.... ایمان کے راستہ سے یہ ساری شعاعیں پھوٹتی ہیں، پھر وہ مخلوق پر رحم کرنے والے بن جاتے ہیں، کیونکہ ایمان آیا تو ایمان بڑا خزانہ ہے، قبر میں..... قیامت میں..... حشر میں...... پل صراط میں، ہر جگہ یہ کام دینے والا ہے، اسے کوئی آپ سے لوٹ نہیں سکتا، ایمان نہیں لوٹا جاتا، باقی ساری دولتیں لوٹ لی جاتی ہیں، چھینی جاتی ہیں، کیونکہ وہ دلوں میں اتری ہوئی ہے۔

ایمان کو مضبوط بنانا ہے:

اس ایمان کو مضبوط بنانے کیلئے اللہ کے حکموں والی محنت کرائی جاتی ہے، جب اللہ کے حکموں والی محنت اخلاص کے ساتھ کی جائیگی، اور کوئی غرض نہیں ہو گی، کوئی دوسرا مطلب نہیں ہوگا، کوئی ہوس نہیں ہو گی، ایک اللہ ہی صرف مقصود ہوگا، اور اس کا کام اسی کے لئے کیا جائے گا تو ایمان مضبوط ہوگا، اور یہ ایمان ہر موڑ پر، ہر گھاٹی میں کام دے گا، اور حکموں پر جما دے گا...... نہیں تو ایمان کی کمزوری کیوجہ سے پاؤں پھسل جاتا ہے، پھر انسان اچھے حالات میں پھنس جاتا ہے، اور برے حالات میں ناامید ہو جاتا ہے، یہ ہوتا ہے، اور یہ کمزوری ہے، اور ناگوار حالات آئے تو ناامید ہو گئے، نراش ہو گئے، اور

نراش ہو کر پیچھے ہو گئے...... یہ انسان کی طبیعت ہے، نعمتیں آویں تو نعمتوں میں ڈوب جاوے، اور تکلیف تنگی آوے تو اس میں ناامید ہو کر رک جاوے، یہ دونوں باتیں صحیح نہیں ہیں، کمزور ہیں...... ﴿وَاِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَأَى بِجَانِبِهِ﴾ [الإسراء/ ۸۳] ہم انسانوں کو نعمتیں دیتے ہیں، ان کا اکرام اعزاز کرتے ہیں تو یہ منھ پھیر لیتے ہیں، پیچھے ہو جاتے ہیں، دور ہو جاتے ہیں، اب مسجد میں آنے کا وقت نہیں ہے...... دین کے کام کا وقت نہیں ہے...... فجر کی نماز پڑھنے کا وقت نہیں ہے...... عشاء کی نماز میں حاضری نہیں ہوتی ہے...... کیوں کہ وہ بڑے آدمی ہیں، اللہ نے بڑا بنایا، تو اب گنجائش نہیں ہے، اور آگے اللہ فرماتا ہے ﴿وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَؤُوْسًا﴾ [الإسراء/ ۸۳] کہ اس کو تکلیف ناگواری آ گئی تو ناامید ہو کر بیٹھ گئے، تو نہ یہ حالت راس آتی ہے، نہ وہ حالت راس آتی ہے، کوئی حال راس نہیں آ رہا ہے، ہر حال پیچھے ڈال رہا ہے، یہ فرمایا قرآن شریف نے، کیوں کہ اسی میں کمزوری ہے۔

اندر کی طاقت ضروری ہے:

ہر مشین اپنے اندر کی طاقت سے چلتی ہے، باہر کی طاقت سے کوئی مشین نہیں چلتی ہے گاڑی کو دھکا دو، کہ نہیں! ہوائی جہاز کو دھکا دو، کہ نہیں! ہوائی جہاز اپنی طاقت سے چلے گا، گاڑی اپنی طاقت سے چلے گی، گیس کا چولہا اپنی طاقت سے چلے گا، اندر گیس ہے، اگر گیس ختم ہو گیا تو پھر وہ کام نہیں کرے گا، گاڑی ٹھنڈی ہو گئی تو وہ نہیں چلے گی، چنانچہ ہر مشین اپنی اندر کی طاقت سے کام کر کے بتاتی ہے۔

انسان مشین کی طرح ہے:

ایسے ہی ہر مسلمان اپنے ایمان کی طاقت سے خدا کے دین کا کام کرے گا..... مشین کی طرح سے اللہ نے اسے بھی بنایا ہے، اگر ایمان کی طاقت آ گئی تو پھر ہر حال میں کام کریگا، کوئی چیز روکے گی نہیں، جیسے مشین اگر صحیح ہے تو وہ کام کرے گی، تو ایمان میں طاقت آتی ہے، ایمان میں روشنی آتی ہے، تو اس سے بات سوجھتی ہے..... دوسروں کی لائٹ میں گاڑی نہیں چلا کرتی ہے..... جیسے سڑک کی روشنی میں گاڑی کو نہیں چلنے دیا جاتا، اس کو اپنی روشنی لانی پڑتی ہے، اسی طرح ہر مسلمان اپنے نور ایمان سے چلے گا، نور ایمان کی وجہ سے وہ ٹھوکر نہیں کھائیگا..... گناہوں میں نہیں پڑے گا، خواہشوں میں نہیں پھنسے گا، روشنی اس کے سامنے آتی ہے، پھر سنتوں پر عمل ہوتا ہے، حکموں کو پورا کیا جاتا ہے، تو نور بنتا ہے، ایمان کا نور..... عملوں کا نور..... نماز کا نور..... حدیث شریف میں ہے "الصلاۃ نور" نماز نور ہے، "الصبر ضیاء" صبر روشنی ہے، تو اندر کے حالات میں..... صبر ہے، شکر ہے، اطاعت ہے، یہ اچھے حالات ہیں، اچھے نتائج لاتے ہیں، اگر یہ اندر سے اچھے نہیں ہیں تو پھر حالات بگڑ جاتے ہیں، پھر آدمی دوسری لائین پر جاتا ہے، غافل ہو جاتا ہے، اور دور ہو جاتا ہے، نعمتیں بڑھتی ہیں، اور اللہ سے دوری بھی بڑھتی ہے، جتنی نعمتیں بڑھیں اتنی دوری بڑھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بڑی دولت دیدی ہے، بڑی ثروت دیدی ہے، بڑی اچھی حیثیت بنائی ہے، تو دوری ہو گئی..... یہ بات اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے..... کہ میں نے تو نعمت دی ہے، میں نے تو اکرام کیا..... میں نے تو بغیر مانگے دے دیا..... اور یہ اللہ کی عادت ہے مانگنے کا انتظار نہیں کرتے، کیونکہ اللہ کریم ہے، سخی مانگنے سے دیتا ہے، لیکن جو کریم ہوتا ہے، وہ مانگنے کا انتظار نہیں کرتا، اس کے کرم کا تقاضہ ہوتا ہے کہ وہ بن مانگے عطا کر دے، اللہ نے اپنا تعارف اپنے کرم سے کرایا ہے، کہ میں کرم کرنے والا ہوں، تو کرم سخاوت سے آگے ہے، قرآن کریم کی پہلی آیتیں نازل ہوئی ہیں ﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِی خَلَقَ، خَلَقَ الْاِنْسَانَ، مِنْ عَلَقٍ،

﴿إِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ﴾ [العلق/۱،۲،۳] پڑھئے اے نبی ﷺ آپ کا رب تو بہت کرم کرنے والا ہے، کائنات کا سارا نظام اللہ کے کرم سے چل رہا ہے، صرف اللہ کے کرم کا اثر ہے، ورنہ اللہ پر کوئی واجب نہیں ہے، اللہ پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے، مگر وہ تو بغیر مانگے دیتے ہیں۔

عطاءِ ربانی:

دوسری شان اللہ کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے شروعات کرتے ہیں، تحریک کرنے کی ضرورت نہیں ہے.....کوئی جنبش کرنے کی ضرورت نہیں ہے.....اپنی طرف سے شروعات کریں گے، کس میں؟ نعمت دینے میں! اذکار ماثورہ میں یہ ہے "اللھم یا مبدی النعم قبل استحقاقھا" اے وہ پروردگار جو اپنی طرف سے نعمت دینے میں شروعات کرتا ہے حالانکہ کسی کا کوئی حق اس پر ہے ہی نہیں! سب کچھ اللہ کا ہے، اس کے باوجود نعمت دینے میں اپنی طرف سے شروعات کرتے ہیں، تو نعمت کے جواب میں کیا کرنا چاہئے؟ نبیوں کا طریقہ الگ ہے، دنیا والوں کا طریقہ الگ ہے، دنیا والوں کا طریقہ یہ ہے کہ جتنی نعمتیں آویں انکی محبت بڑھ جائے گی، اور نعمتوں سے فائدہ اٹھانا، ان کو جمع کرنا یہ دنیا داروں کا کام ہے، نعمتوں کی وجہ سے ان کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے؟ وہ انھیں یاد نہیں رہتا، نعمتوں نے انھیں غافل کر دیا ہے، وہ اللہ کے حق سے جاہل ہو گئے، حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ نعمتوں سے چوکنا رہو، جیسے گناہوں سے چوکنے رہتے ہو، کیونکہ نعمتوں کا اثر پڑتا ہے، یہ فرماتے تھے، نعمتوں سے چوکنے رہو "احتفظ نفسك من النعمة احتفاظك من المعصية" کہ نعمتوں سے ایسے چوکنے رہو جیسے گناہوں سے چوکنے رہتے ہو، کیوں کہ نعمتیں اللہ کو بھلا دیں گی، تو انسان اللہ کو اور آخرت کو بھول جاتا ہے.

جیسے قارون اللہ کو بھول گیا، اور آخرت کو بھی بھول گیا، قارون کو مال دے کر اللہ نے

فرمایا: ﴿وَابْتَغِ فِيْمَا اٰتٰکَ اللّٰہُ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ وَلَاتَنْسَ نَصِیْبَکَ مِنَ الدُّنْیَا وَ اَحْسِنْ کَمَا اَحْسَنَ اللّٰہُ اِلَیْکَ﴾ ہدایت مال کے ساتھ نہیں آئی، تجھ کو اللہ نے مال دیدیا ہے، اپنی آخرت بنالینا، یعنی کاموں کو پورا کرنا! تا کہ آخرت بنے...... یہ نعمتوں کا وظیفہ بتایا، نعمتوں کی ڈیوٹی بتائی، نعمت جس کو ملے وہ اپنی آخرت بناوے.... اس لئے نعمت دی ہے، تو اس کے لئے یہ ہدایت دی تھی کہ اپنی آخرت بنانا، اپنا حصہ مت بھول جانا، نہیں تو نعمت میں لگا رہے گا۔

آخرت کا فکر:

جو آخرت کو بھول جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے، پھر اللہ اس کو سزا دیتے ہیں، کیا سزا دیتے ہیں؟ سزا یہ دیتے ہیں کہ وہ جس طرح اللہ کو بھول گیا ہے اپنے آپ کو بھول جائے گا، مجھے کیوں پیدا کیا تھا؟ مجھے کیا کرنا ہے؟ میری کیا روش ہونی چاہئے؟ مجھے کہاں جانا ہے؟ یہ اپنے آپ کو بھولا ہوا ہے، جیسے نشے والا شخص اپنے آپ کو بھول جاتا ہے، ﴿وَلَاتَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ نَسُوْا اللّٰہَ فَاَنْسَاھُمْ اَنْفُسَھُمْ﴾ یہ جواب ہے کہ ایسے نہ ہو اللہ کو بھول جاؤ، اگر اللہ کو بھول جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری ذاتوں کو تم سے بھلا دینگے.... پھر نعمت کا نشہ چڑھ جائے گا، تاجر کو تجارت کا..... مالدار کو مالداری کا...... زمیندار کو زمینداری کا...... عہدے دار کو عہدے داری کا...... غرور پیدا ہو جائے گا، اور وہ دھوکہ کھائے گا، دنیاداروں کا یہی طریقہ ہے، یہ لوگ نعمت کی بڑھوتری میں لگ جاتے ہیں، یہ نہیں سوچتے کہ یہ تمام چیزیں مجھے کیوں دی ہیں؟ یہ نعمت مجھے کیوں ملی ہے؟ مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہیں؟ فوجوں کو گاڑیاں دیتے ہیں، سہولتیں دیتے ہیں، ہتھیار دیتے ہیں، گھوڑے دیتے ہیں...... ہر حکومت میں بہت بڑا خرچ فوج پر ہوتا ہے، وہ کیوں؟ ان کو سہولت دینے کیلئے؟ نہیں! بلکہ ان کے ذمہ ہے حدود کی حفاظت..... اس ذمہ داری کو پورا

کرنے کے لئے سارا سامان ان کو دیا ہے، انھیں شکار کرنے کے لئے گھوڑے نہیں دیئے ہیں......انہیں بندوق شکار کرنے کیلئے نہیں دی ہیں..... ہوا کھانے کیلئے نہیں دی ہے، کام کیلئے دی ہیں.....ایسے ہی ایمان والوں کے ذمہ دنیا میں ایمان کا کام ہے ایمان کے حدود، ایمان کی سرحدیں، ایمان کے حقوق ان کی حفاظت کرانے کے لئے ان کو یہ ساری نعمتیں دی گئیں ہیں۔

دنیا والے نعمتوں میں اپنی خواہشیں پوری کرتے ہیں، اور دین والے اللہ کو راضی کرنے کی فکر کرتے ہیں، یہ نبیوں کا طریقہ ہے، جیسے اللہ نے قارون سے فرمایا: ﴿وَابْتَغِ فِيْمَا اٰتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَ أَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ﴾ کہ ہم نے نعمت دی ہے آخرت بنالے، اس نے نہیں بنائی، تو آخرت بھی گئی، یہ خالی قارون کے لئے نہیں ہے، یہ سب کیلئے ہے، یہ فرمان قرآن میں اس لئے نازل ہوا تا کہ قیامت تک پڑھا جائے، اور عمل کیا جائے، یہ قیامت تک کے لئے رہبری ہے۔

مسنون دعاؤں میں رہبری ہے:

حضور ﷺ سے جو مسنون دعائیں وارد ہیں ان میں ہمارے لئے بہت رہبری ہے.....خالی وہ دعا نہیں ہے، بلکہ ان میں رہبری ہے.....نعمت میں کیا کرنا چاہئے "اَللّٰهُمَّ مَا رَزَقْتَنِي مِمَّا أُحِبُّ فَاجْعَلْهُ قُوَّةً لِي فِيْمَا تُحِبُّ" [الدعاء للطبرانی/ ۴۱۴] کہ وہ چیز جو آپ نے میرے من پسند دی ہے وہ آپ کا احسان ہے، اب مجھے یہ بھی توفیق دے کہ اس نعمت سے تیری رضامندی میں تیری خوشنودی میں مجھے طاقت ملے، نعمتوں میں شکر گزار بنو! اور نعمت دینے والے کا حق ادا کرو، رسول ﷺ سے یہ پوچھا گیا کہ آپ تو اللہ کے بخشے بخشائے بندے ہیں آپ پر کچھ نہیں ہے.....پھر بھی آپ اتنی عبادت

کرتے ہیں..... آپکے پاؤں مبارک پر ورم آتا ہے، تو اتنی محنت آپ کیوں کرتے ہیں؟ تو کیا جواب دیا!!! یہ جواب، ''افلا اکون عبدا شکورا'' کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ جب اس نے مجھے اتنی عزت بخشی ہے...... کہ مجھے بخشا بخشایا بنادیا تو میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں!!! اس لئے یہ عبادت شکر گزاری میں ہو رہی ہے یہ نعمت دینے والے کا حق ہے، اسلیۓ اعلیٰ درجہ کی اطاعت یہی کہی جاتی ہے...... علماء نے لکھا ہے کہ اعلیٰ درجہ کی اطاعت یہ ہے کہ شکر گزاری کی نیت سے کام کرے، کہ اللہ نے مجھے یہ نعمت دی ہے تو میں اس نعمت سے وہ کام کروں گا جس سے میرا اللہ مجھ سے راضی ہو جائے۔

مخصوص ثواب:

شکر گزار بندوں کا یہ مخصوص ثواب ہے کہ اللہ کی نعمتوں میں وہ شکر گزار ہوتے ہیں..... کہ مال کو وہاں خرچ کرتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کا حق ہے..... یہ شکر گزاری ہے، ایک صحابیؓ کے پاس حضور ﷺ کا آدمی آیا کہ آپ کے پاس مال ہے..... ان کے پاس اونٹ بکریاں تھیں، یہ عرب کا مال ہوتا تھا، جیسے اب پٹرول سونا چاندی ہوتا ہے، یہ پٹرول سونا اس وقت نہیں تھا، لوگوں کا مال ان کے مویشی اور جانور ہوتے تھے ''مال العرب الماشية'' یہ کہا جاتا تھا کہ عرب کا مال ان کے جانور ہیں ہزاروں بکریاں ہوتی تھیں.... آج بھی ایسا ہی ہے، آپ یمن جائیں گے، شام جائیں گے، تو دیکھیں گے کہ آدمی ہزاروں بکریوں کا مالک ہے اور یہی ان کا مال ہے، سینکڑوں اونٹ جنگل میں چرتے ہیں، ان کے بچے کچے ہوتے ہیں، بڑھتے ہیں تو ان پر زکوٰۃ آتی ہے..... جیسے سونے چاندی کی زکوٰۃ ہے، اب تو لوگ زکوٰۃ بھی پوری نہیں دیتے..... اگر ہر مسلمان اپنی پوری پوری زکوٰۃ نکالے تو غریبوں کی غریبی دور ہو جائے گی...... پھر غریبی کا مسئلہ نہ رہے، غریبوں کی غربت کے لئے جتنی حاجت تھی، اتنی حاجت اللہ نے واجب کی ہے، لیکن لوگ پوری

زکوٰۃ نہیں دیتے۔

زکوۃ کی دعوۃ:

حضور ﷺ زکوٰۃ دینے کی دعوت دیتے تھے......اس لئے خالی دعوت پانچ کاموں کی مت سمجھو! پانچ کام تو الف، ب، ت، ث، ہیں، پرائمری تو آگے ہے، ابتداء تو لوگوں میں رغبت پیدا کرنے کے لئے.....آخرت کی فکر پیدا کرنے کے لئے ہے، آگے پورا دین ہے.....دین اعمال کے مجموعہ کا نام ہے.....اس میں عبادت بھی ہے، اس میں مالیات بھی ہے، سب چیزیں ہیں، وہ زندگی میں لانا ہے، یہ خالی پھرنا نہیں ہے، پھرنا بھی اسی لئے ہے کہ بات سمجھ میں آوے......بات کا یقین آوے، خوف آوے، تاکہ صحیح کام کریں، اس لئے اس کو آخری نہیں سمجھنا، کہ یہ فائینل ہے.....مولانا الیاسؒ فرماتے تھے کہ ہمارے قافلوں کی نقل وحرکت یہ تو ہمارے کام کی الف، ب، ت، ہیں، اور بہت سے فرائض باقی ہیں، اگر وہ پورے نہیں تو اس کا حساب دینا پڑے گا، چاہے جماعت والا ہو، چاہے بے جماعت والا ہو، اللہ کی رشتہ داری کسی سے نہیں ہے، مولانا الیاس صاحبؒ یہ فرماتے تھے کہ میری تمنا یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنی زکوٰۃ پوری پوری ادا کرے، علماء سے پوچھ پوچھ کر ادا کرے، کتنے مال میں زکوۃ ہے؟ کب ہے؟ کسکو دینا ہے؟ مگر اب زکوۃ کا شوق نہیں ہے.....زکوۃ کا جذبہ نہیں ہے.......

حج بھی بہت کریں گے، عمرے بھی کریں گے، حالانکہ حج پوری عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے، اور زکوۃ ہر سال فرض ہے، مگر ہر سال حج کریں گے، اور زکوۃ ادا نہیں کریں گے، اس جذبہ کا نام دین نہیں ہے......حج کا جذبہ، عمرہ کا جذبہ، بہت مبارک، مگر جو فرائض رہ جاتے ہیں انکا کیا ہوگا؟ وہ تو اللہ تعالی کا حق ہے، اور مسکینوں کا حق ہے،

وہ حق مارا گیا.

زکوۃ ادا کرنا صاحب زکوۃ کی ضرورت ہے:

کتنی کتنی لائینوں کی زکوۃ ہے ......علماء سے پوچھو! صرف کیش پر زکوۃ فرض نہیں ہے،لوگ صرف کیش کی زکوۃ دیدیتے ہیں، یا مدرسہ کا کوئی سفیر چندہ کے لئے آجاتا ہے اسکو دیدیتے ہیں حالانکہ یہ بڑی غلطی ہے.....لوگ اپنی زکوۃ کو......اپنے صدقہ کو غریب کی ضرورت سمجھتے ہیں،غریب کی ضرورت نہیں ہے بلکہ آپکی ضرورت ہے، مالدار کی ضرورت ہے، جیسے دھوبی سے کپڑے دھلوائے جاتے ہیں تو وہ دھوبی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہماری ضرورت ہے......تاکہ ہمارے کپڑے پاک ہوں......اسی طرح زکوۃ دینے سے ہمارا مال پاک ہو جائے گا......جس مال کی زکوۃ نکلی نہیں وہ مال ناپاک ہے، اسمیں میل ہے.....لوگوں کا حق ہے.....مالدار لوگ زکوۃ نہ دینے کی وجہ زکوۃ کا مال کھاجاتے ہیں......یہ اللہ کا حق ہے.

عمروں کا شوق......حجوں کا شوق مبارک ہے، مگر اس طرح ذمہ داری پوری نہ ہوگی بلکہ شوق پورا ہوگا، ثواب ملے گا میں اس سے انکار نہیں کرتا، لیکن زکوۃ نہ دینے کا بھی بڑا عذاب ہے.

پورے مال کی زکوۃ واجب ہے:

پائی پائی کی زکوۃ ایسے ہی واجب ہے جیسے نماز میں چار رکعتیں ہیں، تو ہر رکعت فرض ہے، یہ نہیں کہ تین پڑھ لیں اور ایک رہ گئی، اس طرح نماز نہ ہوں گی......مال نعمت ہے، اس میں حق ہے، اگر انسان کا ایمان تازہ ہوتا ہے تو اس حق کو خوشی خوشی ادا کرتا ہے، کہ اللہ نے مجھے مال دیا ہے، اگر اللہ تعالی غریب بنادیتا تو دوسروں کی زکوۃ وخیرات کھانا پڑتی،

آج اللہ نے مجھ کو مال دیا ہے، تو میں اللہ کا حق ادا کروں گا..... یہ کہا گیا ہے کہ خوش دلی سے زکوۃ دے۔

زکوۃ ادا کرنے میں صحابہ کا جذبہ:

ایک صحابی کے پاس زکوۃ وصول کرنے والا آیا، تو انہوں نے جانوروں کی زکوۃ کا حساب لگا کر بتایا کہ آپ پر اتنے عمر کا اونٹ واجب ہے..... تو ان صحابی نے کہا کہ جس عمر کا اونٹ آپ مجھے بتا رہے ہیں وہ چھوٹی عمر ہے، وہ کیا کام دے گا؟ میری رائے کہ اچھی عمر کی اونٹنی لے جایئے! حضور صلی اللہ علیہ وسلم زکوۃ مجھ سے وصول کر کے کسی غریب ہی کو دیں گے...... اگر آپ اچھی عمر کی اونٹنی لے جائیں گے تو وہ دودھ دے گی، کسی غریب کا بھلا ہو جائے گا...... یہ صحابہ کا جذبہ تھا کہ جتنا واجب ہے اس سے زیادہ لے لیجئے..... چونکہ شریعت کا معاملہ ہے، تو انہوں نے کہا کہ فرض میں زیادتی نہیں ہوتی، جتنا واجب ہے اتنا ہی ادا کیا جائے گا..... مغرب میں تین رکعت ہیں تو چوتھی نہیں...... فجر میں دو رکعت فرض ہیں تو دو ہی پڑھی جائیں گی تیسری نہیں...... اس لئے جو واجب ہے اس سے زیادہ نہیں لے سکتا، یہ فرض ہے۔

صحابہ احکامات سے واقف تھے:

صحابہ شریعت سے اچھی طرح واقف تھے، مسائل کو بھی جانتے تھے، فضائل کو بھی جانتے تھے..... ہماری طرح سے نہیں تھے، فضائل تو یاد ہیں مسئلہ یاد نہیں ہے، تو عمل غلط ہوگا..... فضیلت نہیں ملے گی، فضیلت اس وقت ملے گی جب عمل کو صحیح کریں گے، اور عمل صحیح کرنے کے لئے مسائل جاننا ضروری ہے، پھر مسائل اور فضائل دونوں جمع ہو جائیں گے...... مسائل صحیح ہوں گے پوری فضیلت ملے گی، مولانا یوسف صاحبؒ اس کی تاکید کرتے تھے کہ اپنے پاس اپنے فضائل اور مسائل جمع کرو، اب وہ بات نہیں کہی

جاتی اس لئے لوگ مسائل سے بے خبر ہیں...... عمل اسلئے سیدھے ہوتے ہیں۔

صاحب زکوٰۃ کا زیادہ دینے پر اصرار:

وہ مسائل سے واقف تھے کہ میں زیادہ نہیں لے سکتا، یہ فرض ہے، فرض میں زیادتی کرنے کا حق بھی نہیں ہے، کمی کرنے کا بھی حق نہیں ہے، نصیباً مفروضا کہ ایک حصہ مقرر کیا ہوا اس میں کم زیادہ نہیں...... انھوں نے کہا میں خوشی سے دے رہا ہوں! آج مجھے اللہ نے مال دیا ہے، آج اللہ کے نبی ﷺ کا آدمی میرے پاس زکوٰۃ وصول کرنے آیا میری سعادت ہے، انھوں نے کہا پھر بھی نہیں، اگر آپ کو اصرار ہے تو رسول ﷺ کا قیام یہاں قریب میں ہے وہاں چلو! وہیں مسئلہ رکھو! اگر حضور ﷺ منظور فرماویں، تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے، ورنہ مجھے زیادہ لینے کا حق نہیں ہے۔

مسئلہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں:

سب مسائل والے تھے، سنت شریعت پر عمل کرنے والے تھے..... اور مسئلہ جانتے بھی تھے، مسئلہ بتاتے بھی تھے، مگر دونوں گئے، اور جا کر پورا ماجرا عرض کیا، کہ یہ ہوا، حضور ﷺ نے بھی وہی بات فرمائی کہ آپ کے اوپر فرض تو یہی ہے، کیوں کہ نبی کو گھٹانے بڑھانے کا حق نہیں ہے، وہ تو اللہ کی طرف سے آتا ہے، آپؐ نے فرمایا کہ فرض تو یہی ہے، اس سے زیادہ نہیں، صحابی نے کہا میں خوشی سے پیش کرتا ہوں، تو فرمایا کہ ٹھیک ہے میں قبول کرتا ہوں، مگر یاد رکھنا کہ فرض وہی ہے..... تمہارے اخلاص کی وجہ سے ہم اسے قبول کر لیتے ہیں، اور دعا دی، یہ مخلص کہلاتے ہیں..... یہ ایمان کی بات ہے۔

داؤد و سلیمان علیہما السلام کی بادشاہت:

اگر ایمان تیار ہوتا ہے..... تو انسان اپنی ذمہ داری خوشی خوشی پوری کرتا ہے، اللہ

نے مجھے موقع دیا ہے..... یہ نبیوں والا طریقہ ہے، اپنی نعمتوں میں نعمت دینے والے کا حق ادا کرنا، اور خوشی خوشی سے ادا کرنا، حضور ﷺ شکر میں نماز پڑھ رہے ہیں، کہ مجھے بخشا بخشایا بنایا، اس لئے اب اس کی عبادت میں ایسے کرونگا کہ وہ مجھ سے راضی ہو جاوے.....اللہ نے داؤدؑ اور سلیمانؑ ۔ باپ بیٹے ۔ دونوں کو بادشاہ بنایا، اور بادشاہت بھی دونوں کی عجیب ہے، سلیمانؑ کی بادشاہت مشہور ہے، اللہ تعالیٰ نے پوری دنیا پر ان کو بادشاہت دی، جناتوں پر..... پرندوں پر..... ہواؤں پر.....ایسی بادشاہت کسی کو نہیں ملی، داؤدؑ ان کے باپ ہیں، اللہ نے ان کو بادشاہ بنایا، بنی اسرائیل کا ایسا بادشاہ کوئی نہیں گزرا، نبی بھی ہیں اور بادشاہ بھی ہیں، اور بنی اسرائیل کے ایسے بادشاہ ہیں کہ سارے بنی اسرائیل ان کی بادشاہت پر متفق ہو گئے تھے.....ورنہ بنی اسرائیل کبھی نبیوں پر متفق نہیں ہوتے تھے، ہمیشہ نبیوں سے کھینچ تان ان کی رہتی ہے، اس کی سزا بھی پاتے رہتے تھے داؤدؑ کی بادشاہت کا نمبر تھا، تو بنی اسرائیل متفق ہو گئے، یہی کتابوں میں لکھا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے داؤدؑ کو بادشاہت دی، اور نعمتیں دیں، تو ان نعمتوں کے جواب میں وہ کیا کرتے تھے؟؟؟ حدیثوں میں ہے کہ زبور کی تلاوت کرتے تھے، زبور کی تبلیغ کرتے تھے، اور ایک دن روزہ رکھتے تھے، ایک دن افطار کرتے تھے، اور راتوں کی عبادت کے لئے اوقات اور گھڑیاں مقرر کر رکھی تھیں، اس گھڑی سونا.....اس گھڑی میں اٹھنا..... عبادت کرنا...... کیوں؟ اس لئے کہ نعمتیں بہت ہیں، اور اللہ کا تقاضا بھی تھا کہ ﴿اِعْمَلُوْا آلَ دَاوٗدَ شُکْرًا وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ﴾ [سبا/۱۳] اے داؤدؑ کے خاندان والوں اپنی کارگزاریاں شکر والی بناؤ! قرآن پاک پڑھیں آپ کی رہبری کرے گا، میرے بندوں میں شکر گزار بہت تھوڑے ہیں، یہ شکایت ہے، رپوٹ اللہ کی ہے......کہ میرے بندوں میں شکر گزار بہت تھوڑے ہے۔

شکر گزار بندے کم ہیں:

شیطان جب مردود ہوا، اور اللہ نے اسے نکالا، وہ یہ کہہ کر اترا ہے...... میں تیرے بندوں کو ایسا بہکاؤں گا کہ شکر گزار تھوڑے رہ جائیں گے، ﴿وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِيْنَ﴾ قرآن کی آیتیں ہمارے لئے ہدایت ہیں.....ہم کو چوکنا کرتی ہیں..... یہ دعوت اسی لئے ہے، یہ محنت اسی لئے ہے...... کہ یہ چیزیں زندگیوں میں آویں، اور زندہ ہو جاویں، تو یہ شیطان کا اللہ کے سامنے چیلنج تھا۔

شیطان مردود کا چیلنج:

یہ اس کی جرأت ہے کہ مردود ہونے کے بعد اس نے یہ کہا کہ میں آدم کی اولاد کو ایسا بہکاؤں گا انکے مالداروں کو اسراف میں ڈالوں گا.....اور اسراف سے تبذیر پر جائیں گے، اسراف کہتے ہیں ضرورت سے زیادہ خرچ کر دینا، پانچ روپیہ سے کام بنتا ہے پھر بھی پندرہ روپئے لگائے..... یہ اسراف کہلاتا ہے، ضرورت تو تھی لیکن پانچ سے پوری ہو جاتی، لیکن دس اور بڑھادی، یہ شیطان کی چال ہے، حدیثوں میں ہے کہ مالداروں کو اسراف سکھایا، جب ان کے مالوں میں اسراف آئے گا تو انکے مالوں کی برکت اڑ جائے گی، یہ مسرف ہیں، اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا..... یہ ضرورت سے زیادہ خرچ کرتے ہیں۔

ایک برائی دوسری برائی پر لے جاتی ہے:

پھر ایک بدی دوسری بدی کی طرف کھینچ لے جاتی ہے.....ایک نیکی دوسری نیکی کی طرف لے جاتی ہے، یہ قاعدہ ہے.....میری بات سمجھ میں آ رہی ہے؟؟؟ ''الحسنات أخوات، والسیئات أخوات'' یہ کتابوں میں لکھا ہوا ہے، کہ نیکیاں آپس میں بہنیں ہوتی ہیں، اور بدیاں بھی آپس میں بہنیں ہوتی ہیں، یہ مثال کے طور پر سمجھایا ہے، کہ ایک

سے رشتہ ہے ایک بہن نکاح میں ہے، ظاہری بات ہے دوسری بہن ملنے کے لیے آئے گی۔ کہ یہاں میری بہن ہے، ایک بدی سے رشتہ ہو گیا، دوسری بدی اس کی بہن ہے، وہ بھی آئے گی، ایک گناہ میں تھا، دوسرا گناہ آ جائے گا..... ایک نیکی پر تھا، دوسری نیکی آئے گی، کہ آدمی نے وضو کیا ہے، تو دو رکعت تحیۃ الوضو پڑھے گا..... ایک نیکی وضو کی تھی، وہ نیکی تحیۃ الوضو پر لے گئی، سنت ہے، کہ وضو کیا ہے، دو رکعت نماز پڑھ لو، وضو کا حق یہی ہے، پھر تحیۃ الوضو پڑھنے کے بعد دعا مانگے گا یہ تیسری نیکی ہوئی، کہ وضو بھی کیا دو رکعت نماز بھی پڑھی، دعا بھی مانگی۔

نیکیوں سے رشتہ جوڑوں:

اس طرح نیکی آتی رہے گی..... اگر گناہ اور بدی سے رشتہ جوڑا تو اس کی بہنیں ہیں، وہ آئیں گی..... تو اسراف زندگیوں میں آیا، اس کی بہن دوسری ہیں، وہ کیا؟ تبذیر... ﴿إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوْا إِخْوَانَ الشَّيَاطِيْنِ﴾ یہ تبذیر ہے..... کوئی ضرورت نہیں، صرف شوق ہے، کہ راستہ شیطان نے کھولا ہے، تاکہ اللہ کی شکر گزاری نہ ہو، اور نبی نے وہ راستہ کھولا تھا کہ کوئی اسراف نہ کرے، بلکہ مال کو نعمت سمجھ کر خرچ کرے، حق پر خرچ کرے، حق ادا کرے، اور خیر کماوے، حکم پر لگاوے، حق پر لگاوے۔

ہر جگہ اسراف ہے:

آج دنیا میں ہر جگہ اسراف ہے..... بازاروں کو دیکھ لو..... شادیوں کو دیکھ لو..... کھانوں کو دیکھ لو..... کپڑوں کو دیکھ لو..... سواریوں کو دیکھ لو..... یہ سب ہم مسلمانوں میں ہیں، اس لئے ہماری مالی حالت کمزور ہو گئی ہے، اور غریبوں کا حق ادا نہیں ہو رہا ہے، اس لئے ان مالوں میں برکت نہیں ہے، اور برکت کی علامت یہ ہے کہ آدمی اپنے مال سے آخرت بناوے..... جب آخرت نہیں بنی تو یہ بے برکت ہے، جیسے قارون سے کہا

کہ آخرت بنالے! تو جس نعمت سے آخرت نہ بنے وہ بے برکت ......وہ بس صرف غافل کرنے کے لئے اور گنہگار بنانے کے لئے ہے، اس میں کوئی برکت نہیں ہے، عداوتیں ہوتی ہیں، حسد ہوتا ہے، یہ بے برکتوں کے سارے جھگڑے ہیں۔

نعمتیں وہاں خرچ کریں جہاں اللہ راضی ہو:

میں نے کہا کہ نبیوں کا طریقہ نعمتوں کے بارے میں یہ رہا کہ نعمتوں کو وہاں خرچ کرو جہاں نعمتیں دینے والا راضی ہو جاوے......تو داؤدؑ و سلیمان نے اپنی نعمتوں میں اپنے آپ کو ایسا چلایا......کہ ایک دن روزہ رکھتے تھے ایک دن افطار کرتے تھے، اور مزدوری سے کما کر کے کھاتے تھے، یہ حدیثوں میں ہے......حالانکہ وہ بادشاہ ہیں، ان کے پاس بیت المال ہے......خزانہ ہے، ان میں سے نہیں لیتے تھے، اجتماعی مال میں سے نہیں لیتے تھے، اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے، داؤدؑ لوہے کا کام کرتے تھے، زکریاؑ لکڑی کا کام کرتے تھے، اس سے آمدنی ہوتی تھی، اس آمدنی سے کھاتے تھے، حدیثوں میں ہے "کان یأکل بعمل یده" داؤدؑ اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے، مال ان کے پاس ہے......خزانہ ان کے پاس ہے......چابیاں ان کے پاس ہیں، مگر اجتماعی مال سے نہیں لیتے تھے، اپنے ہاتھ کی محنت اور ہاتھ کی مزدوری سے کما کر کھاتے تھے......یہ سب رسول ﷺ فرماتے تھے۔

نعمتوں میں کیسے رہنا ہے؟

بھائیو!

یہ سبق ہے...نعمتوں میں شکر گزار بننا ہے......اور شکر گزاری کا مطلب یہ ہے کہ اس کا حق ادا کرنا ہے، دنیا دار الحقوق ہے، اور آخرت دار الاجور ہے، یہ ترتیب ہے، دنیا میں حقوق کی ادائیگی ہے.... یہاں حقوق آویں گے، سب سے پہلے اللہ کا حق ہے، اس کے رسول کا حق ہے.....اس کی کتاب کا حق ہے..... پھر آپس کے حقوق ہیں......تو دنیا

حقوق ادا کرنے کیلئے بنی ہے..... اللہ کے حقوق تھوڑے ہیں، بندوں کے حقوق زیادہ ہیں، اللہ کے حقوق پچیس فیصد اور بندوں کے حقوق پچہتر فیصد، اللہ نے آسانی کی..... زیادہ حقوق نہیں رکھے، کیوں؟ اس لئے کہ بندے کمزور ہیں، وہ پیدا کرنے والا ہے، ﴿وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفاً﴾ [النساء/ ۲۸] یہ کمزور پیدا ہوا ہے، تو اللہ نے اپنے حقوق کا بوجھ کم کر دیا، ﴿يُرِيْدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ [البقرہ: آیت: ۱۸۵] اللہ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے، دشواری کا ارادہ ہی نہیں ہے، اس لئے اپنے حقوق تھوڑے رکھے، اور اس میں معافی کی گنجائش بھی رکھی، میرا اپنا حق ہے، وہ معاف کر دوں گا، ہماری فقہ کی کتاب "هدايه" ہے، علمائے کرام پڑھاتے ....اور پڑھتے ہیں، چار جلدیں ہیں، پہلی جلد طہارت سے شروع ہو کر کے حج پر ختم جائے گی، یہ اللہ کا حق ہے......پھر دوسری شروع ہوگی، وہ نکاح سے لے کر میراث تک ہے.....اور وہ تین جلدوں میں ہیں...... نکاح، وصیت اور میراث وغیرہ تین جلدوں میں ہے، اس لئے کہتے ہیں کہ ۲۵ فیصد اللہ کا اور ۷۵ فیصد تمہارا اپنا حق ہے، یہ دین ہے۔

حقوق میں انصاف اور احسان کا حکم ہے:

ان حقوق میں انصاف کے ساتھ رہو! جسکا جو حق ہے ادا کرو! اور اپنی طرف سے احسان بھی کرو! تو تمہارے ساتھ اللہ احسان کریں گے..... یہ انصاف سکھایا، احسان سکھایا، اور ایک ایک حق کی ذمہ داری دی، کہ حق ادا کر کے دنیا میں رہو، حقوق ادا کرو گے تو خوشحال رہو گے، حضرت شیخ زکریا کی آپ بیتی ہم مدرسہ والوں کی رہبری کرتی ہے، کہ مدرسہ والو! مدرسہ میں مدرسہ کا حق ادا کرو! مدرسہ کے بارے میں پورے محتاط رہو، انشاء اللہ خوشحال رہو گے، یہ ہدایت سب کے لئے ہے، جن جن کے جو حقوق ہیں ان کی ادائیگی میں رہیگا خوش حال رہیگا، تو مدرسہ والوں سے کہتے تھے کہ حقوق کی ادائیگی میں

پوری امانت داری سے رہو، تو مدرسہ کا کام امانتداری سے کرو! خوشحال رہو گے، اللہ تعالیٰ راضی ہو کر نعمتیں اور دے گا، دنیا میں حق پہچان کر رہنا ہے، اور سب سے پہلا حق اللہ کا ہے، اسکی عبادت کا حق ہے، ایمان لا کر اللہ کی عبادت کرنی ہے.....جان مال کو حکموں پر لگانا ہے.... مالی عبادتیں جانی عبادتیں یہ اللہ نے فرض کی ہیں، یہ عبادتیں پوری پوری ادا ہو جائیں۔

اللہ کے حقوق:

حضور ﷺ فرائض کی دعوت دیتے تھے، نماز کی.....روزوں کی.....زکوتوں کی..... حجوں کی......یہ اللہ کے حقوق ہیں، اسے سیکھ کر اور یاد کر کے اللہ کی عبادتیں کی جائینگیں یہ اللہ کا حق ہے، معاذ بن جبلؓ سے حضور ﷺ نے یہ فرمایا کہ معاذ تمہیں معلوم ہے اللہ کا کیا حق ہے؟ معاذ بن جبل نے کہا: میں کیا جانوں؟ اللہ کے رسول بتادیں گے. آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا حق یہ ہے، کہ اس کی عبادت کی جائے....... اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا جائے...... یہ پہلا حق ہے! اس لئے مسلمانوں کے مال.....مسلمانوں کی جانیں سب اللہ کی عبادت پر لگے، اسکے کلمہ کو پھیلانے پر لگے، یہ اللہ کا حق ہے، کہ عبادت جب زندہ ہوں گی اور اسکا کلمہ بلند ہوگا، دین بلند ہوگا، تو ارکان زندہ ہو جائیں گے، اور دین بلند نہیں ہوا، تو ارکان مٹ جائیں گے، امت میں جہالت پھیل جائیگی، ایسے بھی لوگ ہیں جنہوں نے برسوں نماز نہیں پڑھی ہے، جماعت میں پھرو تب پتہ چلے گا.......ہمارا ایک ملنے والا تھا انتقال کر گیا، زمیندار آدمی تھا، اپنی زمینوں میں مست تھا......تبلیغ والے جاتے تھے ملاقاتیں کرتے تھے، تو ان پر خفا ہوتا تھا، کہ یہاں روزانہ آتے ہو رہبر کو دھمکاوے، یہاں لوگوں کو لاتے ہو؟؟؟؟، اس زمانے کے ساتھی بھی بہت پکّے ہوتے

تھے، کوئی دھمکا وے کوئی کچھ کہے اپنا کام کریں گے، اپنے کو چھوٹا بنا کر کام کرتے تھے.....
کہ اللہ کا بندہ ہوں اللہ کا کام کرتا ہوں، اور یہی اللہ کو پسند ہے، یہ نہیں کہ میں ذمہ دار
ہوں، مولانا انعام الحسنؒ اکثر یہ فرماتے تھے چھوٹے بن کر کام کرو! چھوٹوں پر ہاتھ
شفقت کا رکھا جاتا ہے، جیسے چھوٹا بچہ ہے، اس پر ہر کوئی شفقت کا ہاتھ رکھے گا، کیوں کہ وہ
چھوٹا ہے، وہی پسند کیا جاتا ہے، جھکاؤ پسند ہے، تو رہبر لے جاتے تھے اور وہ اپنا مست
ہیں...... مالدار ہیں، زمیندار ہیں، اللہ کی شان! ایک دفعہ دو دفعہ جب بار بار لیکر جاویں تو
ایک بار جھنجھلا کر کہا چلو پیچھا نہیں چھوڑتے..... چلو چلیں، تو گرمی کا زمانہ تھا کرتا لٹکا رکھا
تھا، کرتا کندھے پر ڈالا جماعت کے ساتھ مسجد چلا گیا......اس کے بعد اسکی زندگی بدل
گئی، مجھے کہنے لگے تیس برس پہلے جب میں بچہ تھا تو میں نے قرآن پڑھا تھا، تیس برس
میں نے قرآن نہیں پڑھا...... یہ خود ہمارے ساتھ بیٹھتے تھے، اس لئے تعلق ہو گیا، کہ تیس
برس ایسے گزرے ہیں کہ قرآن شریف کو دیکھا ہی نہیں۔

قرآن کا حق ادا کریں!

یہ بڑا ظلم ہے جنکی ہدایت کیلئے کتاب اتری ہے انہوں نے اسکا بائیکاٹ کر رکھا ہے،
تیس سال ہو گئے ایسے لوگ ضدی ہوتے ہیں، جب اڑ جاتے ہیں تو اڑ جاتے ہیں، صحیح پر
اڑیں تو صحیح، غلط پر اڑیں تو غلط، پہلے غلط پر تھا اب صحیح پر آیا، تو کہنے لگا بس اب میں اڑ گیا،
اب روزانہ قرآن پڑھنے کی محنت کرتا ہوں....... حدیثوں میں ہے قرآن کی نگرانی کرو!
ورنہ سینوں سے ایسے نکل جائیگا جیسے اونٹ جنگل میں بھاگ جاتا ہے، پھر ہاتھ نہیں
آئیگا، مسلمانوں کو ہدایت دی کہ قرآن کی حفاظت کریں، تو اس شخص نے محنت سے پڑھنا
شروع کیا، محنت شروع کی، تو اس نے کہا کہ اب مجھے قابو ہو گیا، مجھ سے کہنے لگے روزانہ

دو پارہ میں پڑھتا ہوں، ہر مہینہ میں دو ختم ہوتے ہیں..... پھر اپنے بیٹے کو حافظ بنایا، پھر بیٹے کو عالم بنایا اس طرح اس محنت کے ذریعہ سے ذہن تبدیل ہوتے ہیں، اور لوگوں کی زندگیاں بدل جاتی ہیں۔

جان مال اللہ کے حق کے لئے دی گئی ہیں!

اسلئے پہلا حق اللہ کا ہے...... اللہ کی عبادت کا ہے...... اور اللہ تعالیٰ نے جان مال اسی لئے دی ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا حق ادا کیا جاوے، اس کے کلمہ کو پھیلانے پر سب سے زیادہ جان مال لگے، کیوں کہ مسلمان کی جان مال کا پہلا حق ہے کہ اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے اپنی جان مال لگاوے، تاکہ کلمہ بلند ہو.... تو ارکان زندہ ہونگے، نمازیں، روزے، زکوٰۃ، حج، اور اسکو صحیح کرنے کے لئے اس کا علم لوگوں میں آئیگا۔

علم کے بغیر عبادت صحیح نہیں ہوسکتی!

علم کے بغیر عبادت کیسے صحیح ہوگی؟ اسلئے مسلمان کے مال میں سب سے پہلا حق اللہ کے کلمہ کو پھیلانا، یہ صحیح ترتیب ہے، جیسے فوج کو.... پولیس کو...... جو سامان دیا جاتا ہے وہ ملک کیلئے دیا جاتا ہے، ان کے ذاتی کام کے لئے نہیں دیا جاتا..... انکے ذاتی کام کے لئے ہر انکو تنخواہ دی جاتی ہے، اور یہ سارا سامان ملک کے حقوق کے لئے دیا جاتا ہے. کیوں کہ فوج کے ذمہ خارجی حقوق ہوتے ہیں، اور پولس کے ذمہ داخلی حقوق ہوتے ہیں، ایسے امت کو...... ایمان والوں کو جو مال ملا ہے چاہے وہ سلطنتیں ملی ہوں، اور چاہے طاقتیں ملی ہوں...... وہ صرف اللہ کے کلمہ کیلئے ملی ہیں، یہ پہلا حق ہے، یہ تقاضہ ہے اللہ کا...... تاکہ کلمہ بلند ہو، ارکان اسلام زندہ ہوں..... زمین پر اللہ کی عبادت ہو، اللہ کے حقوق ادا ہوں۔

اللہ کے لئے جڑ جائیں!

مولانا الیاس صاحبؒ فرماتے تھے، لوگ جب اللہ پر جڑیں گے تو آپس میں جڑیں گے، اللہ پر ہی نہیں جڑے ہیں تو آپس میں بھی نہیں جڑیں گے، انکی زندگی میں خلفشار ہوگا، کیوں کہ اللہ پر ہی نہیں جڑے ہیں، جب اللہ ہی سے تعلق نہیں ہے، تو انکے آپس کے تعلق اپنے اغراض پر ہونگے، اپنی غرضوں کی وجہ سے ناراض ہوں گے...... اپنی غرضوں کیوجہ سے خوش ہونگے...... اپنی غرضوں کیوجہ سے حسد کیا جائے گا، اسلئے کلمہ کی دعوت ہے، ایمان کی دعوت ہے کہ لوگ اللہ پر جڑیں۔

قبر میں ذمہ داری کا سوال ہوگا!

موت تک ذمہ داریاں ہیں، جب قبر میں اترے گا ﴿ولاَ تَمُوْتُنَّ اِلاَّ وَ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ﴾ [تمہاری موت اس حال میں آوے کہ تم حکم ماننے والے ہو، مانتے مانتے مرجاؤ، یہ ذمہ داری بتائی ہے...... تو اسلئے مسلمانوں کا مال، جان سب سے پہلے اللہ کے کلمہ کے لئے ہو، جب مسلمانوں کے اسباب اللہ کے کلمہ پر لگیں گے، اسکے دین پر لگیں گے، تو اللہ تعالیٰ اپنے دین کی برکتیں انکے اسباب میں دیگا، اللہ کے دین میں برکتیں ہیں.... اللہ کے حکموں میں برکتیں ہیں.... بدلہ بھی ہے، لیکن کب؟؟؟ جب اپنے اسباب کو اللہ پر اسکے حکموں پر لگادیں گے، پھر انکے اسباب میں برکت دی جائیگی، انکے اسباب سے انکی آخرت بھی بنے گی انکی دنیا بھی بنے گی، اور یہ اپنے اسباب کو حکموں پر نہیں لگاویں گے، اسراف کریں گے، تو انکی برکتیں اللہ چھین لیتے ہیں، یہ لکھا ہے کتابوں میں، مال تو بڑھیگا لیکن برکت نہیں ہوگی۔

کثرت مال سے انسان آخرت سے غافل ہو جاتا ہے:

اس لئے جتنا مال بڑھیگا تو یہ شخص پھسل جائے گا.....اسی میں اللہ کو، آخرت کو، قبر کو، قیامت کو بھول جائیگا، یہی مال کا دھوکا ہے......اسکو غرور کہتے ہیں، کہ دنیا دھوکے کی جگہ ہے، جو اصلی چیز آنے والی ہے اسی کو بھول گیا، اس سے اللہ تعالی ناراض ہوتے ہیں، اور دیتے بھی بہت ہیں.....ناراض ہو کر بہت دیتے ہیں، وہ سمجھتا ہے، بہت آرہا ہے، کہ نہیں بلکہ یہ مال گرفتار کریگا، اسکی بہتات پکڑ کا سبب بنے گی....... پھر جب آگے نکل جاتا ہے، تو اللہ اچانک پکڑ کرتے ہیں، اور یہ مایوس ہو جاتا ہے، دنیا رہی نہیں، آخرت بنی نہیں، تو مایوسی کی حالت ہوگئی، ناراض ہو کر اللہ نے دیا ہے، برکت نہیں ہوتی، اور راضی ہو کر دینگے تو برکتوں کے ساتھ دینگے، تو دنیا بھی بنے گی آخرت بھی بنے گی۔

اللہ کا نظام الگ ہے:

یہ اللہ کا نظام ہے، علماء نے لکھا ہے، کہ اللہ تعالیٰ اسباب نہیں چھینے گا، جیسے حکومتیں لائیسنس چھین لیتی ہیں، حکومتیں یہی کرتی ہیں، مگر اللہ نہ دکان چھینے گا، نہ مال چھینے گا، بلکہ باقی رکھے گا...... ہاں! اسکی برکت چھین لیگا، پھر بے برکتی سے بندہ پھنس جائیگا، حق بھی ادا نہیں کریگا.....اپنے آپ کو بھی بھول جائیگا، اسلئے مسلمانوں کے جان مال میں پہلا حق اللہ کا ہے، اللہ کے کلمہ کو پھیلانا، تا کہ ارکانِ اسلام زندہ ہو جاویں، سب سے بڑا حق یہی ہے.....اسکو نصرت کہتے ہیں، دو چیزیں واجب ہیں، اپنے اندر استقامت پیدا کرنا، اور استقامت کا مطلب ہے دین کے کاموں کا پابند ہونا، جیسے ملازم ملازمت کا پابند..... اپنے وظیفہ کا پابند ہے، ایسے مسلمان اپنے دین پر استقامت کے ساتھ ہے، اور اللہ تعالی کی طرف سے یہی حکم ہے، ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ﴾ [سورہ

:ھود. آیت ۱۱۲] اے نبی آپ استقامت اور پابندی سے رہئیے، آپ بھی اور جو آپ کے ساتھ ایمان لائے ہیں وہ بھی...... تو جتنے نبی پر ایمان لانے والے ہیں سب نبی کے ساتھ پابند ہوتے ہیں، اسلئے اللہ کے نیک بندوں نے اپنی زندگی کو پابند بنایا...... ایک ایک حکم پابندی کے ساتھ...... اللہ کے راستہ میں نکلیں گے..... محنت کریں گے، تو پابندی ہونے کی استعداد پیدا ہوگی، استقامت کی طاقت پیدا ہوگی...... پھر پابند ہو جائیں گے، ہمارے ایک ساتھی اب تو بوڑھے ہو گئے، کہہ رہے تھے تیس برس ہو گئے کبھی مہینہ کے تین دن ناغہ نہیں ہوئے..... بارہ برس ہوئے کہ کبھی ہمارا گشت فوت نہیں ہوا...... پہلے تاریخ میں پڑھتے ہیں کہ سعید ابن المسیبؒ فرماتے تھے کہ تیس برس ہو گئے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں اذان سے پہلے مسجد نہ پہونچا ہوں..... تیس برس ہو گئے کبھی ایسا نہیں کہ میں نے امام کے سوا کسی نمازی کی پیٹھ دیکھی ہو!!! اسی سے تاریخ بنتی ہے، اسی سے سوانح بنتی ہے، کیوں کہ عمل مسلسل ہو رہا ہے، حضرت عمرؓ فرماتے تھے سعد بن وقاصؓ قادسیہ کی مہم پر جا رہے تھے دس ہزار فوج انکے ساتھ تھی، فرمایا یہ پورا مجمع تیرے ساتھ ہے.....دس ہزار آدمی ہیں...... انکو خیر کے کاموں کا عادی بنانا، تا کہ یہ خیر کے کاموں کے عادی بنیں، یہ نہیں کہ یہ آزاد ہو جاویں، ہم تو دعوت والے ہیں.....یہ والے ہیں.....اور وہ والے ہیں، اور ہو کچھ نہیں، یہ دھوکہ ہے۔

اللہ کے راستہ میں خیر کے کاموں کا عادی بنائیں:

اللہ کا راستہ اپنے آپ کو خیر کے کاموں کا عادی بنانے کیلئے ہے، اللہ کے راستہ میں ہم محنت کے بھی عادی بنیں، اور عبادت کے بھی عادی بنیں، خدمت کے بھی عادی بنیں، کیوں کہ جب چار چار مہینہ لگیں اور اچھے اعمال کا عادی نہیں ہوا تو اور کیا ہوگا؟

باجماعت نماز پڑھنے کے عادی بنیں...... خدمت کے بھی عادی بنیں..... دوسروں کو راحت پہونچانے کے عادی بنیں.....یہی تو اسلامی اعمال ہیں، اسلامی اخلاق ہیں..... کہ تفریحی اوقات تفریح کے لئے نہیں ہیں، شہرت کے لئے نہیں ہیں، یہ تو عادی بننے کے لئے ہیں، امام غزالی فرماتے ہیں دین پہلے عادت میں آئے گا، پھر عبادت میں پلٹے گا، عادت میں نہیں ہے تو عبادت میں کہاں سے ہوگا؟ حدیث میں ہے کہ تمہارے بچے سات سال کے ہو جاویں انہیں کہو بیٹا نماز پڑھو! بیٹا نماز پڑھو! تو سات سال کا نماز پڑھیگا تو نماز کا عادی ہوگیا، اب جوان ہوگا، بالغ ہوگا، اسکو شعور آئیگا، تو اب وہ نماز عبادت سے پڑھے گا، اللہ کا حکم مان کر نماز ادا کرے گا، لوگ شکایت کرتے ہیں کہ ہمارے بچے نماز نہیں پڑھتے، مکہ معظمہ میں ہمارے ایک ساتھی مجھ سے شکایت کرتے ہیں کہ ہمارا بیٹا اٹھارہ سال کا ہے نماز نہیں پڑھتا..... وہ یہی ہے کہ عادت میں بات آئی ہی نہیں ہے، پھر جوانی کی خواہش ہے، جوانی کا شوق، اور بھی آگے لیجاتا ہے..... "الشباب شعبة من الجنون" [مسند الشهاب/ حدیث نمبر:۱۱۶] تو اب اسکی نماز اور مشکل ہوگئی، اسکی نیند اور بھی گہری ہے، جوانی کی نیند گہری ہوتی ہے تو اسکو نماز مشکل ہوگئی۔

روزانہ کام کریں:

اسلئے ہر کام کو روز کرو! تا کہ عادت ہو جائے، پھر عبادت بن جائیگی، مولانا یوسف صاحبؒ فرماتے تھے، کہ عمل میں لگے رہو! اخلاص بھی آوے گا.....اخلاص پہلے نہیں آتا، جب آدمی پابند ہو جاوے تو بعد میں اللہ اپنے رضا کیلئے کرنے کی توفیق دینگے، یہ میرا بندہ ہے، روز کرتا ہے، تو اللہ تعالی اپنا قرب اسکو عطا کرتے ہیں، جب اللہ سے قریب ہونے

کیلئے اور اللہ کو راضی کرنے کے کے لئے عمل میں لگا رہے گا تو اخلاص بھی آتا رہے گا، اخلاص پہلے دن نہیں ہوتا، وہ تو عمل سے لگاؤ ہو جاتا ہے، پھر بڑھتا رہتا ہے، جیسے کسی درخت کا پھل شروع میں چھوٹا ہوتا ہے، مزہ بھی صحیح نہیں ہوتا، رنگ بھی صحیح نہیں، سائز بھی صحیح نہیں، لیکن وہ لٹکا رہا ہے، ٹوٹا نہیں ہے..... تو پھر دھیرے دھیرے بڑھتا ہے، وہ بڑا ہو جاتا ہے، پھر اسکا رنگ بدلتا ہے.....خوش رنگ ہو جاتا ہے، پھر اندر سے بدلتا ہے، پھر خوشبو آتی ہے، سائز بھی اچھا ہو گیا، رنگ بھی اچھا ہو گیا، خوشبو آتی ہے، لوگ سونگھ کر لے تے ہیں، اور ملکوں میں جائیگا، یہ وہ کوالیٹی ہے جو باہر جائیگی، کیوں کہ اعلیٰ کوالٹی کی ہے... ہائی کوالٹی کی ہے،،،، اسے باہر بھیجتے ہیں۔

زندگی بنے گی تو دام لگیں گے:

یہی ہمارا کام ہے کہ اپنی زندگی کو اچھی بنائیں، تو اللہ ملکوں میں کام لینگے.....دنیا میں کا لینگے.....جیسے اچھی چیز باہر جاتی ہے تو تاجر خریدتے ہیں، بیچتے ہیں، اسکے سودے ہوتے ہیں، اسلئے اپنی زندگی بنانے کی فکر کرنی ہے، حضرت فرماتے تھے: لگے رہو پھر اخلاص آتا رہے گا، تقویٰ بھی آتا رہے گا.....اچھی صحبت......اچھی محنت اچھا ماحول..... یہ سب ضروری ہے، یہ مجموعہ ہے، صحابہ کو صحبت بھی ملی محبت بھی ملی، اور اپنی محنت بھی ہوئی، ماحول بھی ملا، دین کی دعوت ایک اسی طرح چلانی ہے، اچھوں کی صحبت، نیکوں کی صحبت، علماء کی صحبت، بزرگوں کی صحبت، ان سے فائدہ اٹھانا۔

دین میں جتنے کام ہیں سب دین ہی کے لئے ہیں:

اپنی دنیا الگ نہیں بنانی ہے، کہ ہم تبلیغ والے ہیں.....اور یہ مدرسہ والے.....یہ غلط بات ہے..... دنیا میں دین کے جتنے کام ہور ہے ہیں وہ سب دین کیلئے.....رفاہی

خدمت ہے.....وہ بھی دین کیلئے ، ہمارا ذہن وسیع ہو! اللہ کے یہاں سب کا درجہ ہے.....سب دین کیلئے کرنا ہے، اپنے بارے میں داعی بنو مدعی نہ بنو! مدعی! ہمارا یہ کام ہے.....ہمارا یہ کام ہے.....ہمارا یہ کام ہے......یہ مدعی ہے، اس کے دل میں دوسروں کی جگہ نہیں ہے، "انزل الناس منازلهم" حدیث شریف میں ہے ہر آدمی کو اسکے درجہ پر رکھو! یہ انصاف کی بات ہے، کیوں وہ بھی ایک کام اللہ کے لئے کرر ہے ہیں، ہم بھی اللہ کے لئے کرر ہے ہیں، یہ سب حق ہیں، حق میں تعاون ہے، حق میں تناؤ نہیں ہوتا.....حق میں تناؤ نہیں ہوتا.....حق میں تعاون ہوتا ہے، تو معاون بنو! ادھر معاونت ہوگی، ادھر سے معاونت ہوگی، وہ آپکی معاونت کرینگے، ہم انکی معاونت کرین گے، یہ نہیں کہ ہم انکو اپنا مخالف قرار دیں گے؟؟؟ نہیں! مخالفت کی کوئی وجہ نہیں ہے، رفیق بن کے کام کرو! فریق بن کے کام مت کرو.....ایک بزرگ کہتے ہیں، امت کے کام کرنے والوں کو اپنا فریق مت سمجھو، انکا احسان مانو کہ جو کام ہم نہیں کر سکتے وہ کر ہے ہیں، حضور ﷺ نے مہاجرین کو یہ سکھایا تھا، مہاجرین نے کہا یا رسول اللہ ﷺ انصار کی بہت قربانیاں ہیں، آدمی انکے زیادہ شہید ہوئے ہیں، خدمت بھی وہ زیادہ کرتے ہیں، مال بھی وہ زیادہ کماتے ہیں، نصرت بھی وہ زیادہ کرتے ہیں، تو سارا ثواب تو انکو ملے گا، ہم کو کیا ملے گا؟ وہاں ثواب کی فکر تھی، انکو حسد نہیں تھا، تحقیر نہیں تھی آج تو ہمارے اندر نفسانیت ہے...... اس لئے تحقیر کرتے ہیں، حسد کرتے ہیں.....انکو تو آخرت کی فکر تھی کہ وہ آخرت میں اونچے درجہ پر ہونگے، ہمارا کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں بھی وہ چیزیں مل سکتی ہیں جو انہیں ملیں گی، کہ وہ کیسے؟ فرمایا کہ تم انکی قدر کرو ....کس کی؟ انصار کی! انصار کی قدر کرو! انکی تعریف کرو! اور انکے لئے دعاء مانگو! تو تمہیں بھی اللہ وہی دے گا جو انہیں دے گا۔

دین کے کام کرنے والوں کی معاونت کریں:

ہمکو تو یہ سکھایا ہے جو لوگ دین کے دوسرے کام کر رہے ہیں، علم کے..... ذکر کے.... رفاہی خدمتوں کے...... ہم انکے لئے دعا مانگیں، کہ جو کام ہم نہیں کر سکتے یہ کر رہے ہیں، میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ ساؤتھ افریقہ گیا، ساؤتھ افریقہ ایک ایسا ملک ہے جیسے ایک پھل دار باغ ہوتا ہے، کیوں کہ وہاں لوگ مالدار بھی ہیں دیندار بھی ہیں، میں نے کہا تمہارا ملک اور تمہاری حالت اللہ نے ایک پھلدار درخت کی طرح بنا رکھی ہے...... ہمارے ساتھی ہیں برسوں سے انکا تعلق ہے، تمہیں کیسے رہنا چاہئے! تمہارا پھلدار باغ ہے، تو لوگ آئیں گے، میں نے کہا کہ تمہارے پاس جماعت والے بھی آئیں گے، جمعیت والے بھی آئیں گے..... خانقاہ والے بھی آئیں گے...... مدرسہ والے بھی آئیں گے...... رفاہی خدمت کرنے والے بھی آئیں گے..... انکے بڑے بھی آئیں گے..... انکے چھوٹے بھی ائیں گے...... تمہیں کیا کرنا چاہئے؟ میں نے کہا آپ لوگ سب کی قدر کرو! انکے بزرگ آویں تو انکو اپنا بزرگ سمجھو! حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب کسی قوم کا کریم و بزرگ آوے تو تم انکو بزرگ سمجھو، "اذا اتاکم کریم قوم فاکرموہ" اس لائن کے بزرگ آویں تو تم انکی بزرگی کی قدر کرو!!! انکے عوام آویں تو انکی قدر کرو! انکے کاموں کو جو مدد دے سکتے وہ مدد دو! اور اپنا جو کام ہے تمہارے بزرگوں نے بتایا ہے اسکو اپنا مقصد بنا کر کرو! میں نے کہا اسکی مثال ایسی ہے جیسے ہم تمام نبیوں پر ایمان لاتے ہیں، ہمارا ایمان تمام نبیوں پر ہے، آمنت باللّٰہ و ملئکتہ و کتبہ و رسلہ" ہمارا ایمان تمام نبیوں پر ہے، لیکن اتباع اپنے نبی کی کرینگے۔

تمام دینی کام اپنے ہیں:

جتنے بھی دینی کام ہیں ان سب کی قدر کرو! اور اپنے کام کو مقصد بنا کر کرو، پھر ہر طرف سے تعاون ملے گا، ہر ایک آپ کے کام کی قدر کرے گا..... جس طرح آپ انکی قدر کرتے ہیں، مولانا الیاس صاحبؒ فرماتے تھے کہ دنیا مجزات ہے..... یعنی جیسا کروگے، ویسا پاؤگے، تو فرمایا کہ جو معاملہ تم دوسروں کے ساتھ کروگے وہ معاملہ تمہارے ساتھ کیا جائیگا..... تو دین کے سارے کام ہیں، انکے بڑے ہیں، ہمارے بڑے ہیں، تو بڑوں کے نام پر لڑنا نہیں ہے، نبیوں میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔

اسلامی اخوت:

ہر نبی دوسرے نبی کو سچا بتاتا ہے، ایسے ہی ہر لائن کے جو بڑے ہیں، وہ ہمارے بھی بڑے ہیں، یہ اسلامی اخوت ہے، اسلامی بھائی چارہ ہے..... انکی قدر و منزلت پہچاننا ہے، تو مولانا فرماتے تھے..... مجازات، یعنی جو معاملہ تم دوسروں کے ساتھ کروگے وہ تمہارے ساتھ کیا جائیگا، اس لئے اپنے آپکو چوکنا رکھو! کہ ہماری طرف سے سوائے خیر کے اور کوئی بات نہ ہو، سب کی قدر کرنی ہے، دین کا ایک سبحان اللہ بھی احد پہاڑ سے بڑا ہے، ایک آدمی سبحان اللہ، سبحان اللہ پڑھتا ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں، "لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا" [رواہ مسلم: باب استحباب طلاقة الوجه عند اللقاء، حدیث نمبر: ۶۸۵۷] کسی نیکی کے کام کو ہلکا مت سمجھو، انکا کام ہلکا ہے..... ہمارا بھاری ہے..... کیونکہ عمل کو درجہ دینے کا حق اللہ کو ہے۔

دین میں کوئی غلو نہیں:

اعمال میں درجہ قائم کرنا یہ اللہ و رسول کا حق ہے، حد سے آگے نہیں نکلنا ہے، کوتاہی بھی نہیں کرنی ہے..... درمیانی چال چلنا ہے..... حق والے کا حق پہچاننا ہے.....

درجہ والے کا درجہ پہچاننا ہے......تو ہماری دعوت کے حالات اچھے بنیں گے، کیونکہ دعوت کے محاسن کو سمجھنا ضروری ہے، دعوت کی کیا خوبیاں ہیں؟ ﴿ومن احسن قولاً ممن دعا الی اللہ﴾ اللہ کہتا ہے: اس سے اچھی کس کی بات ہوگی۔

بولنے میں احتیاط کریں:

تقریر میں احتیاط ہونا چاہیے، ان البلاء موکل بالمنطق عربی کی مثل مشہور ہے کہ جتنی بلاء ہے وہ آدمی کے بول سے لگی ہوئے ہے، بولنے میں بھی احتیاط کرنا چاہئے، مولانا سعید خان صاحب مرحوم بڑی تاکید کرتے تھے میرے نام انکے خطوط آئے ہوئے ہیں، انہوں نے کہا کہ اپنے بیانوں میں احتیاط کرو! کیونکہ بیانوں سے بڑی غلط فہمیاں پھیلتی ہیں..... بڑا ہیجان پیدا ہوتا ہے..... اعتراضات کھڑے ہوجاتے ہیں، ہمارا تو ترغیب کا کام ہے..... مسلمانوں کو ترغیب دینا ہے، تاکہ وہ آخرت بنانے کیلئے نکلے، اپنا دین اپنی آخرت بناویں اپنے دین کے مددگار بنیں۔

استقبال کے زمانے میں احتیاط واستقامت:

استقبال کے زمانے میں لوگ بہک جائیں گے، حضور ﷺ منع فرماتے کہ نئی نئی باتیں نہ پیدا کرو! جو میرے بعد زندہ رہے گا بہت اختلاف دیکھے گا، تو ہم احتیاط کریں..... اپنے بولنے میں..... اپنے برتاؤ میں..... تاکہ دعوت اپنے محاسن اپنی خوبیوں کے ساتھ واضح ہو، دعوت دینے والے کی سب سے پہلی خوبی نیت کی خوبی ہے، وہ یہ ہے کہ اسکی نیت صحیح ہونی چاہئے، اللہ کی رضا اور آخرت بنانے کے سوا اسکے دل دماغ میں کوئی دوسری فکر نہ ہو! یہ تاکید کی ہے، کام کرنے والا صرف اللہ اور آخرت کو سامنے رکھے..... جس کے سامنے اللہ آخرت ہوگی وہ ہر حال میں کامیاب ہوگا، اعزاز

ملے نہ ملے..... خصوصیت ملے نہ ملے.... کوئی پوچھے نہ پوچھے مجھے آخرت بنانی ہے۔

صحابہ کے ملکوں میں جانے کے عزائم:

صحابہ دنیا میں گئے تو دنیا والوں سے یوں کہا کہ تمہارے ملک میں ہم تمہاری کرنسی کی وجہ سے یا تمہاری دنیا کی وجہ سے نہیں آئے ہیں، ہمارے عزائم تمہارے پاس آنے میں آخرت کے ہیں "انما همنا الأخرة وليس همنا الدنيا" ہم تمہاے پاس آخرت کے عزائم لیکر آئے ہیں..... تمہاری زندگی بھی بن جاوے، ہماری زندگی بھی بن جاوے، اور ہماری تمہاری آخرت بن جاوے، ہمیں تمہاری دنیا سے کوئی مطلب نہیں ہے..... تمہارے مالوں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے..... تمہاری عورتوں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے....... تمہاری تعریف سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے...... "انما همنا الآخرة" جو آخرت کو سامنے رکھ کر چلے گا وہ فتنہ سے بچے گا، عبداللہ ابن عمرؓ جب خلافت راشدہ ختم ہوگئی تو کھڑے ہوگئے، اور بڑا بننے کے لئے لوگوں کے اندر فتنے پنپنے لگے، ایک آدمی کہہ رہا تھا، اس کام کا ہم سے زیادہ حقدار کون ہے؟؟؟ یعنی حکومت کا؟ یہ کہہ رہا تھا.... اپنے تیز اونٹ پر سوار ہو کر آرہا ہے، اس وقت تیز اونٹ ایسے ہوتے تھے جیسے آج کے زمانے کی بہترین کاریں ہوتی ہیں، ایسے ہی اس زمانہ کے تیز اونٹ ہوتے تھے، اسکو نجیب کہتے تھے.... تو اس نے کہا کہ اس عہدہ کے حقدار ہم ہیں، ہم سے زیادہ حقدار کون ہے؟ کیوں کہ استقبال کا زمانہ ہے، تو ہر ایک کو اپنی عزت..... اپنی بڑائی کا دھیان آتا ہے..... ابن عمر کم سن نہیں رہے تھے، یہ سات برس کی عمر میں مسلمان ہوئے تھے، اور حضور ﷺ کی ہر سنت کے پورے پابند تھے، انہوں نے فرمایا کہ میرے دل میں آیا کہ کہوں کہ اسکے حقدار تو وہ ہیں جس نے تجھکو تیرے اوپر محنت کر کے اسلام میں داخل کیا، وہ اسکے زیادہ

حقدار ہیں، لیکن میں نے یہ بات اس لئے نہیں کہی کہ مجھکو میری آخرت یاد آ گئی، کہ بولنے دو! میں نے تو جو کچھ کیا ہے آخرت کے لئے کیا ہے، "ذکرت الجنة و نعیمها فتر کتها" بخاری شریف کی روایت ہے، کہ مجھے جنت یاد آ گئی آخرت یاد آ گئی کہ چھوڑو اس چکر مین کون پڑے.....اسکو بولنے دو۔

فتنے سے حفاظت:

جو اللہ اور آخرت کو سامنے رکھے گا وہ کبھی فتنہ میں نہیں پڑے گا، اسلئے دعوت والے کی .....دین والے کی.....پہلی خوبی یہ ہے کہ اپنے ارادے سے آخرت کو چاہے، میری آخرت تو بحر حال بنی ہی چاہئے، اور اسکے لئے اپنی نیت کو اچھی کرلو!!! ہر وقت نیتوں پر دھیان ہو، کہ کیوں کرر ہے ہیں؟ کسی کو راضی کرنے کیلیئے.... کسی کو خوش کرنے کے لئے نہیں کرنا ہے، حدیث شریف میں ہے پوچھا کہ ایک آدمی اللہ کے راستہ میں جاتا ہے اپنی شہرت چاہتا ہے، یا کوئی مال ومتاع کی غرض ہے، اور اللہ کا راستہ بھی ہے تو اسے کیا ملے گا؟ فرمایا کچھ نہیں ملے گا....لوگ پریشان ہو گئے آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تو اسی عمل کو قبول کریگا جو صرف اللہ کے لئے کیا گیا ہو، ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے کہ اللہ کے لئے کرنا ہے، حسن نیت سے کام انجام دینا ہے.....

حسن نیت:

حسن نیت: دعوت کی....اور دین کے ہر کام کی پہلی خوبی ہے، اور اچھی نیت کے بعد اچھا عمل، اور نیک اعمال زیادہ کرو! جیسے میں نے نبیوں کے قصے سنائے، کہ نیک عملوں میں آگے بڑھو! حسن عمل حسن نیت، اپنے عملوں کو زیادہ کرو! صرف ذمہ داری کو پورا کرکے آزاد نہیں ہو جانا ہے، بلکہ جس کام کو اچھا سمجھا جس دین کو اچھا سمجھا اس میں اپنے

آپ کو آگے بڑھاویں، فرائض بھی ادا کریں....نوافل بھی ادا کریں..... خدمت بھی کریں....اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک بھی کریں، اچھے عملوں کا ذخیرہ بھی جمع کریں .....حضور ﷺ کے زمانہ میں غریب آدمی مزدوری کر کے صدقہ دیتا تھا، حالانکہ غریب تو صدقہ لینے کا حقدار ہے، کہ ٹھیک ہے میں لینے کا حقدار ہوں، مجھے اپنی آخرت بھی بنانی ہے، اس لئے وہ مزدوری کر کے صدقہ دیتا تھا، وہ لوگ اپنے عملوں کو بڑھاتے تھے۔

دعوت کے محاسن:

یہ مثالیں آپ حکایات صحابہ میں پڑھتے ہو، تو حسن عمل..... حسن نیت.... حسن اخلاق.... یہ دعوت کے اوزار ہیں، کاریگر کے پاس اوزار ہوتے ہیں، تو اوزار نہ ہوں تو کیسے کام کریگا؟ ڈاکٹر کے پاس ڈاکٹری کے اوزار ہیں تو ڈاکٹری کے کام کریگا، نہیں تو کو کیسے کریگا؟ دعوت دینے والوں کے اوزار انکا اخلاص ہے، جتنا انکا اخلاص اچھا ہوگا اتنا ہی وہ اپنی دعوت کو پھیلائیں گے..... اور دلوں کو جیت لیں گے، حضور ﷺ اچھے سے اچھے اخلاق سکھاتے تھے، ایک عورت عائشہؓ پاس آئی، بہت غریب تھی، کچھ ہدیہ لائی ام المومنین کے لئے......عائشہؓ کو اسکی غریبی پر رحم آیا، ام المومنین عائشہؓ بہت سخی تھیں، انکی ایک بہن اسماءؓ تھیں وہ بھی بہت سخی تھیں.....اپنا ہدیہ اپنے پاس رکھو اپنی ضروریات پوری کرو....نہیں لیا...... حضور ﷺ تشریف لائے تو ہر بات حضور ﷺ کے سامنے رکھتی تھیں اللہ انہیں جزائے خیر دے ان سے بہت باتیں ہمکو ملی ہیں، یارسول اللہ ﷺ اسکی غربت پر رحم آیا.... اسکی تنگی فقیری پر رحم آیا..... میں نے اسکا ہدیہ نہیں لیا، واپس کر دیا رحم کھا کر، حضور ﷺ نے فرمایا رحم کھانے کا طریقہ دوسرا بھی تھا..... وہ کیا؟ اسکا معمولی ہدیہ لے لیتیں اور اپنے پاس سے بڑا ہدیہ دے دیتیں..... یہ آپکو کرنا چاہئے تھا، تو اسکا

دل بھی رہ جاتا، کہ میں ام المومنین کیلئے ہدیہ لائیں وہ بھی قبول ہوگیا، اور انکی طرف سے مجھے یہ برکت بھی ملی، یہ حسن اخلاق کہلاتے ہیں۔

حسن اخلاق دلوں کو جیت لیتے ہیں:

حدیثوں میں ہے کہ سب سے زیادہ وزن دار چیز جو قیامت میں میزان عمل میں تلے گی وہ آدمی کے اخلاق ہیں..... اخلاق خراب ہوتے ہیں تو عبادتیں چلی جاتی ہیں، اور دعوت کی خوبیوں میں سے اچھے اخلاق ہیں... لوگوں میں جہالت ہوتی ہے...... وہ تو جہالت سے پیش آئیں گے..... مگر جہالت کے جواب میں نبی اخلاق سے پیش آتے تھے، ہر نبی اخلاق کے ساتھ بھیجا گیا، حضور ﷺ کو بہت بڑی جاہلیت کے زمانے میں بھیجا گیا، سوائے شرک کے لوگ کچھ نہیں جانتے تھے، آپ ﷺ کو اخلاق کا سب سے اونچا معیار دیا تھا، ﴿إِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ آپ ﷺ اخلاق کے بہت اونچے معیار پر ہیں، اسی سے جہالت کٹی ہے..... جہالت کے جواب میں اگر حضور ﷺ جہالت کرتے تو پھر لڑائی ہوتی، آپ نے یہ نہیں کیا..... بلکہ جہالت کے جواب میں اخلاق سے پیش آئے..... مسجد میں ایک آدمی نے پیشاب کردیا، تو لوگوں نے اسے روکا... آپ ﷺ نے کہا نہیں! مت روکو! اسکا پیشاب رک جائیگا کرلینے دو! اسکے بعد فرمایا کہ تم لوگ آسانی کرنے والے ہو..... پانی کا ڈول لے آؤ اور پانی بہاؤ، جگہ پاک ہوجاوے گی، انکو یہ بتایا، اور اسکو یہ سمجھایا کہ بھائی یہ تو مسجد ہے، اس میں تو نماز پڑھی جاتی ہے، اس میں تو اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے...... اس میں تو اللہ کو یاد کیا جاتا ہے..... کیونکہ وہ جاہل ہے... حسن اخلاق دعوت کے محاسن میں سے ہے، دعوت کی خوبیوں میں سے ہے۔

لوگوں کے سامنے اخلاق سے پیش آئیں:

اللہ کے راستہ میں اخلاق کی مشق ہوتی ہے، مختلف لوگوں سے ملنا ہوتا ہے.... انکے مختلف مزاج ہوتے ہیں...... سب کو برداشت کر کے سب کو لیکر چلو..... سب کی جھیلوں، سب کی خدمت کرو.... پھر دیکھو اخلاق پیدا ہونگے، مولانا سعید خاں صاحب کہتے تھے تبلیغ میں اخلاق کی مشق ہے، خالی پھرنا نہیں ہے، کہ دوسرے زیادتی کریں گے، ہم صبر کریں گے..... دوسرے زیادتی کریں گے ہم احسان کریں گے...... ہم انکی خدمت کریں گے..... پھر وہ دوست ہو جائیں گے، یہی تعلیم دی ہے، تو حضور ﷺ کو سب سے اونچے معیار کے اخلاق دیئے گیئے تھے، جیسے آپ ﷺ کا دین سب سے اونچا، ویسے ہی آپ کے اخلاق سب سے اونچے، اس لئے جہالت کٹ گئی اور لوگ بھائی بھائی ہو گئے۔

اچھے انداز سے دعوت پیش کریں:

اچھے اخلاق، اچھے اسلوب، اچھے ڈھنگ سے اپنی بات پیش کرو! حسن اسلوب..... ہم دعوت والوں کو سمجھنے کی بات ہے، یہ رد کرنے کی بات نہیں.... تحقیر کی بات نہیں.... تنقید کی بات نہیں ہے..... اچھے ڈھنگ سے دعوت پیش کرو! آپ روزانہ فضائل اعمال میں پڑھتے ہیں ایک آدمی حضور ﷺ کے پاس آتا ہے، کہتا ہے: کہ یا رسول اللہ مجھے زنا کرنے کی اجازت دیجئے، جبکہ زنا ایسا عمل ہے کہ کسی آسمانی شریعت میں اسکی اجازت نہیں ہے، شرک اور زنا دونوں حرام ہیں..... اور وہ زنا کی اجازت مانگ رہا ہے، تو آپ ﷺ نے اس کو سمجھایا ہے، تمہاری بیٹی سے کوئی زنا کرے؟ اس کو پسند کرو گے؟ کہا نہیں!

کوئی تمہاری ماں سے؟ تمہاری بہن خالہ کے سے؟ کہا نہیں! تو بھائی جس طرح تم اس کام کو ناپسند کرتے ہو اپنی بیٹی بیوی ماں کے ساتھ ایسے ہی دوسرے لوگ بھی تو اسے ناپسند کرتے ہیں، یہ حسن اسلوب کہلاتا ہے، یہ سنتِ پیغمبر ہے، اسکو سیکھنا پڑے گا۔

دعوت میں تواضع:

اس کام میں اپنے آپ کو بچھانا پڑیگا..... حضور ﷺ نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھا اسکے لئے دعا بھی مانگی، کہ اللہ زنا کی محبت اسکے دل سے نکال دے، تو دعوت بھی دی.... دعا بھی دی، اسکو اپنا بنالیا، ورنہ تو وہ زنا کی طرف جارہا تھا، اسی کو حسن اسلوب کہتے ہیں، یہی حسن اسلوب دعوت کے محاسن میں سے ہے، کہ بات کو مثبت انداز سے پیش کرو.. ....ہم لوگ ۸۰ھ میں امریکا گئے، ایک دن وہاں کے ساتھی کہنے لگے کہ آپ نے یہاں دنیا کی برائی تو بیان کی، دنیا مچھر کے پر کے برابر ہے، وغیرہ؟؟؟؟ میں نے کہا ہاں! ہم نہیں کرتے ہم کو یہ اچھا نہیں لگا کہ ہم تو یہاں دنیا کیلئے آئے ہیں، یہاں کون سا خانہ کعبہ ہے کہ عبادت کیلئے آویں، یہ تو امریکا ہے، ہم تو اپنی دنیا کیلئے آئے ہیں، کوئی ہمارے سامنے دنیا کی برائی کرے تو ہمیں اچھا نہیں لگتا، یعنی یہ بات ہم کو ہضم نہیں ہوتی ہے، ہم کہتے تھے..... دیکھو تم اپنے بچوں کو تعلیم دیتے ہو، ڈگری انکو دلاتے ہو، تو جس طرح انکو ڈگریاں دلا رہے ہو ان کو ایمان بھی سکھاؤ، تا کہ تمہارے بچے ایماندار بھی رہیں.... اور تمہارے تابعدار بھی رہیں.... جہاں ڈگری ہو تو یہ بھی ہو..... نہیں تو اسکو برداشت نہیں ہوگا۔

قرآن کریم کا حکیمانہ اسلوب:

قرآن کریم اس طرح سمجھا تا ہے کہ دیکھو میں زمین پر پانی برساتا ہوں.... تو مردار زمین زندہ ہو جاتی، زمین میں سبزہ آتا ہے، جیسے میں مردہ زمین کو پانی برسا کر زندہ کرتا ہوں، ایسے زمین کے مردوں کو بھی میں اپنی قدرت سے زندہ کرونگا، ﴿كذلك الخروج﴾ یہ مثال دی، کہ جیسے مردہ زمین سبزہ اگا دیتی ہے ایسے مردے بھی نکلیں گے.... یہ مثبت انداز کہلاتا ہے، قرآن پڑھو! اور دیکھو کہ کیسے اسلوب میں سمجھاتا ہے؟ تو اپنی بات کو حکمت سے سمجھاؤ..... نرمی سے سمجھاؤ..... ہمدردی سے سمجھاؤ.....

مولانا سعید خان صاحبؒ ہمکو سمجھاتے تھے کہ یہ دعوت کے محاسن ہیں، دعوت کی خوبیاں ہیں، مسلمانوں سے اچھا گمان رکھو، تمام مسلمانوں سے عموماً، اور اپنے ساتھیوں سے خصوصاً اچھا گمان رکھو، اسلامی معاشرت کا یہ حکم ہے...... آپس میں تمہارے گمان اچھے ہونے چاہئیں، جب اچھے گمان ہوں گے تو اچھائیاں نظر آئیں گی، بدگمانیاں ہوں گی تو برائیاں نظر آئیں گی..... شیطان اپنی تو خوبیاں دکھاتا ہے، اور دوسروں کی خرابیاں دکھاتا ہے، اپنے بارے میں اللہ سے کہنے لگا ﴿أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ﴾ میں آدم سے اچھا ہوں، حالانکہ آدمؑ کو اللہ نے پسند کر کے چن کر کے بنایا ہے، چھانٹا ہوا ہے، آدمؑ میں خوبی اسکو نظر نہیں آئی، آدمی کا نفس اور شیطان اپنی خوبیاں بتاتا ہے، اور دوسروں کی خرابیاں... اسکے سامنے وہ بدگمانی لاتا ہے، علماء نے کہا ہے سب سے زیادہ بدگمانیاں شیطان دینداروں میں پھیلاتا ہے، اسنے یہ کر دیا ہوگا..... اسنے یہ کر دیا ہوگا...... حالانکہ حقیقت کچھ بھی نہیں ہے صرف بدگمانی ہے....

خوبیوں کا لین دین:

مولانا الیاس صاحبؒ فرماتے تھے ہماری تحریک یہ تو خوبیوں کا لین دین ہے،

مسلمانوں کی خوبیاں دیکھو!!! جماعت اسلئے ہوتی ہے...... جماعت میں آٹھ دس آدمی ہوتے ہیں، ہر آدمی میں خوبی ہوتی ہے، اور ہر ایک کے پاس خوبیاں ہیں، ان سے مستفید ہونا ہے، خوبیاں جمع کرنا ہے.... ایک دوسرے کی خوبیاں دیکھ کر انکو اپنانا ہے، یہ ذکر کرنے والا ہے..... یہ خدمت کرنے والا ہے.... یہ عبادت کرنے والا ہے.... یہ بھاگ دوڑ کرنے والا ہے..... یہ تشکیل کرنے والا ہے.... ہر ایک کی خوبی الگ الگ ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے پانچ انگلیاں ایک سی نہیں بنائیں ہر ایک میں خیر ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں "اَلنَّاسُ مَعَادِنٌ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ" [مسلم، باب الأرواح جنود مجندة، حدیث نمبر:۶۸۷۷] **لوگ** اپنی جگہ ایسے قیمتی ہیں جیسے سونے اور چاندی کی کانیں ہوتی ہیں، ایک ایک آدمی سونے چاندی کی کان کی طرح ہے، سونا بھرا ہوا ہے، اس میں اگر اچھا گمان ہوگا تو خوبیاں نظر آئیں گی، عقیدت ہوگی.... محبت ہوگی، اور شیطان کی طرح سے اگر بدگمانی پیدا ہوگی تو پھر کٹ کٹاؤ ہوگا، اور تعاون ختم ہو جائے گا۔

بدگمانی سے پرہیز کریں:

بدگمانی کی کوئی دلیل نہیں ہوتی..... نظر بدل جاتی ہے تو انسان کو دوسرے کی خرابیاں ہی نظر آتی ہیں، پہلے خرابیاں بدگمانی کی وجہ سے نظر آئیں گی.... پھر وہ زبان پر آجائیں گی، جب زبان پر آئیگی تو وہی بات غیبت بنے گی، بدگمان کی بات ہی غیبت بنتی ہے، مولانا یوسفؒ فرماتے تھے غیبت کا گناہ ایسا ہے، اسکی نقد سزا ملتی ہے، لوگوں کے دل پھٹ جائیں گے، انہوں نے یہ کہا.....انہوں نے یہ کہا......اور پوچھو تو اس بیچارے کو کوئی خبر بھی نہیں.....اس لئے اللہ نے اس سے منع کیا ہے، فرمایا: بدگمانی

سے بچو یہ بری بات ہے، اسلامی معاشرت میں بدگمانی غلط ہے، بلکہ عیب نظر آوے تو چھپادو..... معاشرے میں ماحول میں اسکو ظاہر مت کرو! چرچہ مت کرو! جو بھائی کے عیب چھپائے گا اللہ اس کے عیب چھپائے گا..... جو بھائی کے عیب کھولے گا اللہ اس کے عیب کھولے گا۔

صحابہ عیب چھپاتے تھے:

صحابہ عیبوں کو چھپانے پر بہت زور دیتے تھے، حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ معاشرہ میں کوئی باطل چیز پیش آوے تو اسکو چھوڑ دو!!! اسکو زبان پر نہ لاؤ!!! تا کہ وہ دفن ہو جاوے..... چرچہ کرو گے تو وہ زندہ ہو جائیگی..... جونہیں جانتے ہیں وہ بھی جان جائیں گے، اور غیبت سے معاشرہ میں توڑ پیدا جائیگی، اور جب توڑ پیدا ہوگی تو ساری کوششیں بیکار ہو جائیں گی، اس لئے حکم ہے کہ صبر کرو، کوئی بات نظر بھی آوے تو صبر کرو..... منھ بند کرو، راویوں میں اختلاف صحیح ہے، رایوں میں تو اختلاف ہوسکتا ہے، اسکو اختلاف کہتے ہیں، کتنے ائمہ مذاہب ہیں.... امام شافعیؒ کی الگ رائے ہے، امام مالکؒ کی الگ رائے ہے، امام ابوحنیفہؒ کی الگ رائے ہے، کوئی اپنی رائے پر اصرار نہیں کر رہا..... ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں..... لیکن اپنی رائے پر عمل کرتے ہیں..... ایسی ہی رائے میں اختلاف ہوسکتا ہے لیکن اپنی رائے پر اڑ جانا اور مخالفت کرنا اسکی اجازت نہیں، تو اختلاف الگ ہے..... اور مخالفت الگ ہے، اسلئے کہا اچھا گمان رکھو! خوبیوں کا یقین دین کرو! اور اسکی مشق کرو! ان میں کیا خوبی ہے؟ ان میں کیا خوبی ہے؟ اور اس خوبی کو اختیار کرو!۔

خوبیوں کا تذکرہ کریں:

حضور ﷺ ساتھیوں کے مناقب اور فضائل بتاتے تھے، حضرت ابو بکرؓ میں یہ فضیلت ہے.... حضرت عمرؓ میں یہ فضیلت ہے.... ابوذر میں یہ فضیلت ہے..... خوبیاں بتاتے تھے، اسکو مناقب صحابہ کہتے ہیں، اویس قرنی تابعی ہیں، ابھی آئے بھی نہیں ہیں، یمن میں ہیں، مگر انکا درجہ بتایا، کہ جب وہ آئیں گے تو ان سے دعائے مغفرت کرانا، وہ صحابی نہیں ہیں، تو حضرت عمرؓ اپنے دور خلافت میں انکو تلاش کرتے تھے، کہ اویسؒ آئے کہ نہیں آئے؟ تاکہ میں ان سے مغفرت کی دعا کراؤں، کہاں حضرت عمرؓ!!! کہاں اویسؒ!!! کیوں ان میں یہ خوبی ہے، نبی ﷺ نے بتایا ہے..... کہ خوبی تلاش کرو، حیاۃ الحیوان ایک کتاب ہے، علماء اسکو جانتے ہیں، اس میں حیوانات کی تفصیل لکھی ہے، اور بھی بہت سی باتیں اس میں ہیں، اسلامی کتبخانہ کی وہ ایک عجیب کتاب مانی جاتی ہے، دمیری کی ہے..... مختلف حیوانات کی مختلف چیزیں لکھی ہیں، اسمیں قصہ لکھا ہے، ایک بزرگ کہتے تھے کہ مجھ کو ہر چیز میں خوبی نظر آتی ہے، جب کوئی بڑا آدمی ایسا کہتا تو سوال کرنے والے سوال کرتے کہ آپکو ہر چیز میں خوبی نظر آتی ہے؟ کہا ہاں! کہ خنزیر میں کیا خوبی ہے، کیوں کہ اسلامی شریعت میں وہ نجس العین ہے...... پورا ناپاک ہے...... اسکی کوئی گنجائش ہی نہیں، آپ نے اس میں کیا خوبی دیکھی؟ کہا اسکی ایک خصلت ہے، "بکوره في حوائجه" [حیاۃ الحیوان الکبری، باب الغین: ص: ۲۴۵] یہ اس میں لکھا ہے.... کہ صبح جلدی اٹھ جاتا ہے اور اپنی روزی تلاش کرتا ہے، کتے کو آپ دیکھو گے کہ رات بھر بھونکتا رہے گا آپ صبح نماز پڑھنے جاؤ گے تو

کہیں پڑا ہوا ہوگا.....اور یہ صبح جلدی اٹھ جاتا ہے اور اپنی روزی تلاش کرتا ہے۔

خوبی تلاش کرنے والے کو خوبی ملتی ہے:

تو خوبی تلاش کرنے والے کو ہر چیز میں خوبی ملتی..... اور جس کی نظر خوبیوں سے بند ہو جاوے تو ایسے لوگ نبی کو بھی پاگل کہتے تھے، نعوذ باللہ ابوجہل کہتا تھا کہ یہ جھوٹا ہے، اسکو جھوٹ نظر آیا....... اسے پاگل پن نظر آیا، کیوں کہ انکی اپنی نگاہ غلط ہے....... یہ اندھے ہیں، روشنی نہیں، جب آدمی کا دل اندھا ہو جاتا ہے، خرابیاں نظر آتی ہیں، تبلیغ میں اسکی مشق ہے، کہ مسلمانوں کی خوبیاں دیکھو.....شہر والوں کی خوبیاں الگ ہیں.....دیہات والوں کی خوبیاں الگ ہیں.....تاجروں کی خوبی الگ ہے...... ملازمت کرنے والوں کی خوبی الگ ہے.....مولانا الیاسؒ میواتیوں سے کہتے کہ تمہارے اندر دو خوبیاں ہیں، زندگیوں میں سادگی ہے، اور جفاکشی ہے!!! یہ دونوں خوبی دین میں بڑی مددگار ہیں...... سادگی اور جفاکشی.....تو انکی خوبیاں دیکھتے تھے، حالانکہ اس زمانہ میں جہالت زیادہ تھی، مگر مولانا کو انکی خوبیاں نظر آتی تھیں، اسلئے ان کی خوبیوں کی وجہ سے ان سے کام لیا، اور انہیں کام پر کھڑا کر دیا، یہ دعوت کے محاسن ہیں، حسن نیت.....حسن عمل.....حسن اخلاق.....حسن ظن.....حسن اسلوب.....ان سے دعوت خوبیوں والی بنے گی۔

خوبیوں سے ہمدردی پیدا ہوگی:

جس طرح شوروم میں لوگ دیکھنے آتے ہیں، اور شوروم والا اپنے مال کو حسن خوبی کے ساتھ پیش کرتا ہے، ایسے ہی دعوت کی خوبیاں ہوں گی.....تو لوگ دعوت کو دیکھنے آئیں گے، دعوت کیا ہے، داعیوں کے اخلاق دیکھیں گے.....انکے اسلوب دیکھیں

گے.... انکی کارگزاری دیکھیں گے..... تو جڑیں گے، اور دشمن دوست ہو جائیگا، حاسد ہمدرد ہو جائیگا، تو خوبیوں سے ہمدردی پیدا ہوتی ہے.

اپنے کو اور ماحول کو دین دار بنانا ہے:

میرے بھائیو! اللہ نے ہمکو بڑا کام دیا ہے..... زندگی کی ذمہ داریاں ہیں، اس کام میں اپنے آپکو دیندار بنانا، اپنے ماحول کو دیندار بنانا ہے..... اور دنیا میں دین آوے اسکی فکر کرنا ہے..... اسکی ترقی کے اسباب پر غور کرنا ہے..... اپنے اوقات کی پابندی ترقی کا ذریعہ ہے، وقت کے پابند .... عمل کے پابند.... اصول کے پابند ... بے اصولی کوئی کرے مگر اصول کے نام پر جھگڑا کوئی نہ کرے..... اصول کی تحقیق کرے..... اور عمل کرے، یہ صحابہ کا طریقہ تھا، جھگڑتے نہیں تھے، رایوں میں اختلاف ہوا تو مدینہ جا کے پوچھتے تھے، ان میں جوتے نہیں چلتے تھے، وہاں جا کر پوچھتے تھے، یہی طریقہ ہے، اختلاف ہو تو اپنے ذمہ داروں سے جا کر رجوع کرو، ان سے پوچھو! صحیح کیا ہے؟.

اصول ترقی کا ذریعہ ہے:

اصول کی تحقیق تو ضروری ہے..... اصول میں جھگڑنا یہ نقصان دہ ہوتا ہے، اصول جھگڑوں کیلئے نہیں ہوتے، جب جھگڑے پیدا ہوں گے تو گمراہی آئے گی، ہدایت نہیں آئے گی "ما أضل الله قوما الا اوتوا الجدل" اس قوم کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دیتا ہے جس قوم میں جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں، اسلئے ہمارے اس کام کو جھگڑوں سے بچانا، صبر کرنا، کوئی بات نہیں مانی جارہی ہے صبر کرنا...... بعض مرتبہ کوئی چیز صحیح نہیں ہوتی تو مقابلہ نہیں کرنا ہے، صبر کرنا ہے، اور اپنا کام کرتے رہنا ہے، مدد گار بن کر کام کرنا ہے،

اخلاص کے ساتھ..... یہ طریقہ ہے.... یہ حکم دیا ہے..... صبر کرو.... اصول ترقی کا ذریعہ ہیں، اطاعت ترقی کا ذریعہ ہے، اطاعت کے ساتھ رہیں، بات ماننی ہے چاہے کچھ بھی ہوجاوے، عمل کرنا ہے چاہے کچھ بھی ہوجاوے، کیوں کہ ہم اطاعت کے لئے پیدا ہوئے ہیں، نبیوں کا آنا اطاعت کے لئے ہوتا تھا، ﴿وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن الله﴾ [النساء/٦٤] ہم نے جب کبھی رسول بھیجا ہے تو اسلئے بھیجا تا کہ رسول کے کہنے سے لوگوں میں اللہ کی اطاعت آوے، اطاعت زندگیوں میں قائم ہوگئی تو زندگی دین بن گئی۔

اطاعت سیکھیں:

جو اطاعت سیکھ لے گا وہ ہر ایک کی اطاعت کریگا..... ماں باپ کی اطاعت کریگا، استاذ کی اطاعت کریگا.... کوئی بڑا ہے تو اسکی اطاعت کریگا، کیوں کہ وہ ایسا ہوگیا جیسے ایک اونٹ..... اسکے ناک میں نکیل پڑی ہوئی ہے، اب اسکو جہاں لے جاؤ وہ جائیگا، مؤمن ایسا ہوتا ہے جیسے ناک میں نکیل پڑا ہوا اونٹ، حیث قید انقاد اگر اسکو چھوٹا بچہ بھی کھینچ کر لے جائیگا وہ پیچھے پیچھے چلا جائے گا اسی طرح مؤمن ہوتا ہے. مثل الجمل المختوم حیثیت قید انقاد ایک ناک میں نکیل پڑا اونٹ جہاں اسکو اسکا مالک لے جاوے جائیگا وہ انحرف نہیں کرے گا..... نہ ادھر جاتا ہے.... نہ ادھر جاتا ہے، ایمان کی صفت ہے اطاعت، ایمان کا مزاج ہے اطاعت، ایمان سے ایمان آوے گا..... تو اطاعت آویگی یہ اسکا مزاج ہے۔

شیطانی مزاج میں نافرمانی ہے:

شیطانی مزاج میں نا فرمانی ہے، ﴿أَبىٰ واسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ﴾ [البقرة/ ۳۴] انکار کر گیا.....اور کافر ہو گیا، شیطانی مزاج میں یہی چھپا ہوا ہے، اور ایمانی مزاج میں اطاعت ہے، اس لئے اطاعت ترقی کا ذریعہ ہے......اصول ترقی کا ذریعہ ہیں......استقامت ترقی کا ذریعہ ہے.....مشورے کی پابندی اطاعت کا ذریعہ ہے......تربیت کا ذریعہ ہے.....یہ سب ہماری ترقی کے اسباب ہیں، اسکو اپنانا ہے، اور لوگوں میں اسکی ترغیب دینی ہے، تو دینی رنگ آئیگا، دینی رنگ، ایمان، اطاعت وانقیاد، وتابعداری، ہمدردی، یہ دینی رنگ ہیں، پھر اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ مقبول ہوتے ہیں...... انکی کوششیں مقبول ہوتی ہیں.....انکی دعائیں مقبول ہوتی ہیں.....انکی دعوت پر بھی ھدایت آویگی، یہ کسی کے لئے دعا مانگے گے تو دعا پر بھی ھدایت آوے گی، حضور ﷺ دعا بھی کرتے تھے، دعوت بھی دیتے تھے، اے اللہ عمرؓ کو ھدایت دے، ابوھریرہ کو ھدایت دے، ھدایت مل گئی.....قبیلۂ دوس کو ھدایت دے، تو قبیلۂ دوس کو ہدایت مل گئی، یہ مثالیں ہیں.....کہ دعا میں ہمدردی کی نشانی ہے، جسکے ساتھ ہمدردی ہوتی ہے اس کے لئے دعائیں مانگتے ہیں، لوگ اپنے بیٹوں کے لئے دعا مانگتے ہیں۔

کام کو مقصد بنا کر کرنا ہے:

.....اور ہر حال میں کرنا ہے.....اپنی طاقت کے مطابق.....درمیانی چال چلنی ہے، حدیثوں میں ہے.....درمیانی چال چلو، جوش میں آگے نہ بڑھ جاؤ! اور سستی میں پیچھے بھی نہ رہ جاؤ! بیچ کی چال چلو، القصد القصد درمیانہ چال چلا کرو، تو دور تک جاؤ گے، ساری امت میں کام آوے، اس لئے امت سے ہمدردی ضروری ہے، امت سے ہمدردی ہوگی تو امت کیلئے بار بار اللہ کے راستہ میں پھرنا ہوگا، بار بار وقت لگانا ہوگا، کہ ہم

اسکے عادی بھی بن جاویں اور ہم مخلص بھی بنیں ، اخلاص کے ساتھ .... امت کے لئے ، اسکی فکر کرنا ہے ..... اس لئے آپ حضرت اسکے ارادے کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر قائم رکھے۔

خوبی تلاش کرنے والے کو ہر چیز میں خوبی ملتی ہے
اور جس کی نظر خوبیوں سے بند ہو جاتی ہے
تو اس طرح کے لوگ نبی کو بھی پاگل کہتے تھے،

جب آدمی کا دل اندھا ہو جاتا ہے......
خرابیاں نظر آتی ہیں

حضرت مولانا ابراہیم

بیان نمبر (۸)

❁علماء میں بیان۔ احمد آباد۔ ۱۳/۰۸/۱۳❁

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه، و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، و من يضلله فلا هادي له، و نشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، و نشهد أن سيدنا محمداً عبده و رسوله صلى الله تعالى عليه و على آله و صحبه و بارک وسلم تسليما كثيراً كثيراً، أما بعد!

فاعوذبالله من الشيطان الرجيم. بسم الله الرحمان الرحيم.

﴿إِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰه ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَنْ لَا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَأَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ، نَحْنُ أَوْلِيَائُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ، نُزُلاً مِنْ غَفُوْرٍ رَحِيْمٍ، وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِمَّن دَعَا إِلَى اللّٰه وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾. صدق الله العظيم.

دنیا ذمہ داری پوری کرنے کی جگہ ہے۔

میرے بزرگو پیارے بھائیو!

دنیا کی زندگی کو اللہ تعالیٰ نے ذمہ داریوں کی زندگی قرار دیا ہے، یہ ذمہ داری پوری کرنے کی جگہ ہے..... جو ذمہ داری پوری کرے گا وہ مدد بھی پائے گا، اور کامیاب بھی ہوگا، اور جو ذمہ داری نہیں پوری کرے گا تو نہ وہ مدد پائیگا اور نہ کامیاب ہوگا...... ذمہ داری پوری کرنے کے لئے امانت داری شرط ہے..... اور ذمہ داریوں کا علم ضروری ہے، ذمہ داریوں کے علم سے ذمہ داری پوری ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایمان سے بھی نوازا ہے...... اور علم سے بھی نوازا ہے...... اور یہی دونوں چیزیں پورا دین ہیں، امام غزالی فرماتے ہیں، دین کیا ہے؟ فرمایا علم اور ایمان۔

ایمان اور علم: بلندی کے مؤثر اسباب ہیں!

حضور ﷺ کے آنے سے پہلے کفر تھا اور جہالت تھی..... کفر ختم ہوا اور ایمان آیا.....اور جہالت ختم ہوئی علم آیا..... چنانچہ جو آدمی اس راستہ میں ایمان اور علم کے ساتھ چلے گا تو اسے بلندیاں ملیں گی.....ترقیاں ملیں گی.... ﴿یرفع اللہ الذین آمنو منکم والذین اوتو العلم درجات﴾ اللہ تعالیٰ بلندی دیں گے ایمان والوں کو اور علم والوں کو، اس وجہ سے کہ علم والے رہبر ہیں، اور رہبری کے لئے علم شرط ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ دو نعمتیں دے رکھیں ہیں، حضور ﷺ کے ذریعہ سے ایمان ملا، ورنہ لوگ کفر اور شرک میں مبتلا تھے، اور جہالت میں مبتلا تھے..... جب یہ دونوں باتیں پیدا ہوگئیں تو اللہ تعالیٰ نے امت کو بلندی عطاء فرمادی، اور انہیں رہبری کا مقام دیا، اب یہ امت لوگوں کی آخرت کی طرف رہبری کرے گی، کیوں کہ ایمان بالآخرہ بھی ضروری ہے....نبیوں پر.....کتابوں پر..... ایمان لانا ضروری ہے.....جب یہ ذمہ داری پوری ہوگئیں تو اللہ تعالیٰ نے بلندی عطا کی، اور ہر اک کی بلندی، اور یہ بلندی ایسی تھی جسمیں وہ اسباب کے محتاج نہیں تھے، یعنی مالداری کی وجہ سے یا عہدہ کی وجہ سے یہ بلندی آئی ہو!!! ایسا نہیں ہے، ہاں!!! مالداری بھی آئی اور عہدے بھی آئے مگر وہ اصلی سبب نہیں تھے.....بلکہ انکا ایمان انکا علم یہ دونوں اصلی سبب تھے.....اسی کو حضرت عمر فرماتے تھے کہ ہم تو جاہل تھے، اللہ نے ہمکو اسلام سے عزت دی ہے......تو اصلی سبب ایمان یقین......اور اللہ کے اوامر کا علم......اللہ کی پاک صفات کا علم.....اسکی شان وشوکت کا علم.....یہ دونوں اصلی سبب تھے، فرماتے تھے اللہ نے ہمکو ان ہی دو چیزوں سے عزت دی......دوسری چیزوں سے عزت نہیں دی ہے، اگر ہم اور چیزوں میں عزت تلاش کریں گے تو اللہ تعالیٰ ذلیل کردے گا!

دین تسخیر عالم کا نسخہ ہے:

جب ایمان اور علم جمع ہوگیا تو دین جمع ہوگیا...... مولانا الیاسؒ فرماتے تھے کہ دین تسخیر عالم کا نسخہ ہے، اونچی بات ہے، تسخیر: اللہ تعالیٰ نے دنیا کی چیزوں کو بندوں کے کام میں لگایا ہے، ﴿ و سَخَّرَ لَكُمْ مَافِي السَّمٰوَاتِ وَمَا فِي الأَرْضِ جَمِيعاً مِنْهُ﴾ [الجاثیة/۱۳] تسخیر کا ترجمہ شاہ صاحب نے یہ کیا ہے کہ اللہ نے تمہارے لئے کام میں لگا دیا، سورج کو کام میں لگایا... چاند کو کام میں لگایا..... ہوا کو کام میں لگایا... پانی کو کام میں لگا دیا، سمندروں کو کام پہ لگایا.... و سخر لکم البحر۔ ان سب کو تمہارے کام میں لگا دیا..... تمہاری منفعت میں لگا دیا، یہ چیزیں تمہاری خدمت کریں گی، یہ تسخیر ربوبیت کی وجہ سے ہے، کہ ہمارا اللہ رب ہے، رب ہونے کیوجہ سے ان سب چیزوں کو کام میں لگا دیا۔

تسخیر کی دوسری قسم:

اور تسخیر کی ایک دوسری قسم ہے، جو پہلی قسم سے اونچی ہے، اور یہ تمہارے علم تمہارے ایمان کی وجہ سے، جیسے موسیٰؑ کے لئے سمندر پھٹ گیا، ابراہیمؑ کے لئے آگ ٹھنڈی ہوگئی، ایسا انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ ہوا...... اور یہ اعلیٰ درجہ ہے، اور وہ بھی تسخیر ہے، جیسے سمندر میں کشتی وغیرہ کے ذریعہ سواری..... یہ تو کافر مشرک سب کے لئے ہیں، لیکن سمندر پھٹ جاوے اور سمندر سے راستہ مل جاوے، یہ سب دین کی وجہ سے ہوا ہے..... بنجر زمین میں شادابی ہو جاوے، یہ سب کچھ دین کی وجہ سے ہوتا ہے.... حضرت مولانا الیاسؒ فرماتے ہیں کہ دین تسخیر عالم کا نسخہ ہے، کہ سارا عالم آپ کی خدمت کرے گا، یہ بلندی ہے..... اللہ کی طرف سے دین والوں کے لئے، جو ایمان

اور علم سے آراستہ ہیں اللہ انہیں یہ سب دیگا، یہ لوگ سب سے زیادہ ممتاز ہیں۔

علم: اللہ اور بندہ کے تعلق کو صحیح کرنے کے لئے ہے!

اس سے علم دین کی اہمیت معلوم ہوتی ہے، کہ علم دین کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتنی اہمیت ہے؟ علم کے فضائل ہیں...... ایمان کے فضائل ہیں..... جن کو ہم اور آپ روزانہ سنتے ہیں، کہ جس کے پاس ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ ہمیشہ کے لئے کامیاب ہوگا، چنانچہ اصلی فضیلت کو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا، اللہ نے حضرت محمد ﷺ کو جو علم عطا فرمایا ہے، اور جو انبیاء کرام کے ذریعہ سے اللہ نے پہونچایا، وہ علم مراد ہے، وہ علم نہیں جو انسان کو تجربوں سے حاصل ہوا ہے..... یہ ضروریات کے لئے ہے، اور وہ کامیابی کے لئے ہے..... اس لئے علماء نے فرمایا ہے جو علم اللہ تعالیٰ نے عطاء کیا ہے، وہ حقوق کی معرفت کے لئے ہے..... اللہ نے دنیا کو اس لئے بنایا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کے حقوق قائم ہوں گے، اور وہ حقوق ادا کئے جائیں گے، حقوق انسانوں میں قائم ہوں گے..... جانوروں میں نہیں!!! بقائے باہم انسانوں کے لئے ہے جانوروں کے لئے نہیں...... جانوروں کا اس سے کوئی تعلق نہیں.... کہ کون ماں ہے؟ کون باپ ہے؟ کون پڑوسی ہے؟.

حقوق کی اہمیت!

انسانوں کے آپس میں تعلقات ہیں، جانوروں کے آپس میں کوئی تعلقات نہیں..... صرف انسانوں کے تعلقات ہیں، اور جب انسانوں کے تعلقات ہیں تو ان کے حقوق بھی ہیں، انہیں حقوق کی تعلیم دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو اتارا، اور ان سب کے اوپر اللہ تعالیٰ کا حق ہے، حضور اکرم ﷺ حضرت معاذ کو اللہ کا حق سمجھا

رہے ہیں، اے معاذ اللہ کا ہم پر کیا حق ہے؟ انہوں نے عرض کیا: کہ میں کیا جانوں؟ آپ ہی بتائیں گے، اللہ کا کیا حق ہے، آپ ﷺ نے کہا اللہ کا حق یہ ہیکہ تو اسکی عبادت کرے..... اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے، اللہ کا بھی حق ہے، اور پھر بندوں میں آپس میں بھی حقوق ہیں...... ان حقوق کی سلامتی کی وجہ سے دنیا کی سلامتی ہے، ان حقوق کی پامالی کی وجہ سے دنیا کی پامالی ہے، اور اللہ تعالی کے حقوق پامال ہونگے تو زمین میں فساد آئے گا..... اللہ نے جن بعض قوموں کی ہلاکت کا ذکر کیا ہے، ان کے فساد کا ذکر کیا ہے. ﴿فَأَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ، فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ صَوْتَ عَذَابٍ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ﴾ [سورة :الفجر، آیت:۱۲ تا ۱۴] وہ صحیح معنوں میں اللہ کے ماننے والے نہیں تھے، انہوں نے نبیوں تک کو قتل کرڈالا...... جب اللہ کے حقوق کی پامالی ہوتی ہے، تو انسان قابو نہیں رہتا..... وہ فساد کا حامل ہوجاتا ہے، قارون سے فرمایا: ہم نے تم کو مال دیا ہے اسلئے آخرت بنالے، وَابْتَغِ فِيْمَا آتَاكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ اور آخر میں کہا ﴿ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ﴾ [سورة : القصص، آیت، ۷۷] جب اللہ تعالی کے حقوق پامال ہوں گے..... اور عبادت کا وجود ختم ہوجائے گا تو پھر فساد ہی فساد ہے، اس لئے اللہ کے حقوق ضروری ہیں، ورنہ زمین فساد سے بھر جائے گی..... اور جب اللہ دیکھیں گے کہ زمین پر فساد ہورہا ہے تو اپنی سزا اتاریں گے۔

حقوق کی پابندی ضروری:

اس لئے اللہ کے حقوق کی پابندی بھی ضروری اور آپس میں بندوں کے حقوق کی بھی پابندی ضروری..... اس مجموعہ کا نام ہے اطاعت ہے.... اسی کو زندہ کرنے کے

لئے نبیوں کی بعثت ہوئی ہے، کہ لوگوں کی زندگی میں اطاعت آوے، نبیوں کی بعثت اطاعت کے لئے ہے، اور اطاعت کے یہی معنی ہیں، ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُوْلٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللهِ﴾ [النساء/ ٦٤] اس لئے اللہ تعالی رسولوں کو بھیجتے ہیں، تاکہ زندگیاں اطاعت والی ہوجائیں، تو ایمان اور عمل کے مجموعے سے زندگیاں اطاعت والی بنتی ہیں۔

اللہ تعالی اطاعت پر انعام دیتا ہے:

اور اللہ تعالی کے سارے انعامات کا تعلق اللہ کی اطاعت سے ہے، ﴿وَمَنْ يُطِعِ اللهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰئِکَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللهُ﴾ الخ، جو اطاعت کریں گے وہ انعام پائیں گے، اور انعام پانے والوں کے ساتھ ہی رہیں گے...... اس لئے میں نے کہا کہ جو علم اللہ نے ہم کو اور آپ کو دیا اسکا موضوع دنیا بنانا نہیں ہے، بلکہ اس کا موضوع حقوق کی حفاظت ہے..... جو حقوق اللہ کے ہیں وہ ادا کئے جائیں، جان اور مال اور اللہ کی دی ہوئی طاقتیں یہ سب اللہ کی اطاعت میں استعمال ہوں، اسکے طریقے اسمیں بتائے جاتے ہیں، پھر آپس کے حقوق ...... اسکو معاشرت کہتے ہیں، اور معاملات کہتے ہیں، یہی سکھایا نبیوں نے کہ دوسروں کے ساتھ تمہارا رہن سہن صحیح ہوجاوے، بیوی کے ساتھ بھی صحیح ہوجاوے، ﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾، کہ تمہاری معاشرت تمہاری بیویوں کے ساتھ قاعدہ کی ہو. جیسے عورتوں کے بارے میں کہا ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ تمہارا عورتوں پر اتنا ہی حق ہے جتنا ان پر تمہارا حق ہے، یہ ہے آپس کا رہن سہن ہے..... اور اسکے احکام بھی ہیں، اور آپس کے رہن سہن کی بنیاد بتائی ہے، یہ علم ہے ہمارے معاشرت کی بنیاد.... دوسروں سے نفع حاصل کرنے پر نہیں ہے، بلکہ ہماری معاشرت دوسروں کو نفع پہونچانے کے لئے

ہے.... اس عمل میں یہی سکھایا ہے، اس لئے ہمارے معاشرت کی بنیاد احسان پر ہے...... جس طرح ہماری عبادت کی بنیاد یقین اور اخلاص پر ہے، اسلئے آیا ہے کہ "إِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَ" کہ جانور ذبح کرو تو احسان کے ساتھ ذبح کرو، "وَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ" اور سانپ مارنا ہے تو فوراً مار ڈالو ستا ستا کر مت مارو۔

حضور ﷺ کی معاشرت!

اس طرح غور سے پڑھا کریں کہ حضور ﷺ جو معاشرت لائیں وہ کیسی ہے، دشمنوں کے ساتھ، وہ کیسے ہیں؟ کہ دشمن کے ساتھ دشمنی کرنا جائز مگر انصاف سے، جتنی دشمنی ہے اتنی! بس، اس سے زیادہ نہیں..... ﴿اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ کسی کی دشمنی تمہیں حد سے آگے نہ جانے دے، ہم کو پابند کیا ہے، اور یہ سب اطاعت ہے، دشمنوں کے ساتھ دشمنی میں اطاعت، اپنوں کے ساتھ معاشرت میں اطاعت۔

معاشرت احسان کے ساتھ:

ہماری معاشرت..... ہمارا رہن سہن احسان پر ہے، احسان کی پوری تفصیل بتائی ہے، کہ احسان کہاں کہاں کرنا ہے، ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا..... وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ [النساء/۳۶] احسان کرنے کی بڑی فہرست دی ہے، حضور ﷺ کو رحمت بنا کر بھیجا تھا، اور آپ پر یہ بات نازل ہوئی کہ ان سب کے ساتھ احسان کرو!!! اسمیں بھی درجے رکھے، چنانچہ سب سے پہلے ماں باپ، کیوں کہ ماں باپ کا کوئی بدل نہیں ہے، میری والدہ کا ۸۴ء میں انتقال ہوگیا تھا، تو میں حضرت جی کے پاس گیا..... آپ نے تعزیت کے طور پر مجھ سے فرمایا کہ ماں باپ کا بدل تو صرف اللہ ہی ہوسکتا ہے..... اور کوئی نہیں ہوسکتا، ماں

باپ سے زیادہ کوئی مہربان نہیں، سوائے اللہ کے، اللہ سب سے زیادہ مہربان ہیں.....
پھر ماں باپ، اس لئے احسان کرنے میں انکا درجہ پہلا ہے، انکے لئے دعاء مانگو.....
انکی حدمت کرو! یہ ہمیں معاشرت کا علم دیا ہے۔

زندگی میں عدل اور احسان:

حضور ﷺ کو ایمانیات کا......اخلاق کا......معاملات کا......معاشرت کا......
کامل علم دیا گیا...... اور اسکی بنیادیں بتائیں کہ ہماری زندگیاں لوگوں کے ساتھ
احسان والی ہوں، انصاف والی ہوں، انصاف یہ ہے کہ جو اپنے لئے پسند کریں گے
وہی دوسروں کے لئے پسند کریں گے، اور جو اپنے لئے نہیں پسند کریں گے وہ دوسروں
کے لئے نہیں پسند کریں گے، ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالاحْسَانِ﴾، اللہ تعالیٰ
انصاف کرنے کا اور احسان کرنے کا حکم دیتے ہیں، اس لئے ہماری معاشرت کی وجہ
سے انسانیت کے اندر بھائی چارگی پیدا ہو جاتی ہے، اگر حضور ﷺ والی معاشرت
وجود میں آجائے تو تمام دشمنیاں ختم ہو جائیں، جیسے اسلام سے پہلے انصار مدینہ دشمن
تھے، پھر بھائی بھائی ہوگئے، اور قرآن نے کہا کہ، ﴿فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَاناً﴾
یہ معاشرت انکو حضور ﷺ سے ملی ہے، ورنہ وہ ایک دوسرے کے برسوں سے دشمن
تھے.....اور اس دشمنی میں فساد بھی ہو رہا تھا، اور لوگ ذلیل بھی ہو رہے تھے، اور اب
حضور ﷺ والی معاشرت کی وجہ سے زندگیاں بدل گئیں، اس لئے اپنی جان سے
اپنے مال سے احسان کو زندہ کرو! اور احسان سب کے ساتھ کرو!، حتیٰ کہ کسی جانور کو
ذبح کرو تو اسکے ساتھ بھی احسان کرو! تا کہ اسکو تکلیف نہ ہو۔

سچے تاجر کی فضیلت:

جس طرح ہماری معاشرت کی بنیاد احسان پر ہے، اسی طرح ہمارے معاملات کی بنیاد امانت داری اور سچائی پر ہونی چاہئے، ہم سچائی کے ساتھ لین دین کریں، تاکہ ہماری لین دین سے کسی کو نقصان نہ ہو.....اور تاجر کو سچا اور امانت دار ہونا چاہئے، حدیث میں آیا ہے، "التاجر الصدوق الأمین" چنانچہ ہمکو مختلف چیزیں دی ہیں، معاشرت کا علم دیا.....معاملات کا علم دیا.....تو جس کی تجارت پاک ہوگی وہ نبیوں کے ساتھ ہوگا، صدیقین کے ساتھ ہوگا، اللہ کے عرش کے سایہ میں ہوگا، یہ سب کچھ ہمکو اس لئے دیا ہے تاکہ حقوق کی حفاظت ہو۔

اخلاق کی تعلیم:

اسی طرح اللہ تعالی نے ہمکو اخلاق کا علم دیا، اور اخلاق سکھائے، کہ ہمارے اندر ایسی صفات پیدا ہو جاویں جن صفات سے دوسروں کو نفع پہونچے، اور دوسروں کو نفع پہونچانے کا حرص پیدا ہو جاوے.....حضرت عائشہؓ کے پاس ایک عورت آئی، وہ بہت غریب تھی، اس زمانہ میں غربت عام تھی، وہ کوئی چیز ہدیہ دینے کے لئے لائی تھی، حضرت عائشہؓ کو اس پر بہت رحم آیا، کہ یہ بیچاری خود کتنی ضرورت مند ہے؟ اس احساس سے حضرت عائشہ نے ان کا ہدیہ نہیں لیا.....اور اسکو سمجھا کر واپس کر دیا...... جب حضور ﷺ تشریف لائے تو پوچھا، اللہ جزائے خیر دے حضرت عائشہ کو!!! وہ اپنے بارے میں اور آئندہ کیا ہونا ہے اس بارے میں حضور ﷺ سے سوالات کیا کرتی تھیں، ان کے سوالات سے امت کو بہت فائدہ ہوا ہے، مثلاً حضرت عائشہ نے پوچھا کہ میں شب قدر میں کیا دعا مانگوں؟ حضرت عائشہ کے سوال سے ہم کو دعا مل گئی، یہ ان کا علمی مزاج تھا.....اس لئے وہ اپنی چیزیں پیش کرتی تھیں، کہ میں نے آج ایسا کیا صحیح ہے یا غلط؟ تو حضور ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ میرے پاس ایک

عورت آئی تھی، اور وہ ایسی ایسی تھی، تو میں نے اسکا ہدیہ اسکو واپس کر دیا..... تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اسکا ہدیہ لے لینا چاہئے تھا، اور اپنے پاس سے اچھا ہدیہ دینا چاہئے تھا، یہ اخلاق کی تعلیم ہے...... حضور ﷺ احسان کے جواب میں احسان کرتے تھے، یہ آپ کی عادت شریفہ تھی، احسان کے جواب میں احسان، اور ظلم کے جواب میں درگزر، یہ اخلاق کی تعلیم دی ہے۔

اس لئے ہم نے کہا کہ ہمیں ہر لائن کا پورا علم دیا گیا ہے، اور یہ سب اسلئے ہے تاکہ دنیا میں حقوق ادا ہو جاویں، جس قسم کے بھی حقوق ہوں! چاہے واجب ہوں..... چاہے حقوق مستحبہ ہوں..... وہ سب ادا ہو جاویں، اس لئے علم اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے، اور اس علم کی ایک شرط یہ ہے کہ اس کے حق ہونے کا یقین کرے، ﴿اِنَّا أَرْسَلْنَاکَ بِالْحَقِّ بَشِیْراً وَ نَذِیْراً﴾ [فاطر/۲۴]، ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا۔

علم نبوی کا تقاضہ:

جو چیز حضور پر اتری ہے اس کے حق ہونے کا یقین کرنا ہے، اور رسالت کا حق یہی ہے کہ آپ کو سچا رسول مانیں! آپکی باتوں کو سچا مانیں! اس عم کے حق ہونے کا یقین ہو! اور دوسرا یہ کہ اپنے آپ کو اس علم کا تابع بنانا یہ اس علم کا حق ہے..... تو پھر اس علم کے سارے ثمرات اللہ تعالیٰ مرتب کریں گے...... حضورؐ کو خود بھی اللہ تعالیٰ نے اس علم کا تابع کیا، کہ آپ اس کے تابع رہیں! ﴿وَاتَّبِعْ مَا أُوْحِیَ إِلَیْکَ﴾ جو چیزیں آپ پر اتری ہے آپ اس کے تابع رہیں! تو خود نبی کو بھی استقامت کا حکم ملا.....﴿فَاسْتَقِمْ کَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَکَ﴾ آپ تابع رہیں! اور آپ استقامت اختیار کریں!! تو اس عم کا یہ تقاضہ ہے کہ اپنے آپ کو اس کا تابع بنانا ہے، اور اس پر یقین کریں کہ یہ حق ہے، جو اپنے آپ کو اس علم کا تابع بنا لیگا وہ

راشد ہے.....وہ راستہ پایا ہوا ہے.....جو تابع نہیں وہ غاوی ہے، یعنی راستہ بھٹکا ہوا ہے، بہکا ہوا ہے، ﴿أُولٰئِکَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ﴾ صحابہ کو کہا گیا ہے کہ وہ راشد ہیں یعنی یہ لوگ راستہ پائے ہوئے ہیں.....نہیں تو پھر غاوی ہیں.....شیطان کے تابع ہیں.....شیطان کی تابعدار کرنے والے اور خواہشوں کی تابعداری کرنے والے غاوی ہیں.....وہی شیطان کے ساتھ ہوتے ہیں۔ ﴿إِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ مِنْ سُلْطَانٍ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْغَاوِیْنَ﴾ [الحجر/۴۲] یہ غاوی ہیں، اور وہ راشد ہیں۔

انبیاء کرام کی وراثت:

دنیا میں اللہ نے جو علم دیا ہے اس میں رشد ہے اور ہدایت ہے.....لیکن ان لوگوں کیلئے جو اپنے آپ کو اس کا تابع بنائیں، اس علم کے ذریعہ سے اپنے آپ کو حکموں پر چلائیں، حکموں پر چلنے سے اس کا صحیح استعمال ہوتا ہے، اور یہ اس لئے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا تک پہنچ جاویں.....اسی لئے بڑا درجہ علم والوں کو ملتا ہے، سب سے بڑا درجہ انبیاء کرام کا ہے، وہ علم لے کر آتے ہیں، ان کے پاس اور کوئی چیز نہیں ہوتی.....انبیاء کیا لائے؟؟؟؟ وہ علم لیکر آئے، اسی علم کا لوگوں کو وارث بناتے ہیں، اور لوگوں کو اسی علم کا تابع ہونے کی دعوت دیتے ہیں.....بلکہ سیکھنے کی.....پڑھنے پڑھانے کی.....تعلیم دیتے ہیں، اس علم کے مقابلے میں کوئی چیز بڑی نہیں!! دنیا کی دولت اس علم سے بڑی نہیں ہے!! یہ سب سے بڑی چیز ہے، علم جو اللہ نے دیا ہے، یہ علم سب کی ضرورت ہے.....حاکم کو حکومت میں اس علم کی ضرورت ہے.....اور تاجر کو تجارت میں اس علم کی ضرورت ہے.....ہر کام کرنے والوں کو اس علم کی ضرورت ہے.....تاکہ انسان اس علم کے ذریعہ سے اللہ کی رضا حاصل کرلے! نہیں تو وہ اللہ کی ناراضگی میں پہنچ جائے گا،

اگر حاکم کے پاس یہ علم نہیں تو وہ ظالم بن جائے گا...... اس علم کے بغیر تاجر خائن بن جائے گا...... اسی طرح کے فضول کام میں چلا جائے گا، اس لئے علم کا ہونا ہر ایک کیلئے ضروری ہے، کہ اس کا سیکھنا فرض ہے، اس پر عمل کرنا ضروری ہے...... اسے سیکھو!

ترغیب اور بشارت کی اہمیت:

حضور کے زمانہ میں جہالت تھی...... شرک تھا...... حضور ﷺ نے لوگوں پر بہت محنت کی ہے، ان کے مزاجوں کو بدل دیا، اور ان کو دین کا طالب بنادیا، دین کا طالب بنانے کیلئے آپ نے کیا چیزیں استعمال کیں؟ تو وہ ترغیب کا علم تھا جو اللہ نے آپ پر نازل کیا...... نبیوں کو اللہ نے نذیر بشیر بنا کر بھیجا، وہ بشارتیں سناتے ہیں، کہ اللہ سے یہ چیز لو! اللہ سے وہ چیز لو! اس لئے اللہ کو ایک مانو! اللہ کو ایک منوانے کے لئے توحید کی دعوت دیتے تھے۔ جب یہ بات مانو گے تو یہ دے گا وہ دیگا...... وہ دیگا...... تو بشارتیں سناتے تھے۔ انجام سے ڈراتے تھے، یہ نہیں کرو گے تو ایسا ہو جائے گا، یہ طریقہ ہے لوگوں کو لانے کا...... لوگوں کو بشارتیں سناؤ! اور انجام سے آگاہ کرو! دوسری چیز ان میں طلب پیدا کرنے کیلئے اور تعلق پیدا کرنے کے لئے اللہ کے رسول نے ان سے اخلاق کا معاملہ کیا، ان کے پاس جہالت تھی، حضور ﷺ نے جہالت کے بدلے اخلاق سے معاملہ کیا، اسی سے طلب پیدا ہوگی، اس علم کے ساتھ لوگوں میں ہمدردی ہوتی ہے، آپ ﷺ کے وقت میں جہالت اونچے درجہ کی تھی، اس لئے آپ کو اخلاق کا بہت درجہ دیا گیا...... اس لئے اللہ تعالیٰ فرمایا ﴿وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ آپ کے دور میں جہالت بہت زبردست تھی، ایسی جہالت کبھی نہیں ہوئی، اور برسوں سے دین کی باتیں لوگوں کے کان میں آئی نہیں...... برسہا برس ہو گئے، حضرت عیسیٰ سے لے کر آپ تک۔ اس جہالت کے جواب میں حضور ﷺ کو اعلیٰ اخلاق سے نوازا،

چنانچہ آپ نے اخلاق سے باور کرایا، ﴿خُذِ العَفْوَ وَأمُرْ بِالعُرْفِ وَأعْرِضْ عَنِ الجَاهِلِيْنَ﴾ یہ اصول کی بات ہے. کہ آپ اخلاق سے پیش آئے لوگ گرویدہ ہوگئے......انکو تعلق پیدا ہوگیا......محبت پیدا ہوگئی......پھر اس کے بعد دین آیا......آپ دین دیتے چلے گئے اور وہ لوگ دین سیکھتے چلے گئے، اور دین پھیلتا چلا گیا۔

دعوتی اسلوب:

ہمارے لئے یہی طریقہ ہے......کہ لوگوں کو بشارتیں سنائیں! ان کو انجام سے ڈرائیں! ان کی جہالت پر درگزر کریں! ان سے اخلاق سے پیش آئیں! اسی لئے محبت کریں گے جسے دین سکھائیں گے اس سے اخلاق سے پیش آئیں گے، وہ آپ سے محبت کرے گا......وہ آپ کی ہر چیز قبول کرلیگا......تو ہمارے دین میں دونوں باتیں ہیں...... ہمارے دین میں اخلاق بھی ہیں...... اور انصاف بھی ہے......اور ہمارا انصاف بھی ہے، اور ہمارا اسلوب بھی ہے، کہ ہم بشارتیں سنائیں انجام سے ڈرائیں! طعن تشنیع ہمارے پاس نہیں ہے ہمارے دین میں زبردستی نہیں ہے، یہ ایک طریقہ ہے، اسی طریقہ سے لوگوں میں محبت پیدا ہوگی، پھر وہ آپ کی ہر بات قبول کریں گے، اور معاشرہ درست بن جائے گا، ایک ماحول بن جائے گا، ایسے ماحول میں جو بات سمجھائی جاتی ہے اس کو آدمی ذمہ داری سے قبول کرتا ہے۔ حضرات صحابہ کا یہی واقعہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق پیدا ہوگیا تو آپ کی کوئی بات گرنے نہیں پائی......صحابہ سے کوئی بات کہی ہو اور نہ لی گئی ہو ایسا نہیں ہوا، ایک آدمی حاضر خدمت ہوا، اور اسکو سب کے سامنے ڈکار آئی......آپ نے فرمایا ڈکاریں کم کرو "اکثر من جشائك" تو بس تیس برس تک پیٹ بھر کے کھایا نہیں، دن میں کھاتے تو رات میں نہیں کھاتے......رات میں کھاتے تو دن میں نہیں کھاتے......اپنے کو اتنا پابند بنایا......

یہ پابندی کوئی قانون کی پابندی نہیں تھی، بلکہ تعلق کی پابندی تھی، اس لئے یہ طریقہ کام کرنے والوں کیلئے مشکل ہے، ہمارے نبیوں پر بہت مشکلیں گزرتی تھیں، انہیں مشکلوں کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں محبت ڈالتے ہیں...... ہدایتیں ڈالتے ہیں...... پھر تو وہ پابند ہو جاتے ہیں...... کہ اللہ اور رسول کو ناراض نہیں کرنا ہے۔

اخلاق سے دشمن دوست ہو جائے گا:

یہ بینادی اسلوب ہے، مگر ہے مشکل! اس لئے اس کام کیلئے پتہ مارنا پڑتا ہے...... اپنے آپکو مارنا پڑتا ہے، پھر دشمن دوست بن جائے گا۔ ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ﴾، یہ بشارت ہے کہ اخلاق سے پیش آؤ گے...... تو دشمن بھی تمہارا دوست ہو جائے گا۔ اللہ کے حضور نے ایسا ہی کیا کہ لوگوں کو اخلاق ومحبت سے دین سمجھایا، اس اسلوب میں ظاہر ہے اپنے آپ کو پیسنا پڑتا ہے، اپنے آپ کو بنانا پڑتا ہے...... اخلاق والا...... اخلاص والا...... پستا ہے، نبی امت میں خود ہی پہنچتے ہیں۔ ان کی طرف سے کوئی طلب نہیں آتی، اپنے بھائی کے پاس جاتے کہ ان کے اندر دین کی تڑپ پیدا ہو جائے، یہ نہ ہو کہ وہ سنتے نہیں...... وہ بات مانتے نہیں...... یہ پتہ مارو کام ہے، لیکن کام بن جائے گا، دشمن دوست ہو جائے گا، ہاں لیکن دیر لگے گی...... وہ دیر اس لئے لگی کہ حق اور باطل میں فرق ہے...... حق اپنا اثر دیر سے بناتا ہے، اور باطل کا اثر فوراً ظاہر ہوتا ہے، اور باطل جلدی پھیل جائے گا۔

حق محنت سے پھیلتا ہے:

اس لئے حق والوں کو محنت کرنی پڑتی ہے...... حق کی مثال ایسی دی ہے جیسے زمین

سے کوئی چیز اگے...... ایسے ہی حق ہے، لیکن دلوں میں جڑ پکڑتا ہے، وہ زمین میں جڑ پکڑتا ہے، تو جتنی اسکی جڑ مضبوط ہوتی ہے اتنا اس کا تنا مضبوط ہوتا ہے...... اس طرح جب ایمان دلوں میں جڑ پکڑ لے گا تو وہ مضبوط ہوتا چلا جائے گا، لیکن لگے گی دیر!!! اس لئے اس پر محنت زیادہ کرنی پڑے گی، اس پر وقت زیادہ لگانے پڑیں گے، تاکہ یہ دین دلوں میں اتر جائے، حضرت مولانا الیاسؒ فرماتے تھے حق بات کے لئے اللہ نے فرمایا ﴿وما علینا الا البلاغ﴾ یہ بلاغ صرف کانوں تک نہیں ہے، بلکہ یہ بلاغ دلوں تک ہے، تاکہ دلوں میں اتر جائے، تو دلوں تک صحابہ کرام اتار دیتے تھے۔ گویا کہ یہ بات ہمارے دلوں میں پھونک دی ہے، سنی بھی...... سمجھی بھی...... اور یقین بھی کیا ہے۔

صحابہ کا علمی مذاکرہ:

حضرت انسؓ فرماتے تھے کہ ہم صبح کی نماز کے بعد حضورؐ کے یہاں بیٹھ جاتے تھے پھر حضورؐ اپنی باتیں فرماتے تھے...... اور مجلس ختم ہو جاتی تھی، تو ہم ان باتوں کو آپس میں دہراتے تھے...... تو ایک ایک بات چار چار مرتبہ ہم پر گزرتی تھی، تکرار کرتے، جب مجلس ختم ہوتی تھی تو معلوم ہوتا تھا کہ یہ چیزیں ہمارے دلوں میں آگئی ہیں، اس کو کہتے ہیں رسوخ فی العلم، علم پکا ہو گیا...... تو حاصل کرنے کی بھی محنت...... پھر عمل کرنے کی بھی محنت...... اس کے تقاضے بھی پورے کرتے تھے، اس لئے رشد والے ہدایت والے ہو گئے۔

علم دین کے اثرات:

پھر اس علم کے اثرات دنیا خود دیکھے گی...... کہ یہ لوگ بھائی بھائی ہو گئے، ان کے

حقوق ادا ہو گئے، ان کی فضا محبت والی ہو گئی، اور ان کی زندگیاں ساری کی ساری اطاعت والی بن گئی، حیات طیبہ ان کو ملی...... اطاعت کی وجہ سے...... یہ اس علم کا نتیجہ ہے، ایمان اور علم یہ دونوں بڑی نعمتیں ہیں...... حضور ؐ کو علی وجہ الاتم یہ سارے علوم دیئے گئے تھے، اس لئے ہماری ذمہ داری اس علم کی وجہ سے بڑھ جاتی ہے، کہ ہم اپنے آپ کو اس علم کی روشنی میں چلائیں گے، اور امت کو بھی چلانا ہے، حضرت مولانا یوسف ؒ فرماتے تھے کہ علماء کی ذمہ داری ہے کہ علماء کو پیدا کریں...... علماء اپنی محنت سے علماء پیدا کریں،...... علماء تیار کریں، تاکہ ذمہ داری لینے والے یکے بعد دیگرے آتے رہیں اور حالات بہتر بنیں، جیسے صحابہ نے کیا...... علماء کو تیار کیا...... اپنے غلاموں کو علماء بنایا...... ان کے غلام ہیں خدمت گزار...... ان کو عالم بنایا، اپنی محنت سے اپنی کاوش سے...... صرف یہ نہیں کہ ان سے خدمت لی...... کام کاج کروائے...... کام بھی کرایا اور ان کو علم بھی دیا، اور ان کو بڑے بڑے عالم بنائے، یہ کون ہیں؟ یہ فلاں کے مولیٰ ہیں! یہ ان کے غلام ہیں! یہ نافع ہیں، بہت بڑے عالم ہیں، نافع عن ابن عمر روایتوں میں ہے...... یہ ذمہ داری ہے کہ علماء تیار کریں، جو ذمہ داری دی گئی ہے اسے پوری کریں...... دوسری بات یہ ہے کہ علماء کے ذمہ ہے لوگوں کو طبقات کا علم دیں! تاکہ زمین داروں کے پاس علم پہنچے! عہدے داروں کے پاس عہدے داری کا علم پہنچے...... تاجر کے پاس تجارت کا علم پہنچے...... تاکہ اس کی تجارت دین بن جائے...... ہماری کتابوں میں تجارت کے بارے میں مضاربت وغیرہ کا بیان ہے، جی ہاں! تجارت کا علم دیا، یہ علماء کی ذمہ داری ہے تو اس سے تمام طبقات کو علم ملتا ہے۔

جہالت کا انجام جہنم ہے:

تو علم دینے والوں کو تیار کرنا ہے، یہ ذمہ داری بتائی ہے، حدیث کا درست مفہوم

سمجھانے والے...... فقہ والے...... فتاویٰ دینے والے...... ضروریات کے مطابق اصولوں سے فروعات کا استنباط کر کے سمجھانے والے...... کیوں کہ نئے نئے تقاضے پیدا ہوں گے، ایسے علماء ہونے چاہئے کہ اصولوں سے استنباط کریں، اور پھر لوگوں کو سمجھائیں، تا کہ ہماری زندگی علم پر رہے...... کیونکہ علم اور ایمان دونوں بنیادی چیزیں ہیں، میں نے کہا جب تک ایمان پر زندگی ہے تب تک ہماری زندگی میں خیر ہے، جب علم اٹھ جائے گا تب جہالت والی زندگی ہو جائے گی، پھر سارے حقوق پامال ہوں گے، جاہل اس کو کہتے ہیں جس کو حقوق کا علم نہ ہو، اور اس کا انجام ظاہر ہے...... جہالت کا انجام کیا ہے؟؟؟ جہالت کا انجام جہنم ہے، ایک چھوٹی سی کتاب میں پڑھا تھا، اصول کریمہ ہے تو کتاب چھوٹی...... لیکن باتیں اس کی بڑی بڑی ہیں، کتاب لکھنے والا بڑا ہے، کہ دیکھو جاہلو! آنکھیں بند مت کرو! کیونکہ جہالت کا انجام جہنم ہے، کیونکہ حقوق کی پامالی ہے، تو جاہل انسان ماں باپ کو مارے...... تو یہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا ہے کہ ہم کو دین دیکر اور علم دیکر جہالت سے نکالا...... اور حقوق پر...... احسان پر...... انسان بنایا کہ ہمارے حقوق کی ذمہ داری احسان ہوگا، انصاف ہوگا...... پھر رحمت ہماری طرف متوجہ ہوگی۔

دعوت سے طلب پیدا ہوتی ہے:

اسی سے ہمارے حالات ٹھیک ہونگے ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ فرمایا گیا، کہ اطاعت کرو اللہ کی...... اطاعت کرو رسول کی، تا کہ تم پر رحم ہو جاوے، تو رحم کے حالات اطاعت کے ساتھ آتے ہیں، بغیر اطاعت کے رحم کے حالات کیسے آئیں گے، اس لئے دنیا میں اطاعت کی فضا بنانا ہماری ذمہ داری ہے، تو اطاعت سے کریں گے...... محنت کریں گے...... اس سے فضا بنے گی، طلبہ میں

طلب پیدا کرانا یہ بنیادی کام ہے، جب طلب پیدا ہوگی تو وہ خود ہی تلاش کریں گے، طلب کی وجہ سے سلمان فارسیؓ۔ان کے ماں باپ مجوسی، ماحول ان کا مجوسی۔اللہ نے دل میں طلب پیدا کی تو کتنے کتنے سالوں تک دین حق کی تلاش میں رہے، ڈھائی سو سال کی عمر پائی، اوراس علم کی طلب میں اللہ تعالی نے انکو حضور ﷺ تک پہونچادیا، اور وہ صحابی ہو گئے...... اللہ کے یہاں طلب کی قدر ہے، اللہ کے یہاں طلب اصل ہے، جب طلب پیدا ہوگی تو لوگ علم حاصل کریں گے، اور انکو اپنی غلطی کا احساس ہوگا، دعوت اس لئے ہوتی ہے کہ امت میں تڑپ پیدا ہوجاوے، تعلق پیدا ہوجاوے، اللہ کی نعمتوں کا احساس اور اس کے تقاضوں کا احساس پیدا ہوجاوے۔

اچھے اسلوب سے دعوت دیں:

اور اس کا یہی اسلوب ہے، کہ ان کے ساتھ اخلاق سے ترغیب وترہیب سے ان کو مائل کرنا......ان کے نہ ماننے پر مایوس نہ ہونا، بعض لوگ دیر سے مانتے ہیں، بعض لوگ جلدی مانتے ہیں...... طبیعتیں مختلف ہیں۔ اب اس کی فضاء بنانی ہے، سب کی طبیعتوں کا یہ حال ہے، اس لئے اس کی محنت مل جل کر کی جائے گی، سب کو یہ محنت کرنی ہے......محنت مل جل کے کی جاتی ہے......اس لئے اپنے آپ کو اس محنت میں لگانا ہے، یہ بنیادی محنت ہے، اور اسکی ضرورت ہے......ہم کو اپنی حیثیت سے طلب آئے گی، اور ان کو ان کی حیثیت سے طلب آئے گی۔

طلب مختلف ہوتی ہیں:

جو لوگ لاکھوں کماتے ہیں، ان کے اندر لاکھوں کی طلب ہوتی ہے...... جو لوگ دس بیس کماتے ہیں ان کے اندر دس بیس کی طلب ہوتی ہے......تو طلب بھی مختلف ہیں، جو کیلا بیچتا ہے اس کو لاکھوں کی طلب کہاں ہوگی؟ اس کو دس بیس روزانہ مل

جاوے...... اس کو روزی مل جاوے ......ابھی اس کی حیثیت نہیں، جب اس کی حیثیت بڑی ہو جاوے گی تو وہ بھی لاکھوں کی سوچے گا، طلب کے درجہ ہیں...... جو بھی ہو، حالانکہ دین کی طلب محمود ہے...... لوگوں کے نہ ماننے سے مایوس نہ ہونا چاہئے.

دین ناگواریوں سے آتا ہے:

یہ دین ناگواریوں کے ساتھ آتا ہے...... جیسے گلاب پھول کے ساتھ کانٹا ضروری ہے، ایسے ہی دین، تو سننے والے...... سنانے والے...... پہنچانے والے...... ہر ایک کے ساتھ ناگواری ضرور آتی ہے، اسی کے ساتھ اللہ ان کو دیتے ہیں، اس لئے ان ناگواریوں پر صبر کرنا ہے...... یہ بھی ثواب کی بات ہے، ان ناگواریوں پر صبر کرنا...... یہ بھی اخلاق کی بات ہے، جو ان ناگواریوں پر صبر کرلے تو پھر ان ناگواریوں کا نتیجہ اللہ اچھا لاتے ہیں، کہ انہوں نے ہماری وجہ سے صبر کیا ہے، ہماری وجہ سے ایذائیں برداشت کی ہیں، اگر ہم صبر کے ساتھ کام کریں گے تو پھر اس کے اچھے نتیجے آئیں گے، حضرت عبداللہ بن عوفؓ فرماتے تھے کہ ہم نے ساری خیر ناگواری کے راستے سے پائی، یہ ان کی پوری زندگی کی رپورٹ ہے، کہا ”وجدنا خیر الخیر فی الکرہ والشدۃ“ ہم نے ساری خیر ناگواری سے پائی...... ناگواریاں ہمارے کام آئیں...... اور ہم نے ان کو جھیل لیا برداشت کرلیا، اپنی ذمہ داری پوری کرتے رہے، اب اللہ تعالیٰ نے یہ عافیت ڈالی، حق سریع السیر نہیں ہوتا، بلکہ بطیئ السیر ہوتا ہے، بات کے جمنے میں بات کے مضبوط ہونے میں دیر لگتی ہے...... اس لئے اسکی طرف توجہ بھی دیر تک لگانی پڑے گی، اس پر توجہ لگاوے اپنی ذمہ داریاں پوری کرلے اخلاص کے ساتھ اور امانت داری کے ساتھ...... پھر اللہ تعالیٰ کسی اخلاص والے کی کوشش کو برباد نہیں ہونے دے گا، یہ ضابطہ ہے ﴿اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا﴾ یہ بات

اللہ تعالیٰ نے حاکمانہ انداز سے فرمائی...... ہم وہ ہیں کہ کسی احسان کرنے والے کی کوشش کو ضائع نہیں ہونے دیں گے، اس کا اجر ثواب ہم برباد نہ ہونے دیں گے، ہم اسے پورا پورا بدلہ دیں گے، اس کا اجر بھی لگا لیں گے، اور اثر بھی پیدا کریں گے، دونوں چیزوں سے نوازیں گے، اثر بھی پیدا کریں گے اور اجر بھی دیں گے۔

اللہ سے حسن ظن:

جن اخلاص والوں نے اخلاص سے کام کیا ہے، اللہ کو سامنے رکھ کر...... آخرت کو سامنے رکھ کر...... ان کی کوششوں کا اثر بھی ظاہر ہوگا، اور اجر بھی ملے گا، تو اثر اور اجر دونوں ہوتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ سے پر امید ہو کر اور حسن وظن سے کام کیا جاوے! حدیث شریف میں ہے کہ اللہ سے حسن ظن رکھو! جابر بن عبداللہ فرماتے تھے: حضورؐ نے اپنی وفات سے تین دن پہلے فرمایا کہ جابر تمہاری موت اس حال میں آوے کہ تمہارا کام اللہ سے اچھا ہو...... اللہ سے گمان اچھا رکھیں! کہ ہم محنت کر رہے ہیں اور یہ محنت برحق ہے، اور اللہ تعالیٰ کبھی بھی کسی محنت کرنے والے کی محنت کو ضائع نہیں ہونے دیتے...... اور اسکے اثر کو بھی زندہ کر دیں گے...... اور اس کے اجر کو بھی زندہ کر دیں گے، حدیث میں صاف آیا ہے: ''ابشروا و أملوا ما یسرکم'' خوشخبریاں لو اور امیدوار رہو پھر ایسے حالات لاوے گا جو تمہیں خوش کر دیں گے، اس میں مایوسی نہیں ہے، مایوسی کی کوئی جگہ نہیں، دیر لگے گی...... تو قربانیاں زیادہ بنے گی، زیادہ محنتیں وجود میں آئیں گی، اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہیں بندوں کی محنت، اور بندوں کی قربانیاں، بندوں کا نتیجہ بندوں کے ذمہ نہیں کیا ہے...... وہ تو اپنے ہاتھ میں رکھا ہے، تو پھر کیا مطلوب ہوا، ہماری محنت مطلوب ہوئی، بس محنت کر لی قربانی دے دی، اخلاص کے ساتھ، تو پھر ہمارا کام بن گیا، آگے کیا ہے؟ اللہ ہے، اللہ کی مدد ہے اسکے ساتھ، مدد تو بطور نتیجہ کے آوے گی۔

علم استقامت کا متقاضی ہے:

علم کا تقاضہ ہے استقامت...... کہ اپنے آپ کو اس علم کا پابند بنانا...... ذاتی زندگی میں بھی...... اور اجتماعی زندگی میں بھی...... ذاتی زندگی میں بھی سنتیں ہوں، اور اجتماعی زندگی میں بھی...... اور زندگی قربانی والی مشوروں والی، اطاعت والی ہو، اس سے زندگی میں حرکت رہے گی، جب اس زندگی کو حرکت ملے گی تو لوگوں کے دلوں تک بات آجاوے گی، اس لئے حضور ﷺ نے امت کو حرکت دی ہے...... کہ جس کے پاس جو خیر ہے اس خیر کے ساتھ حرکت کرے، کلمہ ہے، تو کلمہ کے ساتھ حرکت کرے، نماز ہے تو نماز کے ساتھ حرکت کرے، علم ہے تو علم کے ساتھ حرکت کرلے، یہ محنت سب لوگ کریں، جیسے چکی کو حرکت دیتے ہیں تو چاروں طرف آٹا گرتا ہے، ایسے ہی حرکت دیں امت کو...... امت کے پاس جو خیر ہے اسے وہ حرکت میں لاویں اپنی ذات سے عمل کرکے دوسروں کی زندگیوں میں لادیں، تو پھر وہ کوشش بڑھ جاوے گی، حرکت کیوجہ سے اور پھیل جائے گی، اور لوگ اسے لیں گے، اور حرکت کریں گے، ہمارے ذمہ استقامت ہے تاکہ جو حقوق ہیں وہ پورے ہوجائیں۔

سادگی میں کام کی حفاظت ہے:

میرے دوستو! یہ کام بڑا سادہ ہے، اللہ نے اس کو سادہ رکھا ہے...... نبیوں کے جتنے کام ہیں، اور جتنے طور طریقے ہیں اللہ نے انہیں سادگی رکھی ہے، شور نہیں ہوتا...... نعرے نہیں ہوتے...... سادہ! اس لئے اپنے آپ کو نیچا کرنا پڑتا ہے، سادگی سنت کی طرف لے جاتی ہے، یہ کام سادہ ہے۔ اللہ نے اس پر سادگی کا پردہ ڈالا ہے...... یہ اللہ کی حکمت ہے، کہ اس کو سادگی کے پردے کے نیچے رکھا! تاکہ اس کی حفاظت ہوتی

رہے، اور چلتا رہے، خضرؑ اور موسیٰ نے کشتی پھٹی ہوئی رکھی......اور وہ کیوں کہ اس کی حفاظت اس کے پھٹنے میں ہے، اگر یہ نئی ہوتی تو یہ چلی جائے گی......اگر سادہ رہی تو سواری بھی کریں گے، سادگی میں اللہ نے حفاظت کی، تو اسی سادگی میں ہماری ترقی ہے۔

امت کے ساتھ شفقت:

سادگی تو اضع آوے گی انکساری پیدا ہوگی، اخلاص آوے گا...... ہماری صفات کی ترقی ہوگی......اس میں ہماری حفاظت ہے، ہم اخلاص والے بنیں گے، ہمدردی آوے گے، کیونکہ دین کا جز ہے...... کہ اللہ کے ساتھ تو تعلق ہو، اور مخلوق کیساتھ بھی ہمدردی ہو، مایوس نہیں ہونگے بلکہ ایک دفعہ دو فعہ نہیں دسیوں مرتبہ اپنی بات ان کے سامنے کہیں گے، پھر یہ اکتا جائے گا، مان جائے گا، جب مان جائے گا تو بعد میں ان کو بہت پچھتاوا ہوگا، کہ ہم کو درست سمجھایا جا رہا تھا مگر ہم مانتے نہیں تھے......لوگ صحابہ سے کہتے تھے کہ ہم نے آپ کو ستایا...... کیا اب ہماری معافی ہو جاوے گی، اس طرح نتیجہ اللہ تعالیٰ لاوے گا کہ اخلاص سے کام کرنے والوں کو مخلصین ہی ملیں گے۔

دین کے کسی کام میں مزاحمت نہیں ہے

دین میں مزاحت اور ٹکراؤ نہیں ہے، کہ یہ تبلیغ ہے...... یہ مدرسہ ہے......ان میں کوئی مزاحمت نہیں ہے، اصول یہ ہے: الحق لا یصادم الحق کہ حق حق کا مزاحم نہیں ہوتا، جیسے پانی پانی کا مزاحم نہیں ہوتا، دو طرف سے پانی آرہا ہو تو دونوں پانی آپس میں مل جائیں گے، اگر حق میں کوئی مزاحمت ہوئی تو نفسانیت ہے، اس لئے مزاحمت ہوئی ہے، یا پھر! کم سمجھی ہے۔

حق، حق کا معاون ہوتا ہے:

اپنے دین کے اصولوں کا ماننا ضروری ہے...... کہ علم کیا ہے؟ اپنے علم کو بھی گہرا بنانا ہے......اپنے یقین کو بھی گہرا بنانا ہے......اپنے خوف کو بھی پکا بنانا ہے...... حق کبھی حق کا مزاحم نہیں ہوسکتا، وہ تو ایک دوسرے کا معاون ہے، جیسے نماز کے ارکان ہیں: نماز کے ارکان میں بظاہر تضاد ہے. قیام، رکوع، سجدہ اور قعدہ: یہ چار ارکان انکی ہیئت مختلف ہے، قیام ہوگا، تو رکوع نہیں ہوسکتا، قیام ترک کر کے رکوع ہوگا، اور رکوع ہوگا تو سجدہ نہیں ہوسکتا ہے، رکوع کے ساتھ قعدہ نہیں ہوسکتا، تو ارکان نماز کی ہیئت میں تضاد ہے، تو شارع نے اسکو ترتیب دے دی، پہلے قیام ہوگا، قیام سے فارغ ہوکر رکوع کریں گے، رکوع سے فارغ ہوکر سجدہ کریں گے، پھر قعدہ کریں گے، حدیث میں ہے صلوا كما رأيتموني أصلي مجھے نماز پڑھتے دیکھا ایسے نماز پڑھنا جیسے میں پڑھتا ہوں...... علماء نے کہا کہ نام تو نماز کا لیا ہے، مراد دین ہے، تسمیہ الکل باسم نام نماز کا لیا ہے...... مراد دین ہے أي تدينوا كما رأيتموني أتدين، کہ ایسے دین دار بنو جیسے مجھے دین داری کے ساتھ دیکھ رہے ہو...... تمام چیزوں میں جس طرح آپ کرتے ہیں ویسا ہی کریں گے، کیوں کہ دین میں کوئی مزاحمت ہوتی نہیں ہے۔

ہمارے یہاں حق، حق کا معاون ہوتا ہے.

کام کریں گے تو انشاء اللہ ترقی ہوگی۔

اشاعت نمبر : ۱۴۲

جلد دوم

بیانات

بقیة السلف داعئ کبیر

حضرت مولانا ابراهیم دیولوی صاحب دامت برکاتهم العالیه

مرتب

مولوی محمد شاکر بورسدی

مدرس: جامعہ علوم القرآن، جمبوسر

ناشر

جامعہ علوم القرآن، جمبوسر

بائی پاس روڈ، مقام: جمبوسر، ضلع: بھروچ (گجرات، ہند)

اشاعت نمبر : ۱۴۲

بقية السلف داعئ کبیر

حضرت مولانا ابراهیم دیولوی صاحب دامت برکاتهم العالیه

مرتب

مولوی محمد شاکر بورسدی

مدرس: جامعہ علوم القرآن، جمبوسر

ناشر

جامعه علوم القرآن، جمبوسر

بائی پاس روڈ، مقام: جمبوسر، ضلع: بھروچ (گجرات، الہند)

تفصیلات

کتاب کا نام	:	بیانات جلد:(۱)
افادات	:	بقیۃ السلف داعی کبیر حضرت مولانا ابراہیم دیولوی صاحب دامت برکاتہم
مرتب	:	مولوی محمد شاکر بورسدی (مدرس جامعہ ہذا)
سن اشاعت	:	۱۴۳۹ھ مطابق ۲۰۱۸ء
تعداد	:	۱۰۰۰
ناشر	:	جامعہ علوم القرآن، جمبوسر، بھروچ

ملنے کا پتہ

Jamiah Uloomul Quran, by pass road
Jambusar (Dist. Bharuch) 392 150
Web: www.jamiahjambusar.in
E-mail: jamiahjambusar@gmail.com, juqjambusar@gmail.com
Tel. (02644) 220786 / 220286 Fax. 222677

Darun Nashr
Jamiah Islamiyyah Trust
Post code : 38146
Lusaka - Zambia
Tel: 847868
Email: jamiah@zamnet.zm

Mufti A.Khaaliq Bhoola
93 Inver Avenue Crosby
Johannesburg
(South Africa)
Tel. +0027829627963

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان نمبر [۲] [پٹنہ، صوبہ : بھار]

دعوت کا کام اخلاق اور اخلاص سے ہو

بیان نمبر [۳] [مڈگاؤں، گووا]

دین کی دعوت میں خوبی پیدا کرو

بیان نمبر[٤] [بنگلور، صوبہ : کرناٹکا]

دنیا حالات کا گھر ہے

بیان نمبر [۵] [بروڈا، صوبہ : گجرات]

سچائی اور امانت سے دین کا کام کرو

بیان نمبر[٦] [سوجترا، صوبہ :گجرات]

دین کے کام میں اعتدال ضروری ہے

بیان نمبر[۷] [احمد آباد، صوبہ: گجرات]

ھدایت والی جماعتیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

بقلم :حضرت مولانا مفتی احمد دیولوی صاحب دامت برکاتهم

مهتمم: جامعه علوم القرآن ،جمبوسر،بهروچ

الحمدلله رب العالمین والعاقبة للمتقین والصلاة والسلام علی سید المرسلین وعلی آله واصحابه اجمعین !امابعد:

اللہ کی سب سے بڑی نعمت دین ہے ،اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو اس کائنات میں رہنے اور بسنے والے تمام جنوں اور انسانوں کے لیے اپنی آخری اور کامل ہدایت بنا کر بھیجا جو اب قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے واحد راہِ نجات ہے،اس لیے اس دین کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اللہ تعالیٰ نے خود ہی لے لی ہے فرمایا:﴿ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ﴾ یعنی ہم نے اس ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں ،بعض حضرات نے یہاں ذکر سے مراد قرآن لیا ہے لیکن صحیح تر بات یہ ہے کہ اس سے مراد صرف قرآن نہیں بلکہ مکمل دین وشریعت ہے،یعنی قیامت تک یہ دین کسی نہ کسی گروہ یا جماعت کے پاس اپنی اصل شکل میں ضرور موجود رہے گا۔

نیز ارشاد ربانی ﴿یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ﴾ کے پیش نظر حضرت نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکت من جانب اللہ مأمور بالتبلیغ تھی ،اس لئے آپ ﷺ کا ہر قول وعمل اور آپ ﷺ کی ہر حرکت وسکون تبلیغ دین سے عبارت تھی ،اسی طرح بعثت نبوی کے مقاصد بیان کرتے ہوئے خود قرآن کریم گویا ہے ﴿ھُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ

رَسُولاً مِّنهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ﴾جسکا لازمی نتیجہ اور خلاصہ یہی ہوا کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی پوری حیات مبارکہ تلاوتِ کتاب، تزکیہ وتصوف اور تعلیم کتاب وحکمت میں صرف فرمائی، اور اسطرح آپ ﷺ نے اپنے اوپر عائد فریضۂ خداوندی ''دعوت وتبلیغِ دین'' میں صرف فرمائی۔ لہذا امت کا جو بھی فرد یا افراد مذکورۂ بالا شعبوں میں سے جس کسی شعبہ سے وابستہ اور اس میں مشغول ہوگا وہ شریعت کی نظر میں دین کی دعوت اور تبلیغ میں مشغول ہے۔

تبلیغ دین منصب نبوت کا اہم فریضہ ہے، اور آپ علیہ السلام خاتم النبیین ہے، چنانچہ آپ علیہ السلام نے حجۃ الوداع کے موقع پر ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ کی موجودگی میں تاکیداً فرمایا تھا ''الا فليبغ الشاهد الغائب'' (سن لو جو موجود ہیں تو ان لوگوں تک پہونچادیں جو موجود نہیں ہے) لہذا یہ فریضہ ہر اہل ایمان کے ذمہ عائد ہوتا ہے۔

الحمدللہ پچھلی نصف صدی سے جاری دعوت وتبلیغ کی عظیم محنت سے پوری دنیا میں جو اسلامی اخوت، بھائی چارگی کی فضا قائم ہوئی، اور نوجوانوں میں جو دینی شعور پیدا ہوا ہے اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس کام کی وسعت وہمہ گیریت کے ساتھ ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ دنیا کے ہر گوشہ میں، مشرق سے مغرب تک، شمال سے جنوب تک ایک ہی نہج اور ایک ہی فکر کے ساتھ جاری وساری ہے۔ اس عظیم محنت کو شروع ہی سے نامور علماء ربانین کی محنت اور رہنمائی حاصل ہوتی رہی، جنہوں نے اس کار عظیم کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیا تھا۔

ان ہی نفوسِ قدسیہ میں داعیٔ کبیر استاذ الاساتذہ حضرت الاستاذ حضرت مولانا ابراہیم صاحب دیولوی دامت برکاتہم ذات بھی ہیں، جن کی سادگی، بے نفسی، اعتدال، علمی رسوخ، خلوص ومحبت نمایا ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے کام کے نہج کو سمجھانے اور نئے طبقات کو مطمئن

کرنے اور علماء کو دعوتی کام کی طرف رغبت دلانے کا عظیم ملکہ عطا فرمایا ہے۔ حضرت مولانا نے عرصۂ دراز تک بنگلہ والی مسجد حضرت نظام الدین دہلی میں اپنی تدریسی خدمات کے ساتھ دعوت وتبلیغ کی عظیم خدمات انجام دیتے رہے تھے۔ سالِ گذشتہ مرکز نظام الدین پر جو ناگفتہ بہ احوال پیدا ہوئے محتاجِ بیان نہیں ہیں، جس کی وجہ سے علماء کرام کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا بھی تبلیغ کے کام کو غلط نظریات اور افکار کی آمیزش سے بچانے اور اکابر کے مشرب ومسلک کو باقی رکھنے کی نیک غرض سے بادل ناخواشتہ مرکز نظام سے الگ ہو کر اپنے وطن تشریف لے آئے۔

احقر نے اس موقع پر حضرت مولانا کو جامعہ ہذا میں مستقل قیام اور تدریسی خدمات کے لیے دعوت پیش فرمائی، گجرات اور بیرون گجرات کے مختلف اداروں سے بھی آپ کو مدعو کیا گیا، لیکن جامعہ کی سعادت مندی کہ حضرت والا نے احقر کی پیش کردہ دعوت کو قبول فرما کر جامعہ کو ترجیح دی اور مؤرخہ ۱۳؍محرم الحرام ۱۴۳۸ھ سے جامعہ میں مستقل قیام کا پختہ ارادہ کرلیا اور اس دن سے اب تک حضرت مولانا اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو اطمینان قلبی کے ساتھ انجام دینے کے ساتھ ساتھ جامعہ کے طلبہ کو صحیح بخاری شریف، ترجمہ کلام پاک اور ھدایہ آخرین کے اسباق بھی پڑھاتے رہے ہیں۔ وللہ الحمد علی ذلك، اللہ تعالیٰ حضرت کی صحت، قوت میں برکت عطا فرما کر حضرت کا سایہ امت پر عافیت کے ساتھ دراز فرمائے۔ آمین۔

زیر نظر کتاب حضرت مولانا دامت برکاتہم کی وہ قیمتی بیانات کا وہ مجموعہ ہے جو آپ نے مرکزی وصوبائی سطح کے مشوروں اور پرانوں کے جوڑ میں فرمائے تھے۔ باتوں کی عمدگی اور افادیت کے پیش نظر ہم جامعہ کے شعبہ نشر اشاعت سے شائع کرنے کی سعات حاصل کررہے ہیں، اس موقع پر ہم شکر گذار ہیں جامعہ کے فاضل ومدرس مولوی شاکر بورسدی صاحب سلمہٗ

کے، جنہوں نے حضرت مولانا کے بیانات کو آڈیو سے ضبط فرما کر تحریری شکل میں مرتب کیا، اسی طرح ہم ممنون ومشکور ہیں جناب الحاج زکریا بھائی بھوجا زید مجدہٗ (حال مقیم زامبیا) کے، جنہوں نے ان بیانات کو ضبط کروانے سے لیکر طباعت کے تمام مراحل کی ذمہ داری سنبھالی، اللہ تعالیٰ موصوف کی اس بے لوث خدمت کو قبول فرمائیں اور ان کے لیے صدقۂ جاریہ بنائیں۔ آمین۔ یاد رہے کہ ان بیانات کا پہلا حصہ موصوف محترم ہی کے ایماء پر مولانا عبدالودود ندوی صاحب دامت برکاتہم نے ترتیب دیکر دارالنور، لکھنو سے شائع کیا ہے اور جلد دوم کی اشاعت کی سعادت جامعہ کو حاصل ہوئی ہے، انشاء اللہ یہ سلسلہ آئندہ بھی جاری رہے گا۔

دعاء ہے کہ باری تعالیٰ امتِ مسلمہ کو اتحاد واخلاص اور اعتدال پر مجتمع فرماوے اور ظاہری اور باطنی فتنوں سے محفوظ رکھے، اور کتاب کی اشاعت کو قبول فرما کر اخروی نجات کا ذریعہ بناوے، آمین یارب العالمین۔ ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد۔

تذکرہ ومختصر احوال

بقیۃ السلب داعئ کبیر حضرت مولانا ابراھیم صاحب دیولا مد ظلہ

حضرت مولانا ابراھیم صاحب دیولا دامت برکاتہم کا اصلی وواقعی تعارف ان کی دعوت وارشاد، زہد وتقوی، درس وتدریس، اتباع سنت اور وعظ ونصیحت سے معمور زندگی ہے، ایک کہاوت ہے ہاتھ کنگن کو آئینہ کیسا؟ کی طرح مولانا محترم کا تعارف تحصیل حاصل بلکہ سورج کو چراغ دکھانے یا چاند پر غلاف ڈالنے کے مرادف ہے، جو ذات مرجع خلائق ہو اس کے مقبول عند اللہ ہونے میں کیا شبہ ہے؟ اور جس نے اپنی حیات مستعار کو مقصد حیات پر وقف کردی ہو اس کی زندگی ٹھکانے لگ جانے میں کیا کلام اللہ تعالی ملت کے اس دردمند کی حفاظت فرمائے اور اسباب قبولیت میں برکتیں عطا فرما کر ان کا سایہ عاطفت، عافیت کے ساتھ تادیر مقدر فرمائے. آمین

ولادت، طفولیت اور ابتدائی تعلیم

آپ کی پیدائش اپنے آبائی وطن دیولا، تحصیل جمبوسر، ضلع بھروچ، صوبہ گجرات، میں ۲۰/ ذی الحجہ سنہ ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۵/ اپریل سن ۱۹۳۳ء میں ہوئی، نام ابراھیم رکھا گیا، آپ نے قرآن کریم ناظرہ اور دینیات کی ابتدائی تعلیم نیز فارسی کی تعلیم اپنے وطن کی بنیادی درسگاہ، مدرسہ تعلیم الاسلام دیولا میں حاصل کی، ابتدائی تعلیم آپ نے

سید احمد قادری صاحبؒ، محترم جناب یعقوب خان صاحب اور حضرت مولانا ابراھیم صاحب کاوی جیسے اساتذۂ کرام سے حاصل کی، پانچویں جماعت تک کی عصری تعلیم بھی پرائمری اسکول دیولا میں بزبان گجراتی حاصل کی۔

درس نظامی کی تعلیم اور تکمیل:

آپ کے والد صاحب نے جو نہایت اصولی اور دیندار تھے، آپ کی درس نظامی کی تعلیم کے لئے اس زمانہ میں گجرات کے چند گنے چنے اداروں میں سے دار العلوم اشرفیہ راندیر سورت کا انتخاب فرمایا، آپ نے انتہائی محنت اور جانفشانی کے ساتھ علم حاصل کیا، رات بارہ بجے تک پابندی کے ساتھ مطالعہ فرماتے، تکرار و مذاکرہ بھی آپ ہی کے ذمہ ہوتے، زمانہ طالب علمی ہی میں آپ نے اپنے چند ساتھیوں کو بوستاں جیسی کتاب بھی پڑھائی جن میں آپ کے ہم وطن مولانا اسماعیل صاحب اور مولانا مرغوب الحق صاحب بھی شامل ہیں، مدرسہ کی باضابطہ تعطیلات کے علاوہ، خود بھی درس کی پابندی کے عادی ہونے کے سبب اور والد صاحب کی جانب سے عدم اجازت کے باعث گھر نہ جاتے، درسی کتابوں کے ساتھ ساتھ خارجی کتابوں کے مطالعہ کا بھی شوق رکھتے اور درسی وخارجی کتابوں کے مطالعہ کا وقت تقسیم فرماتے، آپ نے راندیر قیام میں فارسی مولانا شیر محمد خراسانی سے اور عربی علوم مولانا مفتی عبد الغنی کاوی، مولانا عبد الصمد کاچھوی، مولانا عبد الحق پیشاوری، مولانا اشرف راندیری، اور گجرات کی مایہ ناز شخصیت شیخ الحدیث مولانا محمد رضا اجمیری سے حاصل کیے، آپ کو

اپنے اساتذہ سے خصوصی تعلق ومحبت وعقیدت تھی اور آپ کے اساتذہ کو بھی آپ سے بے پایاں محبت ولگاؤ تھا، مولانا اجمیری رحمۃ اللہ علیہ بارہا آپ کا ذکر فرماتے، ملاقات کے وقت آبدیدہ ہوجاتے، قابل دید محبت وشفقت فرماتے، ڈھیروں دعائیں دیتے، اساتذہ کی ایسی شفقت ومربیوں کی نظر میں ایسا مقام، علمی دنیا کی ابلہ پائی کرنے والے جانتے ہیں کہ خدمت وعظمتِ معلم کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا، جس کا وافر حصہ آپ کو حاصل تھا۔

ام المدارس دارالعلوم دیوبند میں:

طلب علم کا شوق اور تحقیق وتلاش کے جذبے نے آپ کو مدینۃ العلم دیوبند کا رخت سفر باندھنے پر مجبور کیا، دارالعلوم اشرفیہ سے دستار فضیلت وسند عالمیت حاصل کرنے کے بعد آپ نے سن ۱۹۵۴ء میں ازھرالھند میں داخلہ لیا، آپ وہاں ماہانہ بیس روپئے بطور فیس جمع فرماتے تھے، اس چشمہ فیض میں آپ نے شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے ساتھ ساتھ علامہ بلیاوی، مولانا اعزاز علی، مولانا ظہور الحسن، جیسے اساطین امت ومشائخ ملت سے کسب فیض فرمایا، اور دارالعلوم دیوبند کی سند فضیلت کے ساتھ ساتھ حضرت مدنی نے بھی آپ کو خصوصی سند اور تمغہ عنایت فرمایا۔ (ذلك فضل الله يوئتيه من يشاء)

دارالعلوم سے فراغت اور تدریسی خدمات:

دارالعلوم سے فراغت کے بعد اگر چہ قرب وجوار کے دیہاتوں سے آپ کو

طلب کیا گیا مگر آپ نے اشاعت علم اور تبلیغ دین کیلئے اولا اپنے وطن ہی کا انتخاب فرمایا اور قابل تقلید محنت، بے انتہا لگن اور عجیب وغریب کڑھن کے ساتھ سن ۱۹۵۵ء سے سن ۱۹۷۱ء تک مدرسہ تعلیم الاسلام دیولا میں طلبہ کی علمی آبیاری فرماتے رہے، درسی خدمات کے ساتھ ساتھ تبلیغی سرگرمیاں، اصلاحی بیانات اور دیگر گوناگوں خدمات کا سلسلہ دیولا اور قرب وجوار اور دور دراز کے دیہاتوں تک جاری رہا۔

شوق دعوت وتبلیغ:

مولانا کو زمانہ طالب علمی ہی سے اس کام سے والہانہ شغف تھا، راندیر کے قیام کے دوران چھٹی کے دن نیز روزانہ عصر کے بعد اساتذہ کرام کی نگرانی میں گشت فرماتے، مولانا رنگونی قاری عبدالرحمٰن صاحب آپ سے بیان بھی کرواتے، یہ سلسلہ زمانہ طالب علمی میں روز افزوں جاری رہا، فراغت کے بعد بمبئی کی ایک جماعت کی بات سن کر جس میں ایک نو مسلم عبدالرحمٰن ملنگ صاحب تھے، دل میں اس کام کا داعیہ موج زن ہوا اور باہمہ جان وتن اس کام کی طرف متوجہ ہوگئے، آپ کا پہلا چلہ ۱۹۵۸ء میں اعظم گڑھ میں لگا، وہاں سے کلکتہ تبلیغی اجتماع میں شرکت فرمائی اور وہاں سے مرکز نظام الدین دھلی تشریف لے گئے، وہاں حضرت جی مولانا یوسف صاحب سے تفصیلی ملاقات ہوئی، اس وقت حیات الصحابہ زیر کتابت تھی، حضرت جی مولانا یوسف صاحب نے ان کو اس کا مسودہ بھی عنایت فرمایا، یہ چلہ باون دنوں کا ہوگیا اور اکابرین مرکز کی صحبت اور امت کے احوال اور ضرورت کو دیکھ کر تبلیغ ودعوت کا جذبہ آپ کے دل ودماغ پر چھا گیا۔

اس کے فورا بعد دوسرا چلہ بھروچ اور اطراف میں لگا، چالیس دن کے اختتام پر رویدرا ضلع بھروچ میں ایک اجتماع کیا، ضلع بھروچ کے امیر حافظ محمد بخش صاحب کو مولانا کا طریقہ عمل اور حکمت وموعظت بھرا اسلوب بے حد پسند تھا، اس لئے کام کے سلسلہ میں اکثر وبیشتر مولانا سے مشورہ فرماتے اور بذریعہ خط آپ کا عندیہ معلوم کرتے، یہ حضرت مولانا کی کام سے دلی لگاؤ کے ساتھ ساتھ ایمانی فراست کی بھی بیّن دلیل ہے، سن ۱۹۶۶ء میں آپ کے چار ماہ حیدرآباد میں لگے، اس کے بعد ۱۹۶۶ء میں سات ماہ کیلئے عراق وشام کا سفر ہوا، اور اسی سفر میں آپ پہلی مرتبہ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے، پھر ۱۹۶۹ء میں ترکی، اردن، اور عراق کا انیس ماہ کا سفر ہوا، جس میں آپ کو دو مرتبہ حج کی سعادت نصیب ہوئی، ۱۹۷۲ء میں ملیشیا، تھائی لینڈ، سنگاپور وغیرہ کا سفر حضرت جی مولانا انعام الحسن کے ساتھ ہوا، اور ۱۹۷۲ء ہی سے مع اہل خانہ مستقل قیام مرکز نظام الدین دھلی پر ہوگیا اور اس کے بعد تو تقاضے اور مشورہ کے مطابق عراق، کویت، سعودیہ، امارات، اردن، ترکی، انگلینڈ، امریکہ، بنگلہ دیش، پاکستان وغیرہ مختلف ملکوں کے سفر کا مبارک سلسلہ مستقل جاری ہوگیا، جو الحمدللہ تا ہنوز عافیت کے ساتھ جاری ہے، مولانا نے تبلیغی نقل وحرکت سے متعلق ایک سوال کے جواب میں کہ کیا اس کام میں مشکلات پیش آتی تھی؟ فرمایا ہاں! مگر حضرت جی مولانا الیاس صاحب کے ملفوظات سے قلبی اطمینان حاصل ہوجاتا تھا اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب تاریخ دعوت وعزیمت کے مطالعہ سے کام میں بہت زیادہ تعاون اور حوصلہ ملتا تھا۔

مدرسہ کاشف العلوم نظام الدین دھلی کی درسی خدمات:

مولانا تبلیغ دین کے عظیم ومتبرک کام کے ساتھ ساتھ مرکز پر مستقل قیام کے ساتھ ساتھ آج تک تقریباً ۴۷ سال سے اشاعت علم اور درس وتدریس کی خدمت میں برابر مصروف رہیں، (فی الحال حضرت مرکز میں تشریف نہیں رکھتے) گویا آپ نے دور حاضر میں اسلام اور مسلمانوں کی دوالہامی راہیں، مدرسہ اور تبلیغی جماعت دونوں کو اپنی خدمت کا میدان بنا کر، جامعیت اور فراست کا ثبوت پیش فرمایا اور عوام وخواص دونوں کو اپنی ذات سے یکساں مفید ہونے کا موقع عنایت فرمایا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست　　　تانہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت مولانا کی زندگی کے بے شمار گوشے ایسے تھے جس کا ذکر امت کیلئے نافع اور طلبہ ودعات کیلئے مشعل راہ بن سکتے تھے، مگر محض تعارفی خاکہ پیش کرنے کی ہماری پابندی، مولانا کی اخفاء پسندی، اور سوانحی خاکہ سے فی الوقت قطع نظری کے پیش نظر اسی پر اکتفا کرتا ہوں، امکان ہی نہیں یقین ہے کہ مولانا کے متعلقین ومتوسلین کو اس تعارفی خاکہ کی کمی کا احساس ہوگا بلکہ بعضوں کو ادائیگی حق میں کمی کوتاہی کی شکایت بھی رہے گی مگر۔

ہم نے اپنے آشیانے کے لئے　　　جو چبھے دل کو وہی تنکے لئے

یوسف عبداللہ دیولوی

صدر مدرس: مدرسہ تعلیم الاسلام دیولا

اللہ کے نبی ﷺ کا طریقہ حق ہے

بیان نمبر :[۱]

کل ہند مشورہ

مؤرخہ ۱۴؍شعبان المعظم ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۰؍مئی ۲۰۱۷ء بروز بدھ بعد نماز مغرب

بمقام سیلم ،صوبہ :تمل ناڈو

اقتباس

تین چیزیں سمجھانا نبی کے ذمہ ہوتا ہے، صحیح نیت، صحیح عمل اور صحیح ترتیب۔آپ نے سمجھایا کہ صحیح نیت کیا؟ صحیح عمل کیا؟ صحیح ترتیب کیا؟ اس لئے اپنے پیش رو کو دیکھو کہ ان کی کیا ترتیب تھی۔ان کا کیا عمل تھا، حضرت ابن مسعودؓ اپنے آدمیوں کو یہ رہبری کرتے تھے کہ دیکھو! اگر تمہیں کوئی طریقہ اختیار کرنا ہے تو ان لوگوں کو طریقہ اختیار کرو جو پہلے گذر چکے ہیں، مَنْ كَانَ مُسْتَناً، فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ۔تم میں سے کوئی اگر طریقہ اختیار کرنا چاہے تو ان لوگوں کا اختیار کرو جو تم سے پہلے گذر چکے۔کسی ایک زندہ کو دیکھ کر اس کے پیچھے مت چلو۔ فَإِنَّ الْحَيَّ لَا تُؤْمَنُ فِتْنَة۔اس لئے کہ زندہ آدمی کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ کل کس فتنہ میں پڑیگا۔آج کو کیا بویا اور نہ جانے کل کو کیا بوئیگا۔اس کا کوئی بھروسہ نہیں، آج کچھ کرے، کل کچھ کرے۔اس کی رائے بدل جائے، تو ان کو نہیں دیکھنا ہے۔بلکہ یہ دیکھنا ہے کہ جو پہلے گذر چکے ہیں ان کا طریقہ کیا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لاَ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لاَشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلاَ نَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ وَصَلّٰی اللّٰہ تعَالیٰ عَلَیْہِ وَعَلیٰ آلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً کَثِیْراَ . اَمَّابَعْدُ فَاَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ إِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللَّہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلاَئِکَۃُ أَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنتُمْ تُوعَدُوْنَ (٣٠) نَحْنُ أَوْلِیَاؤُکُمْ فِیْ الْحَیَاۃِ الدُّنْیَا وَفِیْ الْآخِرَۃِ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَشْتَھِیْ أَنفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَدَّعُونَ(٣١) نُزُلاً مِّنْ غَفُورٍ رَّحِیْمٍ (٣٢) وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَا إِلَی اللَّہِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَقَالَ إِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ(٣٣)(حم سجدہ)﴾

کامیابی کا دارومدار نیت پر ہے:

میرے بزرگو اور پیارے بھائیو! دین میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے آدمی کی نیت پر دارومدار ہے کہ اس کی کیا نیت ہے؟ کس نیت سے چل رہا ہے؟ کس نیت سے بول رہا ہے؟ کس نیت سے سن رہا ہے؟ یا پھر کوئی نیت ہی نہیں، دونوں باتیں ہوسکتی ہیں، نیت ہی نہیں اور عمل ہو رہا ہے، نیت نہ ہو اور عمل ہو اس کو عادت کہتے ہیں

عادت کے مطابق عمل کررہا ہے، یہ تو صرف عادت ہے کیوں کہ نیت کچھ نہیں، بولتا سنتا ہے اور نیت کے ساتھ کرتا ہے تو پھر عادت نہیں بلکہ عبادت ہوگی۔

انصارِ مدینہ نصرت کا اعلیٰ نمونہ ہیں:

یہ بات ضروری ہے کہ اللہ کی طرف سے دیکھا جائیگا کہ بندوں کے دلوں میں کیا ہے؟ کیا وہ نیت سے خالی تو نہیں ہے؟ اس لئے اپنے آپ کو پابند کرنا ہے۔اور صحیح نیت کے ساتھ بیٹھنا ہے، اللہ کے دین کی نصرت کرنی ہے،نصرت کا دروازہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کھلا رکھا ہے، اگر ہم محنت کریں گے،ہم کام کریں کے جیسے انصار مدینہ نے کیا؟ نصرت کے اعلیٰ درجہ کا نمونہ، وہ انصارِ مدینہ کا ہے، اور وہ آخری نمونہ ہے، کیوں ؟ وہ اس لیے کہ انہوں نے اپنی نصرت کو ایثار کے ساتھ کیا۔ایثار کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنی حاجت بھی نہیں دیکھی ، اپنی ضرورت بھی نہیں دیکھی ،تکلیف بھی نہیں دیکھی ۔جو کام آیا، جو تقاضا آیا، جو ذمہ داری آئی، اُسی کو دیکھا، اسے ایثار کہتے ہیں۔

ایثار کے تین درجے:

ایثار کے تین درجے ہوتے ہیں: ایک انصاف کا، ایک احسان کا اور ایک ایثار کا۔انصاف کا درجہ یہ ہے کہ جو اپنے لیے پسند کرو وہ ہی دوسرے کے لیے پسند کرو۔جو اپنے لیے ناپسند کرو وہ دوسروں کے لیے بھی ناپسند ہو یعنی ایک پلّے میں اپنے آپ کو رکھو اور دوسرے پلّے میں دوسرے کو رکھو، برابری ہو، تا کہ حق تلفی نہ ہو،ظلم نہ ہو،

زیادتی نہ ہو، ایک تو یہ درجہ ہے انصاف کا کہ انصاف کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا حکم دیا گیا تھا۔ اُمِرتُ لِاَعدِلَ بَینَکُم مجھے حکم ہے کہ تمہارے اندر انصاف کروں۔ انصاف سے رہنا بہت ضروری ہے تا کہ کسی کا حق نہ مَرے۔ تعاون کے لئے، مدد کے لئے یہ درجہ انصاف کا ہے اور یہ واجب ہے۔

نقصان کے بدلے میں احسان کرو:

اس سے اوپر کا دوسرا درجہ احسان کا ہے کہ احسان کرو۔ اپنے ایمان سے، اپنے مال سے، اپنی صلاحیت سے دوسروں کو فائدہ پہونچاؤ۔ دینی فائدہ و دنیوی فائدہ۔ اگر کوئی نقصان کرے تو بھی احسان کرو۔ کسی نے نقصان کیا تو بھی احسان کرو۔ یہ اخلاق کہلاتے ہیں اگر کسی نے نقصان کیا، گالی دی تو اس کے جواب میں احسان کرو۔ یہ نبیوں کا طریقہ ہے کہ ایذا پر صبر کرنا اور اپنی طرف سے احسان کرنا۔ شعیب علیہ السلام اپنی قوم سے کہتے تھے کہ ﴿وَلَنَصبِرَنَّ عَلٰی مَا آذَیتُمُونَا﴾ (ابراہیم:۱۲) تمہاری ایذاؤں پر ہم ضرور صبر کریں گے، اور تمہیں راہِ راست بھی دکھاویں گے، اس کو کہتے ہیں احسان۔ یہ احسان کا درجہ ہے کہ میری جان سے، میرے مال سے، میری صلاحیت سے، میری فکر سے دوسروں کا فائدہ ہوجائے، دینی بھی دنیوی بھی۔ وقتی فائدہ بھی ہو اور دوامی فائدہ بھی ہو۔ وقتی فائدہ یہ کہ کوئی بھائی پریشان ہے اس کی پریشانی کو ختم کرنا۔

ایثار کا مطلب:

تیسرا درجہ ایثار کا ہوتا ہے، ایثار کا مطلب یہ ہے کہ اپنا نقصان برداشت کر کے، اپنی تکلیف برداشت کر کے دوسروں کا کام نکالنا، دوسروں کو فائدہ پہونچانا۔ بھوکا رہ کر دوسروں کو کھانا کھلانا، پیاسا رہ کر پانی پلانا، تنگی میں رہ کر دوسروں کی مدد کرنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایثار تھا، اپنوں کے لئے بھی، اور دوسروں کے لئے بھی، وہ ہی سنت انصارِ مدینہ نے نصرت کے لئے اختیار کی تھی، ایثار والی صفت کے ساتھ نصرت کی۔ ہمارے دین میں دین کی نصرت ہے، کیوں کہ نصرت کا دروازہ کھلا ہوا ہے، ہجرت کا دروازہ بند ہے۔ ہجرت کی فرضیت ختم ہوگئی۔

دین کے لے مددگار بننا یہ بڑا کام ہے:

اپنے دین کے لیے مددگار بننا، یہ اللہ نے بندوں پر ذمہ داری ڈالی ہے﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنصَارَ اللّٰهِ﴾ (سورۃ الصّف)، اے ایمان والو! تم سارے کے سارے اپنے دین کے مددگار بنو۔ یہ تمہارا کام ہے کہ دین کی مدد کرنا ، تاکہ دین پر کوئی آنچ نہ آوے، اور دین کا کوئی نقصان نہ ہو، دین آگے بڑھتا رہے۔ نصرت کا دروازہ کھلا ہوا ہے، اس لیے دین کی مدد کرنا یہ بڑا کام ہے۔

نصرت سے دین کو حیات ملتی ہے:

نصرت کی بڑی اہمیت ہے، نصرت والی بات ہمارے ذہنوں سے ہی نکل گئی

ہے۔عبادت اور خدمت تو ہے لیکن نصرت نہیں ہے۔دین کی محنت کی جتنی باتیں ہیں نصرت کے دائرے میں ہیں، چاہے مدرسہ ہو، تبلیغ ہو، دوسرے دینی کام ہو، یہ سب نصرت کے دائرے میں ہیں۔نصرت کی بڑی اہمیت ہے۔حضور ﷺ نے فرمایا ''لولا الھجرۃ لکنت اِمْرَأً مِنُ الاَنْصَار ''اگر ہجرت کا مسئلہ نہ ہوتا تو میں بھی انصار ہی ہوتا۔دین کے مددگاروں میں ہوتا جیسے انصارِ مدینہ ہیں،نصرت کی بڑی اہمیت ہے۔ آج نصرت کا مضمون اجنبی سا ہو گیا ہے،حالانکہ نصرتِ دین بڑی اہمیت رکھتی ہے، اورنصرت کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے بنزر زمین کو پانی دینا۔زمین بنجر پڑی ہوئی ہے، سوکھا پن آ گیا ہے،اس پر پانی پڑا،اوپر سے پانی برسایا زمین سے پانی پہونچا تو وہ آباد ہوگی ،کام کی بنے گی۔ایسا ہی نصرت کا معاملہ ہے۔جیسے پانی سے زندگی کو حیات ملتی ہے،ایسے ہی نصرت سے دین کو حیات ملتی ہے۔

ایثار اعلیٰ درجہ ہے:

میں کہہ رہا تھا کہ انصارِ مدینہ نے دین کی جو خدمت کی ہے وہ ایثار کے ساتھ کی ہے، یہ اعلی درجہ ہے۔انہوں نے اپنی حاجتوں کو، اپنی ضرورتوں کو، اپنی راحتوں کوقربان کیا اور اپنے تعلقات کو بھی قربان کیا۔مدینہ میں یہود کے دو قبیلے آباد تھے،بنو نضیر، بنوقریظہ ،صحابہ کے ان سے آپس میں تعلقات تھے۔چونکہ بنونضیر بہت مالدار تھے،اور انصار مدینہ کھیتی اور کاروبار کرتے تھے،تو انکو مال کی ضرورت پڑتی تھی تو یہود سے قرض لیا کرتے تھے،اوران سے رشتہ داریاں بھی تھیں۔لیکن جب دین آیا،اور

حضور ﷺ مدینہ تشریف لائے تو یہود کو آپ کی تشریف آوری پر حسد ہوا، یہ ان کی بیماری تھی۔ حسد پیدا ہوتا ہے بڑائی سے، مال ومرتبہ سے بڑائی آتی ہے، پھراس سے مرتبہ وبڑائی والا کوئی اور آجائے تو پھر حسد ہونے لگتا ہے کہ یہ کہاں آگیا؟

حق کے خاطر یہود سے مخالفت:

یہود کو حضور ﷺ سے حسد ہوا، انصار نے یہود کا یہ رویہ دیکھا کہ حضور ﷺ کے ساتھ ان کا رویہ حسد کا ہے اور انہوں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ اس آدمی کے ساتھ موت تک حسد کرنا ہے، اوراس کی مخالفت میں رہنا ہے۔ تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ پہونچے تو یہود کے دو بڑے آدمی آئے اور صحابہؓ سے پوچھنے لگے کہ کیا یہ وہی ہے؟ تو کہا کہ جی ہاں! یہ وہی ہے۔ تو انہوں نے مخالفت کا فیصلہ کرلیا اور ہمیشہ کچھ نہ کچھ مخالفت میں رہتے تھے، حالانکہ وہ لوگ آپ ﷺ کو ایسا پہچانتے تھے جیسے آدمی اپنی اولاد کو پہنچانتا ہے، ان کو کوئی شک نہیں تھا، آپ کو دیکھتے ہی وہ پہنچان جاتے تھے کہ یہ آخری نبی ہے۔ لیکن اپنی بڑائی میں، حسد میں ان کے دل کالے ہوگئے تھے، اور آپ ﷺ سے دشمنیاں مول لی تھی۔ تو جب مدینہ کے انصار نے دیکھا کہ یہود کا رویہ حضور ﷺ کے ساتھ حسد کا ہے تو یہودیوں سے اپنے تعلقات توڑ دیئے کہ ہم تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ ہمارا تمہارا کوئی تعلق نہیں، ہمارے نبی کا تعلق اللہ سے ہے، اس لئے ہم حق کا ساتھ دیں گے، حالانکہ ان کے آپس میں معاہدے ہوتے تھے، ایک دوسرے کے حلیف تھے، دوست تھے، لیکن جب دین کا کا

م آیا، اور یہود کی مخالفت دیکھی تو ان سے اپنے تعلقات کو سمیٹ لیے، اب ہم دین پر ہیں اور حق کے ساتھ ہیں، حق ایک ہی ہوتا ہے، یہ ان کا ایثار تھا۔ یہودیوں سے ان کی رشتہ داریاں تھیں، لین دین کے تعلقات تھے، معاہدے تھے، لیکن جب حضور ﷺ دین لے کر آئے تو ان کا ساتھ دیا اور وفاداری دکھائی، اللہ کے دین کے ساتھ، دین کے کام کے ساتھ۔ حق کا ساتھ دیا، باطل کی مخالفت کی۔

اللہ کے نبی ﷺ کا طریقہ حق ہے:

اس لئے صحابہؓ کی زندگی میں جو نمونے ملتے ہیں وہ یہی ہے اور وہ حق ہے، اللہ کے نبی کا طریقہ حق ہے۔ یہ ہماری ذمہ داری ہے دین کی نصرت کرنا، نصرت اللہ کے دین کے ساتھ، رسول کے ساتھ، اور اللہ کے ساتھ اور اپنی وفاداری دکھانی ہے۔ کیوں کہ سارے مسلمانوں کو اس کا حکم دیا گیا ہے: ﴿كُونُوا اَنصَارَ اللّٰه﴾ اللہ کے دین کے مددگار بن جاؤ۔ اگر تم اللہ کے دین کے مددگار بنو گے، تو اللہ تمہارا مددگار بنے گا، یہ مشروط وعدہ ہے یعنی شرط کے ساتھ۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ (محمد:۷)﴾ کہ دین کے مددگار بنو یعنی اپنے آپ کو دین دار بناؤ، اپنا دین سیکھو، اپنا دین سمجھو۔ اور ایسا سیکھو کہ دوسروں کو سیکھا سکو، ایسا سمجھو کہ دوسروں کو سمجھا سکو اور اس پر قائم رہو اور دوسرے کو قائم کرسکو۔ یہ بڑا کام ہے۔ چنانچہ جب انہوں نے نصرت کی ذمہ داری لی تھی تو ہر تقاضوں پر آگے آگے رہتے تھے۔ اللہ کے راستے میں آنا جانا تو ہوتا ہی تھا، یہ تو عام چیز تھی۔ اس کے علاوہ بھی

ہر تقاضے پر گھرے ہوئے تھے، خدمت بھی کرتے ہیں، کھلاتے پلاتے بھی ہیں، مالی مدد بھی کرتے ہیں، اوراس کے لیے ہمیشہ تیار رہتے تھے۔

اپنی طاقت کے بقدر خرچ کرو:

جب مال کا تقاضا آتا تھا تو بھاری بھاری مال کی مقدار لا کر پیش کرتے تھے، ایک آدمی چھ سو من کھجور لے کر آیا تھا، یہ بڑے زمین دار لوگ تھے، ان لوگوں کے باغات تھے اور یہی ان کی پیداوار تھی تو اس آدمی نے چھ سو من کھجوریں مسجد نبوی لا کر ڈھیر لگا دی ،نصرت کی، تھوڑے مال والے تھوڑے میں سے، زیادہ والے زیادہ میں سے نصرت کرتے تھے، حضرت ابوایوب انصاریؓ ایک کلو کھجور لے کر آئے اور کہا کہ یارسول اللہ ﷺ میرے گھر کچھ بھی نہیں تھا، میں نے رات بھر مزدوری کی اور مزدوری کے بدلے میں مجھے جو کھجوریں ملی ہیں ان میں سے ایک کلو گھر والوں کے لیے چھوڑ کر آیا ہوں اور ایک کلو آپ کے تقاضے پر لے کر آیا ہوں۔ ایک آدمی کے پاس بہت پیسے ہیں، دو لاکھ روپے ہیں، لاکھ لیکر آتا ہے، اور دوسرے کے پاس دو سو روپے ہیں اس میں سے سو روپے لیکر آتا ہے، دونوں برابر ہے، دونوں نے آدھا لگایا، بلکہ یہ اُس لاکھ والے سے افضل ہے۔ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ کونسا صدقہ افضل ہے؟ تو فرمایا کہ وہ صدقہ جو تنگی کی حالت میں کیا جائے۔ تنگی ہے، گھر میں کچھ ہے نہیں اِدھر اُدھر کر کے کچھ حاصل کیا پھر اس میں سے پیش کیا، یہ ہیں انصار۔ ایسی ہے ان کی نصرت، اس طرح وہ ہر تقاضے پر حاضر رہتے تھے، برداشت کرتے تھے، حضور ﷺ سے مہاجرین نے سوال کیا

کہ انصار کی یہ جو جماعت ساری فضیلت لے گئی، کیوں کہ یہ ہر کام میں آگے ہیں، میدانِ جہاد میں ان کی تعداد زیادہ ہوتی ہے لہذا ان کے شہداء زیادہ ہوتے ہیں، ہماری تعداد کم ہوتی ہے، تو ہمارے شہداء بھی کم ہوتے ہیں۔ یہ اہل وطن ہیں ان کی مالی خدمت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ بدنی خدمت بھی اور اخلاقی خدمت بھی ان ہی کی زیادہ تو گویا کہ ساری خیر اُن کے حصے میں چلی جاتی ہے۔ ہمارے حصے میں کیا رہے گا؟ کچھ بھی نہیں، کیوں کہ ان لوگوں کی جو پیداوار ہوتی ہے اس میں سے زیادہ حصہ تو ہم کو دیتے ہیں اور تھوڑا حصہ اپنے پاس رکھتے ہیں، یہ لوگ آگے آگے رہتے ہیں؟

دنیا پیچھے جارہی ہے اور آخرت آگے آرہی ہے:

صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں معیار یہ تھا کہ دین میں کون کس سے آگے بڑھتا ہے۔ ہمارے جیسا نہیں کہ دنیا میں آگے بڑھنے کی بات ہو۔ ہم تو دنیا کے پیچھے بھاگے جارہے ہیں، حالانکہ دنیا پیچھے جارہی اور آخرت آگے آرہی ہے۔ الدُّنیَا مُدبِرَۃٌ وَالآخِرَۃُ مُقبِلَۃُ'' دنیا کی ترقی سوچ رہے ہیں اور دنیا خود پیچھے جارہی ہے۔ صحابہ کا معاملہ یہ تھا کہ ہمیشہ آخرت کی سوچتے تھے۔

کام کرنے والوں کی قدر کرو:

مہاجرین نے انصار کے بارے میں اللہ کے رسول سے یہ سوال کیا کہ یہ تو آگے ہوگئے ساری نیکی یہ ہی لے گئے، سارے وعدے ان ہی کو ملیں گے۔ سارا سب کچھ یہ ہی لوگ لے گئے، ہمارا کیا؟ کیا ہم ان کے برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟ تو حضور ﷺ نے

فرمایا: ہاں کیوں نہیں؟ آپ ان کے برابر ہوسکتے ہو۔آپ نے ان کو راستہ بتایا برابر ہونے کا۔فرمایا کہ اس کا راستہ یہ ہے کہ تم ان کی قدر کرو، ان کی تعریف کرو۔ یہ نہیں کہ یہ آگے بڑھ رہے ہیں تو جلن ہو۔کام کرنے والوں کو اصول بتایا کہ جو کام کرے اس کی قدر کرو، اپنی قدر بڑھانے کی فکر مت کرو۔ایسا نہیں کہ اسی کا نام آتا ہے، ہمارا تو آتا ہی نہیں، یہی لوگ آگے رہتے ہیں، بلکہ یہ سوچیں کہ جو کام میں نہیں کرتا ہوں یہ کرر ہا ہے۔ بلکہ ایک آدمی کام زیادہ کرتا ہے تو تم اس کی قدر کرو۔

دین کے کام میں وسعت:

اسی طرح جتنے لوگ دین کا کام کررہے ہیں انکے بارے میں یہی اصول رہے گا، کیوں کہ جو کام میں نہیں کرسکتا ہوں اس کو یہ لوگ کرر ہے ہیں، دین کے بہت سے کام ہوتے ہیں، دین کی بہت سی حکمتیں ہوتی ہیں۔ بہت سی ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔تو ہم کو اس کام میں وسعت سکھائی ہے، تنگی نہیں۔ایسا نہیں کہ یہ کچھ نہیں ہے، یہ بے کار ہے۔ بلکہ دین کی جتنی خدمتیں ہورہی ہیں ان کی قدر کرو۔کیوں کہ اگر وہ یہ کام نہ کرتے تو ہمیں کرنا پڑتا۔یہ تو ان کا احسان ہے کہ وہ کررہے ہیں ورنہ ہمیں کرنا پڑتا۔ ہمارا بوجھ انہوں نے اٹھا لیا ہے، یہ ذہن ہونا چاہیئے۔یہ نہیں کہ کوئی آگے بڑھتا ہے تو جلن ہوتی ہے۔ یہ تو اس کے اخلاص کی کمی ہے۔

اخلاص کی علامت:

اگر ہمیں کوئی کام کرنے والا ملے، ساتھ دینے والا ملے، صلاحیت والا ملے تو

خوشی ہو کہ میں تو اکیلا تھا یہ اور آ گیا۔ایک ہی ہاتھ تھا دوسرا ہاتھ مل گیا۔ ہمارے ایک بزرگ فرما رہے تھے کہ جو کام تو کر رہا ہے،اسی کام کو کرنے والا دوسرا کوئی آ جائے تو تجھ کو خوشی ہو کہ الحمدللہ! کام میرے اکیلے کے ذمہ تھا اللہ نے میرا معاون ومساعد دوسرا بھیج دیا۔اس بات کی خوشی ہو۔ایسا آدمی کام کو چاہتا ہے۔اور جو کام نہیں چاہتا اور دوسرا کوئی آتا ہے تو اسے تنگی محسوس ہوتی ہے کہ یہ کہاں آ گیا۔ہم کر ہی تو رہے تھے۔یہ غلط بات ہے۔اپنا مقام،اپنا درجہ،اپنی بڑائی،اپنی شہرت،یہ نصرت نہیں کہلاتی۔کوئی چیز نہ چاہے صرف یہ مقصود ہو کہ اللہ کا دین بلند ہو۔جس طرح انصار نے نصرت کی ہے اور کوئی چیز نہیں مانگی۔پہلے ہی دن سے،وہ ہی سبق ہمیں سیکھنا ہے کہ ہم تو کچھ نہیں چاہتے،ہم تو کام چاہتے ہیں کہ جو کام اللہ تعالیٰ نے ہماری ذمہ داری پر دیا ہے وہ صحیح طریقہ پر چلے۔کوئی بھی آ کر کرے وہ ہمارا ہے۔

دین کے سب کام ہمارے ہیں:

دنیا میں جتنے دین کے کام ہو رہے ہیں وہ ہمارے ہی ہیں،ہم ان کے مددگار ہیں،ہم ان کے خیرخواہ ہیں،ہم ان کے لیے دعا گو ہیں۔چند سال پہلے میں ساؤتھ افریقہ گیا تھا،وہاں کا ماحول بہت اچھا ہے،ہرا بھرا ماحول ہے۔وہاں کے مسلمان دین دار بھی ہیں،مالدار بھی ہیں۔تواضع والے بھی ہیں،یہ ان کی خوبی ہے۔اس لئے دنیا کے لوگ وہاں جاتے ہیں،تعاون طلب کرنے کے لئے،اپنی ضرورتوں کے لئے،اور وہ لوگ اس کو پورا بھی کرتے ہیں،مدد بھی کرتے ہیں،مختلف

جمعیتوں کے، مختلف جماعتوں کے لوگ وہاں جاتے ہیں۔مختلف تقاضے والے لوگ جاتے ہیں۔تو میں نے پرانے ساتھیوں سے کہا کہ تمہارا ملک تو ایسا ہرا بھرا ہے اور ظاہر سی بات ہے کہ جب کوئی باغ ہرا بھرا ہو، تو لوگ آئیں گے، سیر کرنے کے لئے، تفریح کرنے کے لئے۔تو جتنی جماعتیں آئیں گی وہ دینی جماعتیں ہوں گی۔اس وقت تمہارا رویہ ان کے ساتھ کیا ہونا چاہئے؟ کیا یہ رویہ ہونا چاہئے کہ یہ تبلیغ والا نہیں اس لئے اس کو ٹال دو؟ نہیں! ایسا رویہ ہو جیسا ہمارے دین میں ہمارا عقیدہ ہے کہ جتنے نبی اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھیجے ہیں سب برحق ہیں، ان تمام پر ہمارا ایمان ہے، اگر ایک نبی کے بارے میں بھی پھاٹ ہوگئی تو اس کا ایمان گیا۔ایمان مفصل میں یہ ہے: "آمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلَائِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ" کہ ہم ایمان لائے اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، گویا کہ جتنے اللہ کے رسول آئے ہیں، وہ سب اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں اور وہ برحق ہیں۔یہ ہمارا عقیدہ ہے اور ہم ان کو سچا نبی مانتے ہیں۔ہمارا کام کیا ہے کہ ہم سب نبیوں کو مانیں گے اور اتباع ہم اپنے نبی کی کریں گے۔ایسے ہی تمام دینی کام کی قدر کرو اور ان کی مدد کرو اور اپنے کام کو مقصد بنا کر اس کے پیچھے چلو۔

دین میں اعتدال اور اجتماعیت:

یہ ایک اعتدال والا راستہ ہے، اجتماعیت والا راستہ ہے، اس سے جتنی دینی محنتیں ہو رہی ہیں اس کا آپس میں تعاون ہوگا۔ہم ان کی قدر کریں گے وہ ہماری قدر

کریں گے۔یعنی وہ ہمارا ساتھ دیں گے ہم ان کا ساتھ دیں گے۔موقع پڑے گا تو ہم ان کی رکاوٹ کو دور کریں گے، وہ ہماری رکاوٹ دور کریں گے۔ہاں! یہ طریقہ ہے اجتماعیت کا ہے۔

دعاء دینے والا مخلص اور ہمدرد ہوتا ہے:

حضور ﷺ نے مہاجرین کو یہ سبق پڑھایا کہ انصار کی قربانیاں زیادہ ہیں، تقاضے پورا کرنے میں وہ آگے ہیں، تو تم ان کی قدر کرو، اور ان کی تعریف کرو اور ان کا احترام بھی کرو، ان کے حق میں دعائیں مانگو کہ اللہ انہیں اور ترقی دے، اللہ انہیں مزید قبولیت دے، اللہ اور مدد فرمائیں، ان کے لیے دعاء کریں، کیوں کہ دعاء دینے والا مخلص ہوتا ہے، ہمدرد ہوتا ہے۔جو مخلص اور ہمدرد ہوتا ہے وہ ہی دعاء دیتا ہے۔ماں باپ اپنے اولاد کے لیے دعاء کرتے ہیں، ان کو ہمدردی ہوتی ہے، اس لئے وہ دعاء کرتے ہیں کیوں کہ وہ اولاد کی ترقی چاہتے ہیں، یہ اجتماعیت کے اصول کہلاتے ہیں۔دین کا جو بھی کام ہو رہا ہو، تھوڑا ہو یا زیادہ ہو، ہم اس کے مددگار رہیں۔

دین میں تعصب اور عصبیت نہیں ہے:

دین کے کام میں تعصب اور عصبیت نہیں ہے کہ یہی ایک کام ہے اور باقی سب بے کار ہے، یہ غلط ہے۔ حدیث میں ہے کہ "انزلوا الناس منازلهم" ہر آدمی کو اس کے درجے پر رکھو۔اللہ نے لوگوں کو بے کار نہیں پیدا کیا ہے، کہ وہ نکمے ہیں، کام کے نہیں ہیں۔ہر ایک کسی نہ کسی کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے لیکن تم نہیں جانتے ہو کہ یہ کیا

کام کرے گا۔ کسی کو نکمہ نہیں بنایا ہے۔ ہاں! یہ الگ بات ہے کہ کسی کو ماحول نہیں ملا اور وہ نکمہ ہو گیا۔

لوگوں کی صلاحیتوں کو دین پر لاؤ:

یہ ہماری فکر کرنے کی بات ہے کہ لوگوں کی صلاحیتوں کو پہچانیں اور ان کو دین پر لاویں۔ یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ لوگوں کی صلاحیتوں کو دین پر لانا، ہم اس کام میں لوگوں کی صلاحیت کے محتاج ہیں۔ ہمیں لوگوں کی صلاحیت کی ضرورت ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بعض مرتبہ کوئی معاملہ مشورہ کا آجاتا تھا تو حضرت عمرؓ قریش کی بوڑھی عورتوں کو جمع کر کے پوچھتے تھے کہ میرے پاس ایک مسئلہ آیا ہے اس مسئلہ پر غور کر کے جواب دو۔ ایک عورت کی عدت کا مسئلہ پیچیدہ تھا، تو قریش کی بوڑھی عورتوں کو جمع کیا اور ان کو یہ مسئلہ دیا، اس مسئلہ کو وہ ہی حل کر سکتی تھیں، وہ مسئلہ ان ہی کو دیا، انہوں نے مسئلہ حل کر کے بتایا۔ مسئلہ حل ہو گیا۔ یہ خوبی کی بات ہے کہ دعوت کے ذریعہ سے بندوں کی صلاحیت کو دین پر لگانا اور اپنے آپ کو اللہ کے بندوں کی صلاحیت کا محتاج سمجھنا۔ ہم کو آپ کی صلاحیت کی ضرورت ہے۔ آپ کے مال کی ضرورت نہیں ہے۔

نبی نبوت کی محنت سے مال نہیں مانگتے:

نبوت کی محنت سے مال نہیں مانگا جاتا، نبی مال نہیں مانگتے ہیں کہ مال لاؤ۔ مجھے تمہارے مال کی ضرورت نہیں ہے، مجھے تو تمہاری ذات کی ضرورت ہے۔ حضرت

مولانا یوسف صاحبؒ کے سامنے ایک آدمی آیا اور کہا کہ آپ کے یہاں لوگ آتے ہیں، جاتے ہیں، کھاتے ہیں، میرے پاس ایک رقم ہے، میں چاہتا ہوں کہ یہ رقم اس میں کام آوے۔ مولانا نے فرمایا کہ مجھ کو آپ کی رقم کی ضرورت نہیں ہے، مجھے تو آپ کی ضرورت ہے، آپ آجاؤ۔ رقم اپنے پاس رہنے دو۔ اِن کو اُن کی ذات کی ضرورت اس لیے ہے کہ وہ کام کریں گے، نصرت میں یہ ہوتا کہ لوگوں کی صلاحیت سے کام لینا اور ان کی صلاحیتوں کو کام پر لگانا اور ان کو کام کا بنانا۔

دعوت کی مثال برستے پانی کے مانند ہے:

دعوت کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے پانی برس گیا زمین پر، بس اب زمین کی صلاحیت ظاہر ہوگی کہ زمین زعفران اگائیگی، غلہ اگائیگی۔ ایسے ہی جب اصولوں کے ساتھ دعوت کی محنت ہوگی تو ان کی صلاحیتیں کام پر آئیں گی۔ وہ اپنی صلاحیتوں سے کام کریں گے۔ حضور ﷺ کی دعوت پر کیسے کیسے لوگ تیار ہوئے۔ کتنی صلاحیت والے، اس لیے نصرت میں یہ بھی ہے کہ صبر کر کے جم کر کے کام کرنا۔ انصار نے بہت صبر کیا، ان سے یہ کہا گیا تھا کہ اگر تم نے اس نبی کا ساتھ دیا تو سارا عرب ایک طرف ہو جائے گا اور سب اپنے اپنے دلوں سے آپ کو نکال دیں گے، ان کے تیر ہوں گے اور تم نشانے پر ہوں گے۔ اس لئے سوچ لو کہ نبی کا ساتھ دینا ہے یا نہیں۔ یہ بات حضرت عباس ابن مطلبؓ نے کہی تھی۔

باطل میٹھا اور حق کڑوا ہوتا ہے:

حضرت عباس ابن مطلبؓ حضور ﷺ کے زمانے کے چودھری تھے، بہت سمجھدار تھے، تو جب انصار حضور ﷺ کو مدینہ لے جانے کے لیے تیار ہوئے تو اس وقت انہوں نے کہا کہ سوچ لو یہ مسئلہ آسان نہیں ہے، کیوں کہ حق کی مخالفت کا ایک عام رواج ہے کہ جب کوئی چیز حق ثابت ہوئی تو اس کی مخالفت کرو۔ اور کوئی چیز باطل ہوگی تو اس پر لوگ مل جائیں گے۔ باطل میٹھا ہوتا ہے اور حق کڑوا ہوتا ہے۔ باطل کو اپنانے کے لیے سب تیار ہو جاتے ہے۔ لڑلڑ کے لیتے ہیں، کیوں کہ باطل قربانیوں سے نہیں لڑ جھگڑ کی ہی لیا جاتا ہیں۔ اور حق میں تو لڑنے کے اجازت ہی نہیں۔ قربانی کے ساتھ دو، قربانی کے ساتھ لو۔ جیسے صہیب رومیؓ مدینہ جانے لگے تو مکہ والوں نے ان کو روکا۔ نہیں جانے دیں گے، تم تو روم کے رہنے والے ہو، پیسے تم نے یہاں کمائے ہیں، یہاں کا مال لے کر مدینے جا رہے ہو ایسا نہیں ہوگا۔ تو انہوں نے پہلی بات یہ کہی کہ حکم کی وجہ سے مجبور ہوں۔ حکم یہ ہے کہ ﴿كُفُّوا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ﴾۔ اپنے ہاتھوں کو روکو، نماز کو قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو۔ ہمیں لڑنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر یہ حکم نہ ہوتا تمہاری مجال نہیں ہے کہ تم میرے پاس آؤ۔ میں تم میں سے ایک ایک کو ختم کردوں۔ میرے اندر اتنی طاقت ہے، اگر میری تلوار ٹوٹ جائے تو میں اپنے تیروں سے تمہیں چیروں گا، مگر چونکہ لڑنے کا حکم نہیں ہے، اس لئے میں تابع ہوں۔ رہا مال کا

مسئلہ تو وہ تم لے لو۔ تمہارے یہاں کمایا ہے، تم لے جاؤ۔ دنیا کا دستور ہے کہ ہماری کرنسی باہر نہیں جانی چاہئے۔ یہ آج سے نہیں، پہلے سے ہی چلا آرہا ہے۔

باطل کا مقصود مال اور حق کا مطلوب آخرت:

باطل کا یہ ہی طریقہ ہے کہ وہ تو مال کو دیکھتے ہیں۔ یہ آج کے پڑھے لکھے لوگوں کی بات نہیں ہے، عرب کے جاہل لوگ بھی اس کو جانتے تھے کہ ہمارا مال ہے، تم نے نفع میں جو کمایا ہے وہ ہمارے یہاں کمایا ہے۔ مکہ آج بھی تجارت کا شہر ہے۔ ہاں! عبادت کا بھی شہر ہے اور تجارت کا بھی۔ تو حضرت صہیبؓ نے کہا کہ یہ مال تم لے لو۔ باطل کو کیا چاہئے ان کو تو صرف مال چاہئے اور حق والوں کو کیا چاہئے، حق والوں کو آخرت چاہئے۔ حق والوں کو اللہ کی رضا چاہئے، حق والوں کی نظر اوپر ہوتی ہے کہ اللہ ہم سے راضی ہو جائے اور آخرت بن جائے۔ یہ حق والوں کا مزاج ہے، ہمیں یہ مزاج بنانا ہے کہ ہماری آخرت بنے، ہم اللہ کا کام کریں گے، نصرت کریں گے، مدد کریں گے تاکہ ہماری آخرت بنے اور دوسرا کچھ نہیں چاہئے۔ کوئی ہمیں پوچھے یا نہ پوچھے، ہمیں اپنا کام کرنا ہے۔

صحابۂ کرامؓ کی دعوت:

صحابہؓ جب دنیا میں پھرتے تھے تو لوگوں سے یہ کہتے تھے کہ "اِنَّمَا عَزَائِمُنَا الآخِرَۃُ وَلَيْسَتْ عَزَائِمُنَا الدُّنْيَا" ہمارے عزائم صرف آخرت ہے۔ آخرت بنانا

یہی ہمارے عزائم، ارادے اور نیتیں ہیں۔اور حضور ﷺ سے آخرت کے بارے میں پوچھتے تھے۔تو آج بھی دین کی مدد کرنے والوں کا ھمّ وغم اور نصب العین آخرت بنانا ہوتا ہے۔اور اللہ کو راضی کرنا مقصود ہوتا ہے کہ بس وہ ہم سے راضی ہو جائے۔اللہ جس کا ہو گیا،اس کا سب کچھ ہو گیا، مَنْ كَانَ لِلّٰهِ ، كَانَ اللّٰهُ لَهُ ۔ جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے، یہ بات پکی ہے۔اس لئے حضرت صہیب رومیؓ نے کہا کہ مال تم لے لو اور میرا راستہ چھوڑ دو۔لڑنے جھگڑنے کی ہم کو اجازت نہیں،اس لئے ہم نہیں لڑیں گے، ہم نہیں ماریں گے۔چنانچہ مکہ والوں نے ان کے مال پر قبضہ کر لیا اور ان کی چھٹی کر دی۔تو صہیبؓ نے ہجرت کو اختیار کیا اور سارا مال قربان کر دیا۔

حکموں کے پورا ہونے میں کامیابی:

حضرت صہیبؓ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہونچے،قبا میں ملاقات ہوئی، یہ ہجرت کا راستہ ہے۔آج بھی مدینہ کے راستہ میں قبا آتا ہے۔آپ نے ملاقات پر یہ فرمایا" رَبِحَ الْبَيْعُ اَبَا يَحْيٰ " کہ ابو یحیٰ آپ اپنے سودے میں کامیاب ہو گئے۔مال گیا، وطن گیا لیکن دین آ گیا،حکم کا تقاضا پورا ہو گیا،آپ اپنے سودے میں کامیاب ہو گئے۔انہوں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ میں نے تو آپ کو خبر نہیں دی ہے کہ میرے ساتھ کیا ہوا۔یہ خبر آپ کو جبرئیل نے دی، کیوں کہ یہ حکم قبول ہو گیا ہے۔ان کی قربانی اوپر قبول ہو گئی،اس لئے یہاں ان کے لئے بشارت آ رہی ہے۔پھر وہ فقیر

غریب نہیں رہے، بلکہ اللہ نے ان کو بہت دیا، اور وہ بہت خرچ کرتے تھے، لوگوں کو دیتے رہتے تھے، ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ان کوٹوکا بھی کہ تم بہت خرچ کرتے ہو، تو انہوں نے جواب دیا، جی ہاں امیر المؤمنین! یقیناً میں پیسے خرچ کرتا ہوں، لیکن امیر المؤمنین! میرا کوئی پیسہ ناپاک جگہ پر نہیں جاتا۔ میرا سارا خرچا حق پر ہے اور یہی اصول ہے کہ اپنی جان و مال کو حق پر لگاؤ۔

جان و مال کا بہترین استعمال اللہ کا دین:

جان و مال کا بہترین استعمال اللہ کا دین ہے کہ اپنا مال دین پر لگاؤ اور دوسرے نمبر میں اللہ کے بندوں پر احسان کرنے میں جان و مال لگاؤ، اس کو اخلاق کہتے ہیں۔ یہ نصرت ہوئی کہ جان و مال دین پر لگایا اور احسان یہ ہے کہ لوگوں کی خدمت کی اور ان کی ضرورت پوری ہوئی۔ یہ دونوں چیزیں حضور ﷺ نے انصار کو سکھائی تھی اور انصار اس کے پابند تھے، لہذا ان کے نصرت کرنے کی وجہ سے حالات سازگار ہوئے، اس لئے صحابہؓ کی سیرت ہمارے سامنے رکھی گئی ہے کہ دین کی مدد کرنے والے کیسے ہوتے ہیں؟ انصار کو مدد کرنے کی وجہ سے بہت دبنا پڑا۔ کیوں کہ چاروں طرف فضاء خراب ہے۔ انصار اس دباؤ کو برداشت کرتے تھے۔ ان کو حضرت عباس ابن مطلبؓ نے پہلے سے ہی کہہ دیا تھا کہ سارا عرب ایک طرف ہوگا، ان کے تیر ہوں گے اور تم نشانہ ہوں گے، بولو تیار ہو اس کے لیے، تو انصار نے جواب دیا تھا ہاں تیار ہیں۔ بلکہ

ہم حضور ﷺ کی ایسی حفاظت کریں گے جیسے تم اپنی لڑکیوں کی حفاظت کرتے ہو۔جیسے تم کنواری لڑکیوں کی حفاظت کرتے ہو،ایسے ہم نبی کی حفاظت کریں گے۔اور پھر ان سے پوچھا کہ آگے کچھ کہنا ہے؟ کہنا ہے تو کہو۔

نصرت کا دروازہ قیامت تک کے لیے کھلا ہے:

میرے بھائیو! پوری امت پر یہ ایک ذمہ داری ہے۔کھیل تماشا نہیں، یہ جھگڑا نہیں، یہ تو نصرت کا مسئلہ ہے۔ہم اپنی جان و مال سے اللہ کے دین کے مددگار بنیں، یہ حکم ہے:﴿کُوۡنُوۡا اَنۡصَارَ اللّٰہِ﴾ اے مسلمانو! تم سارے کہ سارے دین کے مددگار بن جاؤ۔اس لئے نصرت کا یہ دروازہ قیامت تک کے لیے کھلا رکھا ہے۔اصول کے ساتھ، ترتیب کے ساتھ، اخلاص کے ساتھ ہوتا ہے۔انصار نے ایسا ہی کیا۔ترتیب انہوں نے نہیں بنائی بلکہ اللہ اور رسول کی ترتیب تھی کہ اس ترتیب سے کرو۔ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک جماعت کو اللہ کے راستہ کے لیے تیار کیا۔رات کا وقت تھا ،انہوں نے کہا کہ رات کو آرام کر لیتے ہیں،صبح میں چلے جائیں گے۔آپ نے فرمایا: نہیں! ابھی ہی نکل جاؤ،اللہ کے راستے میں آرام کرنا۔جنت کے باغوں میں آرام کرنا۔آرام کی اجازت نہیں دی۔یہ نبی کی ترتیب تھی۔

صحیح نیت،صحیح عمل،صحیح ترتیب:

تین چیزیں سمجھانا نبی کے ذمہ ہوتا ہے،صحیح نیت،صحیح عمل اور صحیح ترتیب۔آپ

نے سمجھایا کہ صحیح نیت کیا؟ صحیح عمل کیا؟ صحیح ترتیب کیا؟ اس لئے اپنے پیش رو کو دیکھنا پڑتا ہے کہ ان کی کیا ترتیب تھی۔ان کا کیا عمل تھا، یہ سب دیکھنا پڑتا ہے، حضرت ابن مسعودؓ اپنے آدمیوں کو یہ رہبری کرتے تھے کہ دیکھو! اگر تمہیں کوئی طریقہ اختیار کرنا ہے تو ان لوگوں کا طریقہ اختیار کرو جو پہلے گذر چکے ہیں، مَنْ کَانَ مُسْتَنًّا، فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ۔ تم میں سے کوئی اگر طریقہ اختیار کرنا چاہے تو ان لوگوں کا اختیار کرو جو تم سے پہلے گذر چکے۔انہوں نے کیا طریقہ اختیار کیا؟ کیا ترتیب تھی؟ اسے اختیار کرو۔کسی ایک زندہ کو دیکھ کر اس کے پیچھے مت چلو۔کیوں! فَاِنَّ الْحَیَّ لَاتُؤْمَنُ عَلَيْهِ فِتْنَة ۔اس لئے کہ زندہ آدمی کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ کل کس فتنہ میں پڑیگا۔آج کو کیا بویا اور نہ جانے کل کو کیا بوئیگا۔اس کا کوئی بھروسہ نہیں، آج کچھ کرے، کل کچھ کرے۔اس کی رائے بدل جائے، تو ان کو نہیں دیکھنا ہے۔ بلکہ یہ دیکھنا ہے کہ جو پہلے گذر چکے ہیں ان کا طریقہ کیا ہے؟۔

وہ عمل مقبول ہوگا جو خالص اللہ کے لیے ہو:

حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ نیت سمجھانا یہ نبیوں کا کام ہے۔حضور ﷺ نیت سمجھاتے تھے کہ ہر آدمی کی نیت کیا ہو؟ ہر آدمی کی نیت یہ ہو کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے۔میں اپنا جان و مال اور صلاحیت اس لئے لگاؤں گا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے۔اس لئے لوگ پوچھتے تھے آپ سے، ایک آدمی اللہ کے راستہ میں جا رہا ہے، اس کے دل میں دوسری کوئی نیت ہے کہ یہ بھی کرلوں اور وہ بھی کرلوں، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ

آخرت میں اس کو کچھ نہیں ملے گا۔ایسے لوگوں کو یہ عمل بھاری پڑ گیا۔پھر دوبارہ پوچھا تو یہ ہی جواب دیا، پھر پوچھا تو آخر میں فرمایا کہ اللہ تو اس عمل کو قبول کرے گا جو خالص اللہ کے لیے اور اس کے دین کو بلند اور سرسبز کرنے کے لئے کیا ہو۔

نفسانیت سے دین کا کام بگڑتا ہے:

میرے دوستو! دین کے کام کو سب سے زیادہ بگاڑنے والی بات کیا ہوگی؟ فرمایا وہ آدمی کی نفسانیت ہوگی۔نفسانیت سے دین کا سارا کام بگڑ جائے گا، جیسے زم زم کا ڈرم بھرا ہوا تھا اور کتے نے منھ ڈال دیا،متبرک پانی ہے، کتے نے منھ ڈال دیا،تو کیا کہوگے؟ کہ وہ تو ناپاک ہوگیا۔ایسے ہی آدمی کی نفسانیت سے دین کا کام خراب ہوجائے گا۔، دین کے کام میں آدمی کا سب سے بڑا دشمن اس کا اپنا نفس ہوتا ہے۔ سب سے بڑا دشمن وہ جو تمہارے پہلو میں بیٹھا ہوا ہے۔اس لیے دین کی محنت کرنی ہے لیکن اس نہج سے کرنی ہے کہ ہمارے دین کو نقصان نہ ہو۔اپنے آپ سے پوچھے کہ میں یہ کیوں کر رہا ہوں؟ اگر اللہ اور آخرت مقصود ہے تو بہت مبارک۔ابوھریرۃؓ نے ایک مرتبہ اپنے لوگوں سے پوچھا کہ میرے سوال کا جواب دو۔سکھانے کے لیے،ایک آدمی ایسا ہے کہ ایک بھی نماز نہیں پڑھی اور جنت میں چلا گیا؟ انہوں نے کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک نماز بھی نہیں پڑی اور جنت میں چلا جائے؟ جب لوگوں سے جواب نہیں بن پڑا تو آپ نے ایک انصاری کا نام لیا کہ وہ فلاں ہے کہ وہ کیسے؟ احد کے میدان میں ایک طرف حضور ﷺ اور آپ کے ساتھی اور دوسری طرف ابوسفیان کی

فوج تھی۔اس کے قبیلے کے کچھ لوگ حضور ﷺ کے صحابی تھے،آپ کے ساتھ تھے۔ جب کہ یہ آدمی ابھی تک ایمان نہیں لایا تھا۔اس نے سوچا ان سے کون لڑے؟اس کے قبیلے والے احد کے میدان میں،حضور ﷺ کے ساتھ تھے،چنانچہ اس نے اپنے طور سے کلمہ پڑھ لیا اور اپنے عزیزوں کے ساتھ میدان میں ان کے ساتھ پہونچ گیا، صبح میں یہ قصہ پیش آیا کہ میدان میں تھوڑی دیر کے بعد وہ شہید ہوگیا۔اس کی جان میں تھوڑی سی رمق باقی تھی تو لوگوں نے کہا کہ یہ تو فلاں ہے، یہ تو مسلمان بھی نہیں ہے،ایمان بھی نہیں لایا تھا، یہ کہاں سے آگیا؟ابھی وہ ہوش میں تھا تو اس سے پوچھا کہ اپنی قوم کی مدد میں آئے تھے؟ تو اس نے کہا کہ نہیں! میں اپنی قوم کی مدد میں نہیں آیا تھا، بلکہ میں تو اللہ کے دین کی مدد کے لیے تھا۔

قومیت وعلاقائیت یہ باطل کے راستے ہیں:

قومیت اور علاقائیت وغیرہ یہ سب تو باطل کے راستے ہیں۔اپنی قوم،اپنا علاقہ،اپنی زبان،اپنا رنگ،کالے،گورے دنیا میں یہ سارے علاقے باطل کے کہلاتے ہیں۔چنانچہ انہوں نے کہا میں اپنی قوم کی مدد کے لئے نہیں بلکہ اللہ کے دین کی مدد کے لیے آیا تھا اور اتنے میں ان کی جان چلی گئی۔صرف یہ مقصود ہو کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، یہ میرا دین ہے۔چنانچہ اس نے کہا کہ میں قوم کی حمایت میں نہیں،اللہ کے دین کی مدد کے لئے آیا ہوں اور اس کی جان نکل گئی،ابھی ابھی صبح میں ایمان لایا تھا،ابھی کسی نماز کا موقع بھی نہیں ملا تھا۔مسیّب اس کا نام تھا۔نماز پڑھی نہیں اور شہید ہوکر جنت میں چلا

گیا۔اس لئے آدمی اپنے دین کونفسانیت سے بچائے ،نفسانیت یعنی یہ میری قوم ہے، میرا علاقہ ہے، بلکہ نسبت خداوندی ہو۔نسبت کی بنیاد پر حضور ﷺ نے سارے علاقے کاٹ دیئے۔انصار مدینہ نے یہ سب علاقے کاٹ دیئے کہ سوائے اللہ ورسول کے ہمارا کوئی علاقہ نہیں،کوئی قوم نہیں۔اس لئے انصار اللہ سے جڑے اور اللہ ان کے ساتھ جڑے۔ایک تو اللہ کا کام ہے اور ایک اللہ کا رسول ہے اور یہ اس کا دین ہے۔تعلقات کی وجہ سے فتنے کھڑے ہوتے ہیں اور یہ سب کچھ دنیا میں چلتا ہے۔

اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بنو:

فرمایا کہ جانور جب ذبح ہوتا ہے تو جب تک اس کی چار رگیں اللہ کے نام پر کٹ نہ جائے وہ پاک نہیں ہوتا ہے۔دو بڑی دو چھوٹی ہوتی ہیں، بِسۡمِ اللّٰہِ ،اَللّٰہُ اَکۡبَرُ کہہ کر یہ کٹ جائے تو پاک ہوجاتا ہے،نہیں تو وہ جانور پیر ہلاتا رہتا ہے اور ایسے جانور کے پاس کوئی بھی نہیں جاسکے گا۔اسی طرح جتنے علاقے ہیں وہ کٹنے چاہئے کہ ہم کسی علاقے کے نہیں ہیں، کسی وطن کے نہیں ہیں، کسی قوم کے نہیں ہیں۔ہم تو اللہ کے ہیں، حضور ﷺ لوگوں سے فرماتے تھے کہ ''کُوۡنُوۡا عِبَادَاللّٰہِ اِخۡوَانَا'' اللہ تعالیٰ کے بندے بنو اور آپس میں بھائی بھائی بنو۔کوئی بھی ہو کہے میں اللہ کا بندہ ہوں اور یہ میرا دینی بھائی ہے۔

سوئے ہوئے فتنوں کو نہ جگاؤ:

اس لئے میرے بھائیو! علاقائیت ،قومیت اور وطنیت وغیرہ سے اپنے آپ کو بچانا ہے، اگر اس میں کسی ایک کو بھی کھڑا کیا تو فتنہ ہوگا۔حدیث میں ہے، حضور ﷺ

نے فرمایا کہ ملعون ہے وہ آدمی ، لعنت ہے اس آدمی پر جو سوئے ہوئے فتنہ کو جگائے۔ بہت سخت بات فرمائی۔فتنوں کے زمانے میں کام نہیں ہوتا کہ۔ سَتَكُونُ فِتْنَة ،القَاعِدُ خَيرٌ مِنَ الْقَائِمِ ،القَائِمُ خَيرٌ مِنْ المَاشِى وَالْمَاشِى فِيهَا خَيرٌ مِنَ السَّاعِى ''کہ فتنوں کے زمانہ میں جو کام لے کر بیٹھ جائے وہ بہتر ہے اس سے جو کھڑا ہو، اور ایک آدمی کھڑا ہے فتنہ کے زمانہ میں، کہ یہ بہتر ہے دوڑنے والوں سے، اس لئے اپنی بات پر سکوت کے ساتھ قائم رہو۔

دین اللہ کی بڑی امانت ہے:

یہ دین اللہ کی امانت ہے۔ یہ کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ بڑی امانت ہے، اتنی بڑی امانت ہے کہ پہاڑ اس کے اٹھانے سے عاجز ہے۔ زمین و آسمان بھی اس کو نہیں اٹھا سکے۔ وہ تو ڈر گئے۔ انسان نے دین کی امانت کو اٹھایا۔ اسی وجہ سے انسان اللہ کے نزدیک قابل قدر ہے، کیوں کہ اس نے دین کی امانت کو اٹھایا۔ آدم علیہ السلام پہلے آدمی ہیں جنہوں نے دین کی امانت کو اٹھایا، اللہ کی خلافت لی اور اللہ کے دین کو لیا۔ اور اللہ کے دین کو چلایا۔ اللہ نے ان کو اس مبارک کام کے لیے چنا تھا، ﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى آدَمَ﴾ تو اپنے دین کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو چنتے ہیں۔ چھانٹتے ہیں، ہم کو اور آپ کو اللہ کا شکر کرنا چاہئے کہ اللہ نے ہم کو دین کے لیے چھانٹا۔ ہم کو توفیق دی، رہبری کی ، حالات ایسے بنائے کہ ہم کام پر چل رہے ہیں، حالات بن رہے ہیں اور ہم کام کر رہے ہیں اور کام لے کر جا رہے ہیں۔

دین کی شکرگذاری استقامت ہے:

اس لئے ہمیں اللہ کا شکر کرنا چاہئے ، اور اس کا شکر کیا ہے؟ اس کا شکر استقامت ہے۔ سب سے بڑا پہلو اللہ کے دین کے کام کا یہ ہے کہ بندہ شکر گذار بنے اور اس میں استقامت آوے۔ اپنے دین پر استقامت اور پابندی سے کام کرنے والا اللہ کا شاکر بندہ بنے۔ نوح علیہ السلام کی صفت بتائی کہ ﴿اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا﴾ وہ تو شکر گذار بندے تھے۔ اتنے پابند کہ ساڑھے نو سو سال تک محنت کی، ساڑھے نو سو دن یا چلے نہیں، ساڑھے نو سو سال دین کی محنت کی۔ چنانچہ فرمایا کہ نوح تو ہمارا شکر گذار بندہ ہے۔ سال سال بھر روزہ بھی رکھتے تھے۔

دعوت اور عبادت میں فرق نہ کرو:

حدیثوں میں لکھا ہے کہ نوح علیہ السلام سال بھر روزہ رکھتے تھے۔ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی دعوت اور محنت کے ساتھ عبادت بھی کرتے تھے۔ ان کے پاس جہالت کی بات نہیں کہ دعوت اور عبادت میں فرق کریں۔ وہ تو دعوت اور عبادت کو جمع کرتے تھے جیسے اذان اور نماز ہوتی ہے۔ اذان دعوت ہے، نماز عبادت ہے، کس کو چھوڑو گے اور کس کو رکھو گے؟ تو دعوت، تبلیغ، اللہ کے بندوں کے ساتھ ہمدردی، ان کو اللہ سے ملانا، یہ سب پابندی کے ساتھ کرتے تھے، پھر اللہ کی عبادت کرتے تھے۔

دعوت تو عبادت کے لئے ہیں:

نبی ﷺ کی سیرت میں لکھا ہے کہ دین کی محنت بھی خوب کرتے تھے اور اللہ کی عبادت بھی خوب کرتے تھے۔ کیوں کہ دعوت عبادت کے لئے ، دعوت دعوت کے لئے نہیں ہوتی ، وہ تو عبادت کے لئے ہے۔ کیوں کہ اللہ نے بندوں کو عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ اس لئے ہمیں انسان میں عبادت کی صلاحیت پیدا کرنی ہے۔ ان کی عبادتیں صحیح ہو جائیں۔ ان کا ایمان صحیح بنے ، ان کے اعمال صحیح بنیں۔ ان کے اخلاق صحیح بنیں، ان کی نیتیں صحیح بنیں، یہ سب مل کر کے عبادت ہے۔ ارکان بھی ادا کر رہے ہوں، فرائض بھی ادا کر رہے ہوں، سنتیں بھی ادا کر رہے ہوں، حرام سے بھی اپنے آپ کو بچا رہے ہوں ، حقوق بھی ادا کر رہے ہوں۔ یہ سب مل کر کے عبادت والی زندگی بنتی ہے۔ اور دین کی مدد بھی کرتے تھے۔ اس کے لئے ہے دعوت ۔ اسی کے لئے یہ محنت دی گئی ہے۔

دین کی محنت اصولوں کے ساتھ کرو:

دین کی محنت کے اصول بتائے گئے ہیں، اس محنت کو ایسے اصولوں کے ساتھ کرو کہ دین زندہ ہو جائے۔ اس کی بنیاد کیا ہے؟ ایک تو اللہ کے ایک ہونے کا یقین، اللہ کے دین کے حق ہونے کا یقین ہو کہ دین حق ہے، اللہ اور اس کے نبی ﷺ نے جو بتایا وہ دین حق ہے۔ صحابہؓ نے جو طریقہ اختیار کیا وہ حق ہے۔ اس لئے ہمیں اپنے آپ کو حق کا تابع کرنا ہے۔ تابعداری میں حالات آتے ہیں۔ تو ایسی حالت میں کیا

کرنا ہے، فرمایا کہ اپنی طاقت کے مطابق حالات کو برداشت کرنا ہے۔ حالت کی وجہ سے کام کو نہ چھوڑیں بلکہ اگر کوئی حال پیدا ہو تو پوچھو کہ اب میں کیا کروں؟ میرا یہ حال ہو گیا ہے۔ پوچھ کر چلو اور مان کر چلو تاکہ آسان ہو جائے، جیسے کسی کو راستہ معلوم نہیں ہے تو سڑک پر پوچھتا رہتا ہے لوگوں سے کہ ریلوے اسٹیشن کہاں ہے؟ ڈاکخانہ کہاں ہے؟ تو اس کو بتانے والے ملتے ہیں؟

ہر بات کو اس کے جاننے والوں سے پوچھو:

حدیثوں میں ہے کہ کام کے دوران حالات آتے ہیں، حالات کی وجہ سے پریشان نہیں ہونا ہے۔ حیرانی میں پڑنے کے بجائے اپنے آپ کو پوچھنے پر ڈالو، مشورہ کرو، معلوم کرو۔ شریعت کا مسئلہ ہے تو علماء سے پوچھو۔ تبلیغ کا مسئلہ ہے تو تبلیغ کے ذمہ داروں سے پوچھو۔ بیماری کا مسئلہ ہے تو بیماری جاننے والوں سے پوچھو۔ یہ سکھایا گیا ہے کہ بیماری کا مسئلہ ہے تو کس سے پوچھیں؟ مسجد کے امام صاحب سے؟ نہیں! ڈاکٹر سے پوچھو۔ شادی کا مسئلہ ہے تو اپنے خاندان کے ذمہ داروں سے پوچھو۔ یہ حکم ہے۔ دین و شریعت کا معاملہ ہے تو علماء سے پوچھو، مفتی حضرات سے پوچھو کہ حلال ہے یا حرام ہے؟ جائز ہے ناجائز ہے؟، کتنا صحیح ہے اور کتنا غلط ہے؟ یہ سب باتیں ان سے پوچھو۔ علماء سے پوچھو۔ ساری لائنیں صحیح ہو جائیں گی۔ ''اِنَّمَا شِفَاءُ الْعَيِّ السُّؤَال'' ہماری پریشانیوں کا علاج سوال ہے۔ کہ اِس کا کیا کروں، اُس کا کیاں کروں؟ فوراً جواب مل جائے گا۔ حضرت علیؓ حضور ﷺ کے پاس آئے کہ یا رسول اللہ میری کلائی ٹوٹ

گئی۔دوٹکڑے ہوگئے۔حضور نے فرمایا کہ پٹکا باندھ لو،اوراس پرمسح کرلو۔یہ اس لئے پوچھا تھا کہ وضوء کیسے کریں گے؟ تو کیا جواب ملاہڈی جوڑلو، پٹکالگالواور وضوء کے وقت مسح کرلو۔آسانی ہوگئی،ورنہ ہاتھ یوں لے کرپھرتے اورنمازبھی نہ پڑھتے۔

اعلیٰ درجہ کی نفسانیت:

دین کا یہ طریقہ ہے کہ مشورہ کرو، رائے معلوم کرو،کس سے پوچھیں ؟تو فرمایااس سے جواس کے اہل ہوں۔جواس کے اہل نہیں ہیں ان سےمت پوچھو۔وہ کیاجواب دیں گے؟علاج کا مسئلہ ہےتو حکیم سے پوچھو،وہ اس کا اہل ہے۔اس کے لائق ہے۔دین کے معاملہ میں اس کے ذمہ داروں سے پوچھو۔تبلیغ کے بارے میں، تبلیغ کے ذمہ داروں سے پوچھو۔شریعت کی بات ہےتو علماء سے پوچھو۔یہ سلامتی کاراستہ ہے۔بات بگڑے گی نہیں اورعمل خراب نہیں ہوگا۔کیوں کہ دین امانت ہے اس کو خراب کرنے کی اجازت نہیں ہے۔اور یہ خراب ہوتا ہے جہالت سے ،نفسانیت سے،خودغرضی سے،دین کونقصان کرنے والی سب سے خطرناک بات، انسان کی اپنی نفسانیت ہے۔اوریہ نفسانیت دوچیزوں میں ہوتی ہے۔اپنی بڑائی کی خواہش ہوتی ہے۔کبھی مالدار بننے کی خواہش ہوتی ہے۔دین کواپنے مال کا ذریعہ بنایا،دین کواپنی بڑائی کا ذریعہ بنایا۔یہ اعلیٰ درجہ کی نفسانیت۔حدیثوں میں ہے کہ دوبھوکے بھیڑیے بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑدیئے جائیں،کتنا نقصان کریں گے؟ کہ وہ توبہت نقصان کریں گے۔ان کی بھوک بہت تیز ہوتی ہے۔ہڈی بھی اندرگل جاتی

ہے۔اس سے زیادہ نقصان بڑائی اور مال سے ہوتا ہے۔ بڑا بننا ہے، مالدار بننا ہے۔ یہ نفسانیت کے دو بڑے عنصر ہیں۔مال کی چاہت،لذت کی چاہت ،شہرت کی چاہت، یہ سب نفسانیت کہلاتی ہے۔

اللہ کا دین پاک ہے:

اللہ نے اپنے دین کو پاک بنایا ہے، اس کو کوئی ملوث نہ کرے۔کس سے؟ کہ نفسانیت سے۔ بلکہ اللہ کا شکرادا کریں کہ اللہ نے مجھے دین دار بنایا۔ کہے اے اللہ تو نے مجھے دین دار بنایا۔تواس کا شکرادا کریں اوردوسروں کوبھی دیندار بنائیں اور دوسرے کی بھلائی چاہیں۔کیوں کہ دین کی روح دوسروں کی بھلائی چاہنا ہے۔اس کا بھی بھلا ہوجائے ،اُس کا بھی بھلا ہوجائے ،دوسروں کا بھی بھلا ہو۔

ذمہ داری کو پورا کرنے کا نام عمل ہے:

دوسروں کا فائدہ چاہنا کہ یہ دوزخ میں نہ جائے یہ جنت میں جانے والا بن جائے۔اس کو اخلاق کہتے ہیں۔صحابۂ کرام جب دنیا میں پھرے ہیں تو تین چیزوں کی بنیاد پر پھرے ہیں ،ایک ان کا ایمان ویقین کہ وہ غیر متزلزل تھا۔بہت قوی تھا، اپنے یقین کی وجہ سے حالات سے متاثر نہیں ہوتے تھے۔یعنی ایک تو اپنی محنتوں سے، اور قربانیوں سے اپنا یقین بنایا۔اللہ کی ذات پر ان کو پورا یقین تھا۔دوسرے اپنے اعمال کی طاقت ،جس عمل کا ان کو حکم دیا تھا، وہ شریعت وسنت کے مطابق ہے تو اپنے

آپ کو اس کا پابند بنانا۔عبادت میں بھی، رہن سہن میں، کھانے کمانے میں بھی، تجارت زراعت میں بھی، سفر وحضر میں۔اپنے عمل کے پابند تھے۔ذمہ داری کو پورا کرنے کا نام عمل ہے۔نماز کا حکم آیا کہ نماز قائم کرو۔نماز پڑھنا یہ بڑا عمل ہے۔اس لئےعمل کے پابند بنو۔

اخلاق عبادت کا پھل ہے:

تیسری بات ان کی زندگیوں میں تھی وہ دنیاوالوں کے ساتھ اچھے اخلاق، دوستوں کے ساتھ، دشمنوں کے ساتھ۔گھروالوں کے ساتھ۔عبادت جب صحیح ہوتی ہےتو اخلاق بنتے ہیں۔عبادت میں ضعف ہوتا ہےتو اخلاق بگڑتے ہیں، اس لئے اپنی عبادتوں کو صحیح بناؤ۔نماز ،روزہ ،حج ،تلاوت ،ذکر، دعا۔ یہ سب جب صحیح ہوں گےتو اخلاق بنیں گے کیوں کہ اخلاق عبادت کا پھل ہے۔عبادت جتنی صحیح ہوگی، اتنا آدمی کے اندر اللہ کا ڈر آئے گا۔تواضع آویگی۔سخاوت آئیگی۔عبادت میں کمزوری ہےتو اس میں بھی بگاڑ آئیگا۔اس لئے انہوں نے اپنی عبادت کوخوب جاندار بنایا۔

اعمال صالحہ کے پابند بنو:

صحابہ اعمال کے پابند بنے ،چاہے وہ اعمال اللہ کے حقوق سے تعلق رکھتے ہوں یا بندوں کے حقوق سے تعلق رکھتے ہو۔جیسے ہم اللہ کے ساتھ دھوکہ نہیں کرسکتے، ایسے ہی دوسروں کے ساتھ بھی دھوکا نہیں کریں گے۔دوسروں کی بھی بھلائی چاہنا۔یہ

ہی بنیادیں تھیں جن کی وجہ سے باطل ان سے چھٹ گیا۔ باطل ختم ہوگیا اور حق اوپر آگیا۔ دین کی دعوت ان تینوں چیزوں پر مشتمل ہے۔

حق کی ابتداء ناگواریوں سے ہوتی ہے:

ایمان ویقین، اعمال اور اخلاق۔ ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ اِنَّنِی مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ (حم سجدہ:۳۳) اس آیت نے تینوں چیزوں کو بیان کر دیا۔ ایمان، یقین اور اعمال صالحہ اور اخلاق۔ یعنی تواضع ساتھ کہتا ہو کہ میں تو ایک عام مسلمان ہوں۔ مولانا محمد یوسف صاحبؒ فرماتے تھے کہ جب کوئی آدمی حق پر رہے گا اور حق پر چلنا چاہے گا تو بہت ناگواریاں اس کے سامنے آئیں گی۔ کبھی اپنے نفس کی طرف سے آئیں گی۔ کبھی ایسا ہوگا کہ نفس تو مانتا ہے لیکن ماحول ساتھ نہ دے گا اور اسی طرح مختلف طریقوں سے ناگواریاں آئے گی۔ فرمایا کہ حق کی ابتداء ناگواریوں سے ہوتی ہے۔ یہ ایک طریقہ ہے اللہ کی طرف سے کہ حق پر چلنے والوں کے لیے ناگواریاں آئیں گی، اس سے کوئی بھی نہ گھبرائیں۔

دشواری کے ساتھ آسانیاں آتی ہیں:

اس لئے اپنی طاقت کے مطابق برداشت کرو۔ حدیث میں آتا ہے:" علیکم ماتطیقون" جتنی طاقت تمہارے اندر ہے اتنا اپنے اوپر کام کو لازم کرلو۔ یہ جو دشواریاں آئی ہیں، دھیرے دھیرے ختم ہو جائیں گی۔ آئیں گی بھی دھیرے دھیرے اور دور ہو جائے گی دھیرے دھیرے۔ ﴿فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۔اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا﴾ گھبراؤ نہیں

دشواری کے ساتھ آسانیاں آرہی ہیں۔ یہ بھی حکم ہے کہ جلدی مت کرو کہ ابھی ہی ہوجائے۔ حضور ﷺ صحابہ سے فرماتے تھے کہ حالات بدلنے والے ہیں مگر تم جلدی کررہے ہو۔ جلدی مت کرو، حالات بدلنے والے ہیں۔ یہ دشواریوں کے حالات بدلیں گے اور آسانیوں کے حالات آئیں گے۔ آپ ﷺ یہ فرماتے تھے کہ اللہ سے امیدوار رہو، اللہ حالات کو بدلنے والا ہے۔ "اَبۡشِرُوۡا وَامِّلُوا مَاعَمِلۡتُمۡ" بشارتیں لو اور اللہ سے امیدوار رہو۔ اللہ سے آسانیوں کی امید رکھنا یہ بڑی عبادت ہے۔ یاد رکھو کہ بڑی عبادت کیا؟ سب سے بڑی عبادت اللہ سے امیدوار رہنا ہے۔ ناامید نہ ہو۔ کام نہ چھوڑو۔ گھبراؤ نہیں۔ انتظار کرو کہ اللہ کی جانب سے آسانی آنے والی ہے، کیوں کہ اللہ کا وعدہ ہے کہ جو کام ہم ان کے لئے کریں گے آسانیاں لائیں گے۔

﴿فَاِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا ،اِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا﴾

حق کی انتہاء کامیابیوں سے ہوتی ہے:

اسلام کی ابتداء ناگواریوں سے ہوگی اور انتہاء کامیابیوں سے ہوگی۔ اگر باطل کا راستہ اختیار کیا تو ابتداء خواہشوں سے ہوگی ،شہوتوں سے ہوگی اور آخرت میں ناکامیاں ملے گی۔ چنانچہ باطل والے اسی طرح ختم ہوجاتے ہیں۔ قارون ،فرعون سب ختم ہوگئے۔ ان کو تھوڑی دیر مزہ حاصل ہوگیا بس ختم۔ یہ ترتیب ہے اللہ کی۔

اللہ کے حقوق وحدود کی حفاظت کرو:

حق والوں کے ساتھ الگ ترتیب ہے اور باطل والوں کے ساتھ الگ ترتیب

ہے۔اس لئے اللہ سے مانگو۔حدیث میں کہ ''اِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ'' اللہ سے مدد مانگو۔جب کبھی تجھے مدد کی ضرورت پڑے تو اپنے اللہ سے مانگ اور اللہ کے حقوق کی حفاظت کر،اللہ تیری حفاظت کرے گا۔''اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ '' اللہ کے حقوق وحدود کی حفاظت کرو،اللہ تمہارے حقوق کی حفاظت کریگا۔مدد چاہتے ہیں تو اللہ سے مانگو اور کسی سے نہ مانگو۔اس لئے ہم اللہ سے مانگنے والے اور اللہ کے حقوق وحدود کی حفاظت کرنے والے بنیں۔اللہ ہمارے کاموں کی حفاظت کرے گا۔ہماری حفاظت کرے گا۔ ہماری ضروریات کو پورا کرے گا۔حالات صرف دین سے بدلتے ہیں ،دنیا کی کوئی طاقت حالت نہیں بدل سکتی۔حکومت ہو، دولت ہو، مالداری،عہدہ ہو۔ کوئی طاقت حالات نہیں بدل سکتی۔اسی کے قصے قرآن میں سنائے ہیں کہ حکومت والا ہلاک ہوا، دولت والا ہلاک ہوا۔تجارت والا ہلاک ہوا۔دنیا کے لیے اسباب چلتے رہیں گے ،لیکن ان سے حالات نہیں بدلیں گے۔حالات صرف ان کے دین سے بدلیں گے۔

اللہ سے اپنا معاملہ ٹھیک کرلو:

فرمایا کہ: مَنْ اَصْلَحَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللّٰهِ اَصْلَحَ اللّٰهُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ خَلْقِهٖ'' جو اپنا اور اللہ کا معاملہ ٹھیک کرلیں گے تو اللہ اس کا اور مخلوق معاملہ ٹھیک کردیں گے۔اس لئے اللہ سے اپنا معاملہ ٹھیک رکھو۔معاملہ خراب نہ کرو۔اسے ٹھیک رکھو۔کوتاہی نہ کرو اور اگر کوتاہی ہوگئی، غلطی ہوگئی تو اللہ سے معافی مانگو۔اللہ سے توبہ کرو۔استغفار کرو، پھر اللہ

خوش ہوں گےاور خوش کردیں گے۔حدیث میں ہے: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ اِذَا اَحْسَنُوْا اِسْتَبْشَرُوْا وَاِذَا اَسَاؤُا اِسْتَغْفَرُوْا ''اے اللہ مجھ کوایسا بنادے کہ مجھ سے غلطی ہوجائے تو میں استغفار کروں، اور مجھ سے نیکی ہوجائے تو خوش ہوجاؤں، الحمد للہ نیکی ہوگئی کہ خوش ہوجائیں، اللہ کا شکرادا کریں، اوراگر غلطی ہوگئی ہے تو اپنی غلطی پر اڑے نہیں، اپنی غلطی پراڑنے والا محروم ہوتا ہے۔

تکبرحق سے محرومی کا سبب ہے:

نوح علیہ السلام اپنی قوم سے بہت پریشان ہوگئے، کیوں کہ ان میں دو برائیاں تھیں، ایک اصرار یعنی اپنی غلطیوں پر اڑے رہنا کہ کسی کی بات سننا ہی نہیں، ماننا ہی نہیں، اور دوسرا ان کے اندر بڑائی تھی، اس لئے حق کو قبول نہیں کیا۔نوح علیہ السلام نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے اس کی شکایت کردی کہ میں نے انہیں بہت سمجھایا کہ ﴿وَاِنِّی کُلَّمَا دَعَوْتُھُمْ لِتَغْفِرَلَھُمْ جَعَلُوْا اَصَابِعَھُمْ فِی آذَانِھِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَھُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَکْبَرُوْا اِسْتِکْبَارًا﴾ (نوح:۷) کہ جب جب میں نے ان کو دعوت دی کہ ان کی مغفرت ہوجائے تو اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیں اور اپنے کپڑے جھاڑنے لگے، انہوں نے اصرار کیا اور بہت زیادہ تکبر کیا۔لیکن وہ اپنی بات پر اڑے رہے، ان کے اندر بڑائی ہے اور بڑائی کہ وجہ سے اچھی بات کو قبول نہیں کرتے، بڑائی کہ وجہ سے حق قبول نہیں ہوتا۔ان میں بیماریاں تھیں کہ ایک اپنے اندر کی بڑائی اور اپنی بات پر اڑے رہنا۔اس لئے وہ حق سے محروم بھی ہوئے اور عذاب

میں بھی پڑے۔نوح علیہ السلام ان سے بہت پریشان ہوئے اور اللہ سے شکایت کردی۔ یہ بات اس لئے بتائی جاتی ہے کہ دین کا کام کرنے والے اپنی کسی بات پر، اپنی کسی رائے پر اڑے نہ رہیں، جو حق ہے اسے قبول کرلو۔حق ایک ہی ہے۔لیکن یہ لوگ حق چھوڑ کر باطل کو اختیار کر رہے ہیں۔

اللہ کا دین اللہ کی امانت ہے:

میرے بھائیو! اللہ کا دین اللہ کی امانت ہے، یہ امانت صحیح سلامت بچا کر اللہ کو پہنچانی ہے۔کیوں کہ ہر آدمی سے روزِ قیامت اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔اللہ کو یقین والا ، اخلاص والا دین دکھانا ہے۔جیسا دین ہوگا ایسا مرتبہ ہوگا۔اس لئے اپنی محنت کو عمدہ اور بہتر بنانا ہے۔اپنی طاقت کے مطابق محنت کرنا ہے اور اللہ سے اس کی قبولیت کی دعا مانگنا ہے کہ اے اللہ تو اس کو قبول فرمالیں، اگر اللہ قبول فرمالے گا تو پھر اس کی حفاظت ہوگی۔جس چیز کو اللہ قبول کرلیں گے، اس کو چلائیں گے۔کتنے ہی حالات ان پر آجائیں وہ جمے رہیں گے۔کیوں کہ یہ قبول ہوگئے۔

اللہ سے اپنے عمل کو قبول کرالو:

ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کا گھر بنایا اور قبولیت کی دعا مانگی، ''رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا '' دعاء قبول ہوگئی کہ اب اس گھر کو کوئی نقصان نہیں پہونچا سکے گا۔اس کی حفاظت اللہ نے اپنے ذمہ لے لی۔اس لئے اس کو کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتا۔یہ نبیوں کی سنت

ہے کہ محنت کر کے اسے اللہ سے قبول کروانا ہے۔کوتاہیوں کی معافی کے ساتھ، اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگنی ہے پھر عمل کو قبول کروالیں۔ پھر وہ اللہ کی حفاظت میں ہے، پھر گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

دین کا کام صبر اور ثواب کا کام ہے:

صبر واستقامت کے ساتھ کام کرنا ہے۔ یہ کام فخر کرنے، بڑائی دکھانے، طاقت دکھانے کا کام نہیں ہے۔صبر کے ساتھ اور ثواب کی امید کے ساتھ کام کرو۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو قبول فرمائے۔آمین۔

دعوت کا کام اخلاق اور اخلاص سے ہو

بیان نمبر [۲]

کل ہند پرانوں کا جوڑ

مؤرخہ ۳۰؍ربیع الاول ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۹؍دسمبر ۲۰۱۶ء بروز بدھ بعد نماز مغرب

بمقام پٹنہ، صوبہ : بھار

اقتباس

استقامت ملکوتی صفت ہے اس لئے ہمیں استقامت کی دعوت ہے کہ ہم استقامت کے ساتھ رہیں، یہ بڑی چیز ہے کہ آدمی اپنے آپ کو پابند کرلے۔ پابند ہونا فرشتوں کی صفت ہے کہ جس کام کا انہیں حکم ملا ہے، بس! اسی کام میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ ملکوتی صفت ہے۔ روایتوں میں ہے کہ ایک فرشتہ زمین وآسمان کے پیدا ہونے کے بعد سے اللہ کے سامنے سجدہ میں ہے وہ قیامت تک سجدہ میں رہے گا۔ اور وہ جب سر اٹھائے گا تو یہ کہے گا کہ اے اللہ! مجھ سے تیرا حق ادا نہیں ہوا، بس ایک بات یہ ہے میں نے تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا ہے۔ اس لئے اپنے اندر استقامت پیدا کرو۔ جس عمل پر بھی قدم رکھو، خیال رکھو کہ چھوٹے نہیں، ناغہ نہ ہو، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ''یا عبدَاللّٰہِ! لَا تَکُنْ مِثْلَ فُلَانٍ کَانَ یَقُوْمُ اللَّیْلَ ثُمَّ تَرَکَ قِیَامَ اللَّیْلِ'' اے عبداللہ فلاں جیسا مت بنو، کیوں؟ کہ وہ رات کا قیام کرتا تھا پھر اس عمل کو چھوڑ دیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لاَ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لاَشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلاَ نَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ وَصَلّٰی اللّٰہ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَعَلیٰ آلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً کَثِیْراً . اَمَّابَعْدُ

دین کی سمجھ حاصل ہونے کی علامت:

میرے بزرگواور پیارے بھائیو! حدیث شریف میں ہے کہ اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کریگا اس کو دین کی سمجھ دے گا، 'مَنْ یُرِیْدِاللّٰہُ بِہٖ خَیْراً یُفَقِّھُہٗ فِی الدِّیْنَ ' دین کی سمجھ کی کیا نشانی ہے؟ دین کی سمجھ ملی ہے اس کی کیا علامت ہے؟ دین کی سمجھ ملنے کی نشانی یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی میں آخرت کی فکر کرے اور اس کے لئے عمل کرے۔ یہ دین کی سمجھ کی نشانی ہے۔ وہ اپنے عمل سے آخرت کما رہا ہے، اپنی فکر سے، اپنی محنت سے یہ دین کی سمجھ کی علامت اور یہ ہے سمجھ والا۔ اس کو کہتے ہیں تفقہ فی الدین۔

فقیہ اور سفیہ:

اگر کوئی آدمی اپنے عمل سے آخرت نہیں کما رہا ہے تو یہ فقیہ نہیں بلکہ سفیہ ہے،

نادان ہے کہ جو چیز باقی رہنے والی ہے اسے کھو رہا ہے، اور جو کھونے والی ہے اس کے پیچھے پھر رہا ہے، اصل بات یہ ہے کہ اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کریں گے، اس کو دین کی سمجھ دیں گے۔ دین کی سمجھ کے ملنے کی اور بھی بہت سی علامتیں ہیں مگر یہ خاص علامت ہے کہ اپنی زندگی آخرت والی بناوے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جب دنیا والوں کے پاس جاتے تھے تو یہی کہتے تھے کہ ہمارے عزائم تو آخرت بنانے کے ہیں، ''اِنَّمَا ھِمَمُنَا الآخِرَۃ'' کہ ہمارے عزائم تو آخرت بنانے کے ہیں۔

سب سے بڑا مرض آدمی کی نفسانیت ہے:

یہی بات اصل ہے کہ آدمی کی آخرت بنے، اور آخرت بننے کے لئے دین کی سمجھ ہے۔ آخرت کی رکاوٹ اور آخرت کے کاموں کو بگاڑنے کے لئے سب سے بڑا مرض آدمی کی نفسانیت ہے۔ حضرت جی مولانا یوسف صاحبؒ فرماتے تھے کہ آدمی کی نفسانیت اس کی آخرت کو تباہ کرے گی، کیوں کہ آدمی کا نفس اپنا حصہ ضرور بناتا ہے۔

نفس کی مثال کتے اور سانپ کی سی ہے:

نفس کی مثال کتے کی سی ہے اور سانپ جیسی ہے۔ کتا کھانے پینے کی چیزوں کو سونگھے گا اور پھر منہ ڈالے گا۔ اب جب کتے نے منہ ڈال دیا بات ختم، وہ چیز ناپاک ہوگئی۔ اب وہ چیز کام کی نہیں رہی۔ اب تین مرتبہ برتن کو دھوؤ اور پاک کرو، کیوں کہ کتے کے لعاب سے وہ سب ناپاک ہوگئے۔ ایسے ہی آدمی کی دین داری میں، اس کی نماز میں، نفس اپنا حصہ ڈالتا ہے، پھر نفسانیت پیدا ہوتی ہے۔

دین پھیلانے کے بڑے اعمال:

دین پھیلانے کے تین بڑے بڑے اعمال ہیں،حدیثوں میں اس کا ذکر ہے۔ایک قربانی،اللہ کے راستہ میں اپنی جان قربان کرنا،ایک سخاوت،یعنی اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرنااورایک علم۔عالم،سخی اورشہیدان تینوں کا حدیثوں میں ذکر ہے۔عالم اپناعلم پھیلارہاہے،قرآن کی خدمت کرر ہاہے۔اسی طرح شہید کہ اللہ کے راستہ میں اپنی جان لگارہاہے۔اورایک مال والا ہے کہ اپنے مال کواللہ کے راستہ میں لگارہاہے۔تبلیغ کے یہ تین بڑے بڑے کام ہیں۔

دین کوفاسدکرنے والی چیزیں:

باوجوداس کی اہمیت کے یہ تینوں آدمی برباد ہوئے،ہلاک ہوئے،کیوں ہلاک ہوئے؟ وہ اپنی نفسانیت کی وجہ سے ہلاک ہوئے کیوں کہ انہوں نے یہ عمل اس لئے کیا کہ لوگ مجھے سخی کہیں،لوگ مجھے شہید کہیں،لوگ مجھے عالم قاری کہیں،یہ سب نفسانیت کی علامتیں ہیں۔کوئی بھی غرض جس میں اللہ کی رضا مقصود نہ ہو،آخرت مقصود نہ ہو یہ دین کو فاسد کرنے والی ہے۔یہ سب سے بڑی اور مہلک چیز ہے۔نفسانیت آگئی کہ یہ آدمی کے دین کو ہلاک کرنے والی،برباد کرنے والی ہے۔اس لئے نفسانیت کے مقابلہ میں اخلاص کی تعلیم دی ہے،لہذا اپنے اندراخلاص پیدا کریں۔اللہ کا بن کر رہیں،نفس کا بن کر نہ رہیں۔اللہ کا بننے کے لئے اللہ کے

رسول ﷺ کے طریقوں پر عمل کریں، اپنی من چاہی پر عمل نہ کریں۔ جو بات اللہ رب العزت کی طرف سے حق ہے اس کے پابند بن جائیں۔

اخلاص پیدا کرنے کے لئے سب سے زیادہ مؤثر نیک صحبت ہے:

اچھی صحبت میں رہیں، جیسے صحابہؓ کو حضور ﷺ کی صحبت ملی، جس کا کوئی بدل ہی نہیں ہے۔ صحابی ہونا یہ سب سے بڑا خطاب ہے، اس وقت حاجی، قاضی کوئی خطاب نہیں ہوتے تھے۔ انہوں نے حضور کی صحبت پائی تھی۔ نیک صحبت آدمی کو قیمتی بناتی ہے۔ اخلاص پیدا کرنے کے لئے سب سے زیادہ مؤثر نیک صحبت ہے کہ اللہ والوں سے تعلق ہو جاوے، دین والوں سے تعلق پیدا ہو جاوے، جن کی عقیدت، جن کی محبت اللہ کے لئے ہو۔ بڑوں کے ساتھ بڑا بننے کے لئے نہیں بلکہ بڑوں کے ساتھ بندہ بننے کے لئے رہنا ہو۔ بڑوں کے ساتھ اس لئے رہنا ہے تاکہ بندہ بنے۔ اللہ کے حقوق اور بندوں کو حقوق کی پابندی کے لئے بڑوں کے ساتھ رہنا ہے۔ نفسانیت کو ختم کرنے کے لئے یہ مؤثر عمل ہے۔

دوسرا مؤثر عمل:

نفسانیت سے نکلنے کے لئے دوسرا مؤثر عمل یہ ہے کہ اپنی جان و مال کو اللہ کے حکموں پر لگاوے اور اپنے آپ کو اس کا پابند بناوے۔ حضرت جی مولانا یوسف صاحبؒ فرماتے تھے کہ اپنے آپ کو لگائے رکھو، اخلاص بھی آتا رہے گا۔ اپنے آپ کو

دین پر، دین کی صحیح ترتیب پر لگائے رکھو اور اپنے آپ کو پابند بناؤ۔ پابند بناؤ گے تو اخلاص بھی آتا رہے گا، فضائل تبلیغ کی ساتویں فصل ہے، جس میں یہ رہبری فرمائی ہے کہ اللہ والوں سے ملتے رہو۔ ان کی صحبت میں حاضری دیا کرو، ان کی خدمت میں جایا کرو، یہ ہمارے لیے رہبری ہے۔ جب آدمی بڑوں کے پاس جائے گا تو اس کی بڑائی ختم ہو جائے گی۔ ایک دیوار پر ایک بڑی لکیر کھینچو، چھوٹی بڑی کچھ پتہ نہیں چلے گا، لیکن اسی کے اوپر اس سے بڑی لکیر کھینچو تو اب کیا ہوگا کہ وہ پہلے والی لکیر چھوٹی ہو جائے گی۔ اس کے بغیر چھوٹے بڑے کا امتیاز نہیں ہوگا۔ اس لئے یہ مشورہ دیا تھا کہ بڑوں کے پاس بیٹھو، اللہ والوں کے ساتھ بیٹھا کرو، تا کہ تمہیں اپنا چھوٹا پن معلوم ہو۔ کیوں کہ یہ اللہ کے بندے ہیں، اللہ کی اطاعت کرتے ہیں، انہوں نے اپنا جان، مال لگا رکھا ہے، اللہ کو راضی کر رکھا ہے، اللہ سے تعلق پیدا ہو گیا ہے۔ لہذا ان کی صحبت اختیار کرو، تا کہ اپنے اندر چھوٹائی آوے۔

اللہ سے لینے کے بہت راستے ہیں:

اخلاص پیدا کرنے کی دوسری شکل یہ ہے کہ اپنے آپ کو عمل کا پابند کرو، دعوت کے بھی پابند، عبادت کے بھی پابند، علم کے بھی پابند، خدمت کے بھی پابند، دعاؤں کے بھی پابند، ذکر کے بھی پابند، اللہ سے لینے کے بہت راستے ہیں، روزی دینے کے بھی اللہ نے بہت راستے دے رکھے ہیں، بہت سارے راستوں سے بندوں کو روزی دیتا ہے، کسی کو کسی راستہ سے، کسی کو کسی راستہ سے، سب کو الگ الگ راستوں سے

روزی دیتا ہے، روزی دینے کے بھی بہت راستے ہیں، ماں تو صرف دودھ پلاسکتی ہے اور کچھ نہیں کرسکتی، اور اللہ کے پاس تو روزی دینے کے بہت سارے راستے ہیں، اسی طرح اللہ تک پہونچنے کے بھی بہت راستے ہیں، یہ سب ملاکر پورا ایک دین بنا ہے لہذا اس کے پابند بنو۔اس کی پابندی سے خلوص کی مایا ملے گی۔

قابلیت تو کام میں جمنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے:

اس لئے مولانا یوسف صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ کام میں لگے رہو، اخلاص بھی آتا رہے گا۔ پہلے دن اخلاص نہیں ہوتا، دوسرے دن اخلاص نہیں ہوتا۔قابلیت تو کام میں جمنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔کوئی آدمی کھلاڑی ہوتو وہ دوچار دن میں کھلاڑی نہیں بنا ہوتا۔وہ تو کھیلتے کھیلتے کھلاڑی ہوگیا۔گاتے گاتے گویّا ہوگیا۔اس کی پابندی اس پر اثر کرتی ہے۔ایسے ہی دین کی پابندی اس پر اثر کرے گی اور وہ دین دار ہوجائے گا۔اس لئے حضرت فرماتے تھے کہ اپنے آپ کو پابند کرو۔کوئی عمل چھوٹنے نہ پائے ، ہر عمل کا الگ الگ اثر ہوتا ہے، جیسے کھانا پکتا ہے تو نمک کا اثر الگ ہوتا ہے، مسالے کا اثر الگ ہوتا ہے، تیل کا الگ ہوتا ہے، نیچے سے جو آگ جلتی اس کا اثر الگ ہوتا ہے، اوپر سے جو پانی ڈالا ہے اس کا اثر الگ ہوتا ہے۔ان تمام اثرات کے مجموعے سے پکوان بنتا ہے، ہر چیز اس میں مناسب ہوتی ہے، تو وہ پکوان لذیذ ہوتا ہے، مرغوب اور پسندیدہ ہوگا۔خریدار خریدے گا ، مہمان کو کھلاؤ تو وہ بھی خوش ہوجائے گا، خود بھی کھا کر خوش ہوجائے گا کہ بہت اچھا ہے، کیوں؟ کیوں کہ اس میں مختلف اثرات پڑے ہیں۔

دین اعمال کے مجموعے کا نام ہے:

مولانا الیاس صاحبؒ یہ فرماتے تھے کہ دین یہ اعمال کے مجموعے کا نام ہے، ایک عمل کا نام دین نہیں، وہ دین کا ایک عمل ہے، جیسے آدمی بہت سارے اعضاء کے مجموعے کا نام ہے، وہ انسان ہے اپنی روح کے ساتھ۔ باقی سب بدن کے حصے ہیں، حصہ یہ انسان نہیں بلکہ بدن کا ایک حصہ ہے، ایسے ہی نماز یہ پورا دین نہیں بلکہ دین کا ایک حصہ ہے۔ زکوۃ ایک جزء ہے۔ ایسے ہی ہر عمل دین کا ایک جزء ہے۔ اللہ نے جو دین اتارا ہے وہ کامل ہے، اس میں بہت سارے اعمال ہیں۔ پھولہار اور گلدستہ کی طرح سے مختلف پھولوں کے مجموعے کا نام ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ دین اعمال کے مجموعے کا نام ہے۔

پورے دین کی محنت کرنی ہے:

دین کے ہر عمل کا ایک اثر ہے، ایمان کا اثر الگ ، عبادات کا اثر الگ ہے۔ معاشرت بنائی، لوگوں کے ساتھ رہن سہن اچھا بنایا تو اس کا اثر الگ ہے۔ لین دین اچھا بنایا اس کا اثر الگ ہے۔ اخلاق بنائے، صبر، شکر، درگذر یہ سب اخلاق کہلاتے ہیں۔ یہ بنائے تو ان کا اثر الگ۔ اس لئے پورے دین کی محنت ہوتی ہے۔ پورے دین کی دعوت ہوتی ہے، پورے دین کی تعلیم ہوتی ہے۔ پورے دین کی فکر ہوتی ہے۔ کسی ایک جز سے نہیں، پورا دین مقصود ہے، اگر پورا دین زندگی میں آیا تو جزء اس میں آہی جائے گا۔ مختلف اثرات حاصل ہوتے ہیں، نماز کا اثر الگ، نماز آ گئی

تو اس نے کیا اثر پیدا کیا، فرمایا: اَلصَّلٰوۃُ نُوْرٌ، نماز نور ہے۔ اپنی زندگی کو نماز سے نورانی بناؤ، نماز کیا ہے؟ ﴿اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرُ﴾ کہ نماز برائیوں سے روکنے والی ہے۔ نماز کیا ہے؟ روزی کی برکت کھینچے والی ہے۔ پتہ نہیں اس کے کتنے اثرات ہوں گے۔ ایسے ہی ہر عمل ہے۔ اس لئے پورے دین کی دعوت، پورے دین پر استقامت ہو۔

دین کے حق ہونے کا یقین ہو:

پورے دین کے حق ہونے کا یقین ہو کہ ہمارا دین حق ہے، ہمارے نبی ﷺ کے ذریعہ سے جو دین ملا وہ حق ہے۔ یہی وہ دین ہے جس کو اللہ پسند کریں گے، باقی کسی دین کو قبول نہیں کریں گے، ﴿وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْإِسْلَامِ دِیْناً فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَھُوَ فِیْ الآخِرَۃِ مِنَ الْخَاسِرِیْن﴾ (آل عمران:۸۴) کہ اس دین کے علاوہ کوئی اور دین لے کر آئے گا ہم ہرگز اس کو قبول نہیں کریں گے، اور آخرت میں وہ خسارہ پانے والا ہوگا۔

استقامت ملکوتی صفت ہے:

اس لئے ہمیں استقامت کی دعوت ہے کہ ہم استقامت کے ساتھ رہیں، یہ بڑی چیز ہے کہ اپنے آپ کو پابند کر لیا۔ فرشتوں کی صفت ہے پابند ہونا، جس کام کا انہیں حکم ملا ہے، بس! اسی کام میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ ملکوتی صفت ہے۔ روایتوں میں ہے کہ ایک فرشتہ زمین و آسمان کے پیدا ہونے کے بعد سے اللہ کے سامنے سجدہ میں ہے وہ قیامت

تک سجدہ میں رہے گا۔اوروہ جب سر اٹھائے گا تو یہ کہے گا کہ اے اللہ! مجھ سے تیرا حق ادا نہیں ہوا۔بس ایک بات یہ ہے میں نے تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا ہے۔اس لئے اپنے اندر استقامت پیدا کرو۔جس عمل پر بھی قدم رکھا، جہاں تک ہو سکے چھوٹے نہیں، ناغہ نہ ہو،اور چھوڑ نا تو جائز ہی نہیں ہے۔اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ''یا عبدَاللّٰهِ! لَا تَكُنْ مِثْلَ فُلَانٍ كَانَ يَقُوْمُ اللَّيْلَ ثُمَّ تَرَكَ قِيَامَ اللَّيْلِ '' اے عبداللہ فلاں جیسا مت بنو، کیوں کہ وہ رات کا قیام کرتا تھا پھر اس عمل کو چھوڑ دیا۔

عمل کو ترک کرنا بھی ایک طرح کا اعراض ہے:

عمل شروع کرنے کے بعد چھوڑ نا نہیں ہے، کیوں کہ عمل کو چھوڑ دینا ایک طرح کا اعراض ہے،یعنی منہ موڑنا ہے۔اللہ نے اپنے راستہ میں چلایا تھا،نیک کاموں میں چلایا تھا ،اب چھوڑ کر بیٹھ گئے۔یہ اعراض کہلاتا ہے، چاہے دل سے اعراض نہ ہو لیکن عمل سے اعراض ہے۔عملی اعراض ہے کہ اللہ سے منہ موڑ لیا۔اس لئے بزرگوں نے ہدایت دی ہے کہ اپنے معمولات کو مت چھوڑو۔اگر چھوٹ جائے تو اللہ سے استغفار کریں کہ یا اللہ میری تلاوت چھوٹ گئی، میرا گشت چھوٹ گیا۔آج فلاں کام مجھ سے نہیں ہوا ، میں توبہ کرتا ہوں۔میں استغفار کرتا ہوں اور اب ارادہ کرتا ہوں کہ اب نہیں چھوڑوں گا۔چاہے وہ فرض نہ ہو تو بھی اللہ سے اپنا ربط ایسا رکھیں،تا کہ اعراض کسی صورت میں نہ پیدا ہو۔کیوں کہ آپ نے منع فرمایا کہ فلاں جیسے مت بنو کہ رات کو عبادت کرتا تھا اور پھر اس کو چھوڑ کر بیٹھ گیا۔

عبدیت اللہ کو بہت پسند ہے:

عمل سے کسی صورت میں اعراض نہ کریں ، بلکہ جو حق بات اور حق کام اللہ کی طرف سے ملا ہے اور جس پر قدم اٹھایا ہے ،اب اس کو اخیر تک لے جانا ہے ، اس کو استقامت کہتے ہیں ،﴿فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴾ مسلمون یعنی اطاعت کرنے والے ..فرمایا: خبردار ! تمہاری موت اس حالت میں آوے کہ تم اللہ کی بات مانتے مانتے مرجاؤ ،اس کو عبدیت کہتے ہیں یعنی بندہ بننا ،اللہ کو یہ صفت بہت پسند ہے کہ بندہ بندہ بنے ۔اللہ کو یہ بات نا پسند ہے کہ بندہ بڑا بنے ، یہ بالکل پسند نہیں ہے ۔کیوں کہ اس کی فطرت نیچے جانے کی ہے ،اوپر جانے کی نہیں ہے ، کیوں کہ اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے ۔مٹی میں عروج نہیں ہوتا ۔وہ تو نیچے جاتی ہے ۔اس لئے اللہ کو بندہ کی خاکساری پسند ہے ۔میں تو مٹی سے پیدا ہوا ہوں ، میں خاک سے پیدا ہوا ہوں ، اللہ نے مجھے مٹی سے پیدا کیا ہے ، اس لئے میرے بھائیو ! اپنے اندر مٹی پنہ لاؤ ۔آگ کی طرح اوپر مت جا ۔آگ اوپر جاتی ہے اور پھر بجھ جاتی ہے ۔کیوں کہ اللہ کو یہ پسند ہی نہیں ہے کہ کوئی سر کو اٹھائے ، بلکہ یہ پسند ہے کہ سر کو جھکاوے ۔اللہ کے سامنے سر جھکانا یہ بڑی بات ہے ، جو عمل شریعت و سنت کے مطابق ہے اسمیں تو اپنے کو پابند بنانا ۔پابند ہونا یہ بندہ ہونے کی شان ہے ۔اسی سے درجے قائم ہوں گے ۔

نبوت کے درجے آپ پر بند ہو گیا:

نبوت اب کسی کو ملے گی نہیں !اللہ تعالیٰ نے نبوت کو حضور ﷺ پر ختم

کر دیا ہے۔اس کے بعد بہت سارے درجے ہیں، صدیقیت کا درجہ، شہداء کا درجہ ہے، صالحین کا درجہ ہے، یہ سب درجے ہیں ، ان چیزوں کا میدان کھلا ہوا ہے۔ یہ میدان بند نہیں ہوا۔لہذا آگے بڑھو تو درجے پاؤ گے۔حضرت عمرؓ حضرت صدیقؓ جیسا ہونے کی تمنا کرتے تھے۔دوسرے صحابہ خلفاء راشدین سے محبت کرتے تھے اور ان کے جیسا بننا چاہتے تھے۔کیوں کہ نبوت کے بعد کے درجات کھلے ہوئے ہیں ﴿وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوا﴾ ہر ایک کے ساتھ ان کے عمل کے حساب سے درجات قائم ہوں گے۔اس لئے آگے بڑھنے اور پابند ہونے کی دعوت دی ہے، نبی کو بھی پابند ہونے کا حکم دیا ہے، اے نبی آپ پابند رہیے، کیسی اور کتنی؟ کہ جیسا حکم دیا ایسی پابندی۔﴿وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ﴾ جیسا حکم کیا گیا ہے ایسی پابندی کیجئے، اس لئے آپ پر یہ بات بہت بھاری تھی۔حدیثوں میں ہے کہ حضور ﷺ فرماتے تھے کہ سورۂ ہود نے مجھ کو بوڑھا کر دیا۔اس امر کا اتنا بوجھ پڑا کہ بڑھاپا آگیا۔کسی صحابی نے کہا کہ آپ کے بالوں میں سفیدی آگئی ،تو فرمایا: ہاں ! مجھے سورۂ ہود نے بوڑھا کر دیا ہے۔پابندی کے بغیر اثر نہیں ہوتا۔اس کی تاثیر تب ظاہر ہوگی جب اپنے آپ کو اس کا پابند کریں۔سالہا سال گذر جائیں اور عمل نہ چھوٹے، چالیس برس گذر گئے کہ تکبیر اولیٰ نہیں چھوٹی۔

ضرورتیں پوری نہ ہوئیں تو نقصان ہوگا:

اپنے دین پر جمنا یہ تو ہمارا اصلی کام ہے۔باقی سب تو ہماری ضرورتیں ہیں،

ضرورتیں تو جانوروں کے ساتھ بھی ہیں، ضرورتوں کا انکار نہیں ہے۔ضرورتوں کو پوری کرو، اگر ضرورتیں پوری نہیں ہوں گی تو نقصان ہوگا۔ضرورت یہ لفظ ''ضرر'' سے ہے جس کے معنی ہوتا ہے نقصان ۔ اگر ضرورت پوری نہیں ہوئی تو نقصان ہوگا۔آدمی کھانا نہیں کھائے گا تو مرجائے گا، اس لئے کھانا کھانا ضروری ہے، بلا وجہ بھوکے رہنے کی اجازت نہیں ، کیوں؟ کیوں کہ بلاضرورت بھوکا رہا اور کمزور ہوگیا تو پھر کمزوری کی وجہ سے اللہ کے فرائض ادا نہیں کرسکے گا، یہ ضرورتیں کہلاتی ہیں۔ جو مقصد میں مدد دے اس کو ضرورت کہتے ہیں۔ جیسے ضروری کھانا پینا، ضروری کمانا، شادی کرنا، یہ سب ضررو تیں ہیں، یہ مقصد میں مدد کرے گی، منفی طور پر بھی اور مثبت طور پر بھی، بعض ضرورتیں ایسی ہیں کہ وہ گناہوں سے بچائیں گی، جیسے نکاح کرنا یہ زنا سے بچائے گا، اس لئے نکاح کا حکم دیا کہ نکاح کرو ، حرام میں نہ پڑو۔جس نے نکاح کیا اس کا آدھا ایمان سلامت ہوگیا۔باقی آدھے کی فکر کریں۔

ضرورت کس کو کہتے ہیں:

ضرورتیں اس کو کہتے ہیں جو مقصد میں مددگار ہو۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ اسباب پیدا کیئے ہیں، یہ ضروری ہیں۔ جیسے سحری کھانے سے روزے میں مدد ملتی ہے۔کیوں کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں انہیں دن میں کام کرنا پڑتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کے ذریعہ یہ طریقہ جاری کروایا کہ سحری کھاؤ، سحری کھانا یہ تو نبیوں کی سنت ہے۔سحری سے روزے میں قوت حاصل کرو۔جلدی سو کر تہجد میں اٹھنے کے لئے قوت حاصل کرو۔ یہ ھدایتیں ہیں۔

ضرورتوں کو دینی طریقہ پر پورا کرنا بھی دین ہے:

اللہ تعالیٰ ہماری ضرورتوں کو ہم سے زیادہ جانتا ہے، اس لئے ضرورتوں سے منع نہیں کیا بلکہ ضرورتوں کے پورا کرنے کا طریقہ بتایا ہے کہ اسطرح کھاؤ، اس طرح پیو، اسطرح شادی کرو، سفر کی ضرورت ہے تو سفر کے آداب اور احکام ہیں، جو اپنے ضرورتوں کو دینی طریقے سے پورا کرے گا اس کی ضرورتیں بھی دین بن جائیگی۔ کھانا، پینا، کمانا سب دین بن جائے گا۔ اصل کام کیا ہے کہ اپنے دین پر جمنا ہے، اس میں کوئی خلل پیدا نہ ہو اس لئے یہ ضرورتیں پوری کرنی ہے۔ اسطرح ضرورت دین ہو جائے گی۔

مقصد میں مستعمل وسائل بھی دین ہے:

یہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے، عنایت اور مدد ہے کہ ضرورتوں کو بھی دین بنا دیا۔ ''للوسائل حکم المقاصد'' فقہ کا قانون ہے وسائل کو بھی مقصد کا درجہ دیں گے، کچھ کام مقصد کے ہوتے ہیں اور کچھ کام مقصد تک پہونچنے کے لیے ہوتے ہیں۔ نماز پڑھنا یہ اصل مقصد ہے، اور اس کے لئے گھر سے چل کر آ رہا ہے، چلنا نماز نہیں ہے، لیکن چلنا نماز کے لیے ضرورت ہے، تو یہ چلنا نماز میں آ گیا اور اس کے لیے ہر قدم پر ایک نیکی لکھی جائیگی، ایک خطا معاف ہوگی اور ایک درجہ بلند ہوگا۔ کیوں؟ کیوں کہ یہ چلت نماز کے لیے ہوئی، جو جتنی دور سے آئے گا اتنی زیادہ فضیلت ملے گی، ایسے تمام ضرورتیں ہیں کہ اصل مقصد کے لیے جتنے وسائل اختیار

کئے جائیں گے، وہ سب دین بن جائیں گے، اس لئے مسلمان کا کھانا، پینا، کمانا سارا کا سارا دین۔

مسلمان کو دنیادار نہیں کہنا چاہئے:

مسلمان کبھی دنیادار نہیں ہوسکتا، لوگ کہتے ہیں کہ یہ دنیا دار ہے، ایسا نہیں کہنا چاہئے۔ مسلمان دنیادار نہیں ہوتا، کافر دنیا دار ہوتا ہے، کیوں کہ اس کا تو آخرت کا عقیدہ ہی نہیں ہے، آخرت کو مانتا ہی نہیں ہے۔﴿ إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِيْن﴾ یہی ایک زندگی ہے، یہیں جئیں گے، یہیں مریں گے، اور یہی پھر فنا ہوجائیں گے۔ یہ عقیدہ ہے کہ موت کے بعد کچھ نہیں ہے۔ یہ اللہ کی بات کو جھٹلا رہا ہے، کیوں کہ اللہ نے تو آخرت کی بات کہی ہے۔ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے پیدا کیا تھا، ہم جمع بھی کریں گے۔﴿ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهُ ﴾ جیسے پہلے ہم نے پیدا کیا تھا، دوبارہ بھی ہم پیدا کریں گے۔ نتیجہ دکھانے کے لئے دوبارہ اٹھائیں گے۔ کافر کا تو آخرت کے بارے میں عقیدہ نہیں ہے، کافر تو دنیادار ہی ہے۔ اس کے لئے کچھ نہیں، نہ دنیا میں کچھ ہے، نہ آخرت میں۔

مال وہ جمع کرتا جس کو کوئی عقل نہیں:

''اَلدُّنْيَا دَارُ مَنْ لَادَارَ لَهٗ ،مَالُ مَنْ لَامَالَ لَهٗ وَلَهَا يَجْمَعُ مَنْ لَا عَقْلَ لَهٗ'' یہ دنیا اس آدمی کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہیں، لاوارث ہے، دنیا کے لئے وہ آدمی مال جمع کرے گا جس کو عقل نہیں ہے، جو دنیا بڑھانے کے لئے مال جمع کرے وہ

عقل مند نہیں، کیوں کہ وہ فنا ہونے کے لئے جمع کررہا ہے۔ یا تو یہ مال کو چھوڑ دے گا اور اگر کوئی حادثہ آ گیا تو یہ فنا ہو جائے گا ورنہ مر جائے گا تو سب چھوٹ جائے گا۔ عقلمند دنیا کے لئے مال جمع نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے عقل آگے یعنی آخرت کو سوچنے اور نتیجہ سوچنے کے لئے دی ہے۔ عقل کے دو کام ہیں، ایک نتیجہ سوچے اور پابند ہو جائے۔

ہمارا نام مسلمان کیوں؟

کافر عقل سے کام نہیں لیتا، اس لئے وہ دنیا دار ہے، ہم دنیا دار نہیں ہیں، الحمدللہ! ہم تو دین دار ہیں۔ جیسا کہ مولانا نے ابھی فرمایا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام نے ہمارا نام مسلمان کیوں رکھا؟ ''هُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ '' انہوں نے تمہارا نام مسلم رکھا۔ مسلمان یعنی ماننے والا، اطاعت کرنے والا۔ ہم تو مسلم ہیں، ہم تو اللہ کو بھی مانتے ہیں اور اللہ نے جنتی باتیں کہی ہیں ان کو بھی مانتے ہیں، اور اس پر پابند بھی ہیں۔

عمل میں استقامت کی فضیلت:

میرے بھائیو! میں یہ کہہ رہا تھا ہمیں اپنے دین کا پابند بننا ہے کہ کوئی عمل شروع کیا تو اب وہ ہم سے نہیں چھوٹے گا، حدیث میں ہے کہ جو شخص عمل کا پابند ہے، اگر وہ بیمار ہو جائے اور اس سے وہ کام اب نہیں ہوتا تو اللہ بغیر عمل کے بھی اس کو ثواب عطا فرماتے ہیں، کیوں کہ یہ اپنی تندرستی میں پابند تھا، یا یہ کہ سفر میں گیا ہے اور وہ سفر میں عمل نہیں کرسکتا تو سفر میں بغیر عمل کے اللہ تعالیٰ اس کو ثواب عطا فرماتے ہیں۔ مرض

اورسفر یہ عذر کہلاتے ہیں۔مسافر سفر کی وجہ سے عمل نہیں کرسکتا، بیمار بیماری میں عمل نہیں کرسکتا، کیوں کہ یہ تو اعذار ہیں۔ میں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا کہ سفر میں جاتے ہیں تو تسبیحات چھوٹ جاتی ہیں۔حضرت نے کونے میں جواب لکھ دیا سفر عذر ہے،تو بوجھ ہلکا ہو گیا۔

سستی کسے کہتے ہیں؟

لہذا میرے بھائیو! سستی کی وجہ سے ہمارا کوئی عمل نہ چھوٹے ،اس پر ثواب نہیں ملے گا۔آدمی سست بنے اور سستی کی وجہ سے عمل چھوڑے یہ غلط ہے۔سستی کسے کہتے ہیں؟ میں مدرسہ میں پڑھانے والا ایک مدرس ہوں ،اس لئے چھوٹی چھوٹی باتیں سامنے آتی رہتی ہیں،سستی کو عربی میں ''کسل'' کہتے ہیں۔حدیثوں میں ہے کہ اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں سستی سے،''اللھم انی اعوذبك من الکسل'' حدیثوں میں جن چیزوں سے پناہ مانگی ہے ،حضرت شیخ نے ان تمام کو ایک کتاب میں جمع کرکے اس کو چھاپا ہے۔''کسل،سستی''یعنی ذمہ داری پورا کرنے کی طاقت ہوتے ہوئے بھی پورا نہ کرے،ایسے آدمی کو کہتے ہیں سست۔کام کرنے کی طاقت کے باوجود کام نہ کرے تو کہتے ہیں کہ اس نے اس کام میں سستی کی، پیچھے رہ گیا۔

سستی کا علاج چستی:

مولانا انعام الحسن صاحبؒ سے جب ہم نے پوچھا کہ حضرت سستی ہورہی ہے تو فرمایا کہ سستی کا علاج چستی ،اورکوئی لمبی بات نہیں کرتے تھے۔اٹھو بیٹھو، کام میں لگ

جاؤ، کوئی تمہیں گھول کے تھوڑا ہی پلائے گا۔اس لئے کوئی سستی نہ کرے، پیچھے نہ رہے۔اگر پیچھے رہ گیا ہے تو اللہ سے معافی مانگیں کہ یا اللہ میں تو پیچھے رہ گیا، مجھے تو آگے بڑھنا چاہئے تھا، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِی مَاقَدَّمْتُ وَمَااَخَّرْتُ وَمَااَسْرَرْتُ وَمَااَعْلَنْتُ وَمَااَسْرَفْتُ'' حضور ﷺ کی دعاؤں میں آتا ہے،آپ نیند میں سے اٹھ بیٹھتے تو کہتے تھے کہ اے اللہ مجھے معاف کردے، میں نے کچھ آگے کردیا ہوگا،کبھی پیچھے کردیا ہوگا۔آدمی سے آگے پیچھے ہوجاتا ہے،ایسا ہوجائے تو معافی مانگیں۔یہ اللہ کے ساتھ ادب میں سے ہے کہ اے اللہ مجھے یہ کرنا چاہئے تھا، میں نے نہیں کیا۔مجھ سے یہ نہیں ہوسکا،اس لئے میں معافی مانگتا ہوں،اب آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔

اللہ کو پابندی بہت پسند ہے:

لہذا سستی کبھی بھی نہ کریں، ذمہ داری پوری کرنے کی طاقت ہے پھر بھی پوری نہیں کرتے تو پیچھے رہ گئے، ایسا کیوں ہوا کہ اللہ کا ڈر نہیں ہے۔ایسا نہ کریں، اپنے آپ کو پابند کریں، کیوں کہ اللہ کو پابندی بہت پسند ہے، حدیثوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عمل کو پسند کرتے ہیں جس میں عمل کرنے والا اپنے آپ کو پابند کرے۔اللہ کی طاقت،اللہ کی تائید،اللہ کی مدد عمل کے ساتھ ہے،''نِعْمَ اَجْرُالْعَامِلِیْنَ''،''نِعْمَ اَجْرُالْعَامِلِیْنَ'' یہ کہا ہے۔اگر کوئی معافی مانگیں تو معاف کردیں گے،لیکن آگے مہر لگائی کہ،''نِعْمَ اَجْرُالْعَالَمِیْنَ''،عمل کرنے والوں کا انعام تو بہت بہتر ہے۔اگر کوئی چھوٹ چھاٹ ہوگئی،غلطی ہوگئی تو معاف تو کردیں گے، اللہ کو معافی پسند ہے، اللہ

تو معاف کرنے والا ہے، یہ تو اس کی صفت ہے۔﴿وَمَن يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوراً رَّحِيْما﴾ یہ بہت بڑی بشارت ہے کہ جس سے کوئی برائی ہوگئی، کوئی ظلم ہوگیا، پھر معافی مانگنے آگیا تو جب وہ معافی مانگے گا تو اپنے خدا کو غفور ورحیم پائے گا، تاکہ کوئی ناامید نہ بنے۔

جو غلطی کو تسلیم کرلے گا، اللہ کو غفور رحیم پائے گا:

میرے بھائیو! کام کرتے رہو، بھول بھی ہوگی، غلطی بھی ہوگی، گناہ بھی ہوجائے گا، آدمی ہے! فرشتہ تو ہے نہیں! گناہ کی وجہ سے وہ نہیں گرے گا بلکہ جب گناہ پر اڑ جائے گا تب گرے گا۔ اپنی غلطی تسلیم نہ کرے تو اب وہ گرے گا۔ لیکن اگر اپنی غلطی کو مانی ہے کہ اے اللہ مجھ سے گناہ ہوگیا، تو اللہ کہتے ہیں میں نے معاف کردیا۔ حضرت شیخ نے لکھا ہے بندہ جب کہتا ہے: رَبِّی اَذْنَبْتُ ذَنْبًا فَاغْفِرْلِی ''اے اللہ مجھ سے تو گناہ ہوگیا مجھ معاف کردے۔ تو اللہ کہتے ہیں کہ ہاں ! ہاں ! میں نے معاف کردیا۔ اللہ تعالیٰ معاف کرنے کے لئے تیار ہے، کیوں کہ گناہ تو آدمی سے ہی ہوتا ہے، فرشتوں سے تھوڑا ہی ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ نے ہمارے لیے معافی کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ اس لئے معافی مانگ لو اور اپنا تعلق صحیح کرلو۔ اگر سچی پکی توبہ کی ہے تو معاف بھی کریں گے، اور محبت بھی کریں گے، توبہ کرنے والوں سے اللہ محبت کرتے ہیں، ''اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ'' کتنی بڑی بات ہے۔

پابندی کام کی ترقی کا ذریعہ ہے:

میرے بھائیو! دین کا تقاضہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو آزاد نہ بنایا جائے، اپنے آپ کو پابند بناوے، اس لئے کہ کام کی ترقی کا ذریعہ، پابندی ہے۔ جس محنت میں ہم چل رہے ہیں اس کی ترقی کا سب سے بڑا ذریعہ پابندی ہے۔ کوئی پوچھے نہ پوچھے، اپنے آپ کو پابند بناوے۔ ہر عمل اپنی جگہ اہم ہے، کوئی عمل کمتر نہیں ہے۔ اسے کوئی کم تر نہ سمجھے، اس لئے اس کو جگہ دینی ہے۔ دعوت میں ہے تو دعوت کے کاموں کا اپنے آپ کو پابند بناویں، وقت کے ساتھ عمل کرے۔ جس کام کا جو وقت ہے اس کو اس وقت پر کرے، جیسے نماز، اللہ نے نماز کے بارے میں یہی حکم دیا ہے کہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرو۔ حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ ، کہ نمازوں کو اس کے وقت کے ساتھ ادا کریں، یہ نہیں کہ جب چاہا کرلیا، ایسا نہیں۔

نفس کی تربیت کیسے ہوگی؟:

کام کو وقت دو اور پھر اس وقت میں کام کرو۔ پھر یہ استقامت بنے گی اور اس سے نفس کی تربیت بھی ہوگی۔ نفس پہلے اس کام کا عادی بنے گا، جیسے جانور کو کسی کام کے لئے پہلے عادی بناتے ہیں، اس کو سکھاتے ہیں، گھوڑے کو، بیل کو، پہلے سکھاتے ہیں، جب وہ عادی ہو گیا پھر وہ دوسرا کام نہیں کرے گا، ایسے ہی جب آدمی اپنے آپ کو کسی کام کا پابند کرے گا، پہلے عادی بنے گا، حضرت عمرؓ نے حضرت سعد بن ابی

وقاصؓ سے فرمایا تھا جب وہ دس بارہ ہزار ساتھیوں کو لیکر کے قادسیہ کی مہم پر جا رہے تھے، تو اس موقع پر ان سے بہت سی باتیں فرمائی تھیں، حضرت سعدؓ بڑے آدمیوں میں سے ہیں، ان دس آدمیوں میں سے ہیں جن کو جنت کی بشارت ملی ہے۔ حضور ﷺ کے ننھال کے آدمی ہے، خاندانی اعتبار سے ماموں ہوتے ہیں۔ تو حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ اے وقاص! دیکھنا، کہیں تمہیں یہ بات دھوکے میں نہ ڈالے کہ تم نبی کے ماموں ہو۔ پھر فرمایا کہ اپنے ساتھیوں کو خیر کے کاموں کا عادی بنانا۔ پھر جب وہ واپس آئے تو خیر کے عادی بن چکے تھے۔ اس لئے فرمایا اگر جب چار ماہ لگے اور تہجد کی عادت نہیں پڑی! یہ کیسی بات ہے، ذکر کے عادی نہیں ہوئے، دعوت کے عادی نہیں ہوئے، خدمت کے عادی نہیں ہوئے۔ جب کرنے کے زمانہ میں کوئی چیز نہیں ہوئی تو پھر دوسرے وقت میں کیسے ہوگی؟

اللہ کے راستہ کی بڑی خیر:

اللہ کے راستہ کی بڑی خیر یہ ہے کہ اس خیر کا اپنے آپ کو عادی بناوے، روزانہ کریں، پابندی سے کریں، اس کی فضیلت اور اس کے اجر وثواب کو سامنے رکھ کر، بعض لوگ ایسے بھی گذرے ہیں کہ ان کی کبھی بھی عصر سے پہلے کی سنتیں بھی نہیں چھوٹی، حالاں کہ سنت غیر مؤکدہ ہے، کیوں کہ حضور ﷺ نے اس آدمی کو دعاء دی ہے جو عصر سے پہلے چار رکعات سنت پڑھے، حدیث شریف میں کہ: ''رَحِمَ اللّٰهُ اِمْرأً صَلّٰی قَبْلَ الْعَصْرِ اَرْبَعًا'' اللہ اس بندے پر رحم کرے جو عصر سے پہلے چار رکعات

پڑھے، دعاء دی ہے۔دعاء کی لالچ میں ساری عمر اس کی پابندی کی ،کبھی بھی نہیں چھوڑی، ہماری جماعت میں ایسے بھی ساتھی ہیں کہ برسہا برس گذر گئے مہینہ کے تین دن کبھی فوت نہیں ہوئے۔سالوں سال گذر گئے لیکن کبھی گشت فوت نہیں ہوا، تاریخ اسی سے بنتی ہے،سوانح اسی سے بنتی ہیں کہ دین کے پابند بن گئے، دین کی دعوت کے، دینی معاشرت کے۔

احسان کرنا معاشرت کا عمل ہے:

صحابہ معاشرت کے اعمال کے بھی پابند تھے۔دوسروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، اکثر صحابہ غریبوں اور یتیموں کے ساتھ کھانا کھاتے تھے، یہ معاشرت ہے کہ کھانے پینے میں دوسروں کا خیال کرے،احسان کرنا معاشرت کا عمل ہے۔ایسے کاموں کی پابندی کرنا ہماری دینی ترقی کا ذریعہ ہے۔اور ہماری اپنی ترقی کا بھی ذریعہ ہے۔

پابندی سے نفس دبتا ہے:

جب آدمی پابند ہوگا تو اس کا نفس دبے گا، پابندی نہیں ہوگی تو نفس نہیں دبے گا، اس کو عمل کی طرف کھینچتے ہیں تو وہ دبتا ہے،اور تربیت ہوتی ہے،ترقی کا ایک ذریعہ اپنے آپ کو پابند کرنا ہے۔ ہر عمل کی پابندی کی تو کیا کہنا ، یہ تو نور علی نور ہے۔دوسرا ہر کام کو اس کے اصول اور ترتیب سے کرنا۔کیف ما اتفق نہیں کہ جیسا ہو گیا کرلیا، نہیں بلکہ کام کو اصول وترتیب سے کرنا۔دعوت کا کام دعوت کے اصولوں سے،نماز ہے تو نماز کے اصول سے، ہر کام کے اصول ہیں، ہر مشین کے کھولنے بند کرنے کے

طریقے ہوتے ہیں، اسی سے وہ صحیح چلتا ہے، ایسے ہی اپنے دین میں بھی ہے کہ اپنے آپ کو اصول کا پابند کرے، کام کو کام کے اصول کے ساتھ کریں۔

اصول کی پابندی کا طریقہ:

اصول کی پابندی کا طریقہ کیا ہے؟ اصول کی پابندی کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو پابند کرے اور دوسروں کی رعایت کرے، دوسرے کے لئے سہولت دے اور اپنے کو پابند کرے، یہ نبوی طریقہ کہلاتا ہے، رسول ﷺ نماز پڑھاتے تھے تو ہلکی پڑھاتے تھے، اور اپنی پڑھتے تھے تو بھاری ہوتی تھی۔ عشاء کی نماز میں ''والتین والزیتون '' پڑھتے تھے، ہلکی نماز پڑھتے تھے، سہولت لوگوں کے لیے کرتے تھے، تاکہ لوگ مانوس ہوا، انہیں وحشت نہ آئے۔ سہولت کے لیے نہیں دینی ہے کہ نئے آدمی کو جماعت میں لے جاؤ، سہولت تو تربیت کے لیے ہے، رعایت تربیت کے لیے ہے، پابندی اپنے آپ پر ڈالے۔

عمل اصول کے ساتھ ہو تو نمونہ بنتا ہے:

جب عمل میں اصول آئیں گے تو وہ نمونہ بنیں گے۔ آپ ﷺ کی سیرت میں ہے کہ جب آپ کوئی کام شروع فرماتے تھے تو صحابہ ایسا اندازہ لگاتے تھے کہ اب آپ اس کو چھوڑیں گے ہی نہیں، لگاتار کرتے چلے جاتے تھے، اس طرح نمونہ بنتا ہے۔ اصول کے بغیر تربیت نہیں ہوتی، علاج علاج کے اصول سے ہوگا تو شفاء ملے گی، اور اگر اصول صحیح نہیں ہے تو شفاء نہیں ملے گی۔ ہم جب چھوٹے تھے، مدرسہ میں

پڑھتے تھے، بارہ سال کی عمر تھی، تو سائکل چلاتے تھے تو ہمارا ایک ساتھی وہ سائکل چلاتے چلاتے گر گیا، اور ہاتھ ٹوٹ گیا، کلائی میں سے ایسا ٹوٹا جیسے گنّا ٹوٹتا ہے، تو شہر میں اس وقت آج جیسی ڈاکٹری نہیں تھی، پچاس سال پہلے کی بات ہے۔ تو لوگ کسی بھلے آدمی کے پاس بھیج دیتے تھے تو اس کو بھی کہا کہ فلاں آدمی کے پاس جاؤ۔ ہمارے گاؤں میں بھی ایسے ہی ایک آدمی تھے وہ ہڈی ٹھیک کر کے پٹہ لگا دیتے تھے۔ تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ مدرسہ کے پاس اس علاج کرنے والے کا گھر تھا، ان کے پاس گئے ،انہوں نے دیکھا کہ طالب علم ہے، تو پٹہ باندھ دیا اور جھولی لگا دی اور کہا کہ جھولی میں سے ہاتھ کبھی نہ نکالنا، اور اتنے دنوں کے بعد میرے پاس آنا۔ مدرسہ والوں نے اس کو چھٹی دے دی کہ اتنے دن تو گھر چلا جا، وقت آجائے بتلانے آجانا، اس بھلے آدمی نے گھر جا کر جھولی چھوڑ دی، پھر جب وہ ڈاکٹر کے پاس دوبارہ گیا تو جھولی بغیر گیا، وہ ڈاکٹر تو بڑا اصولی آدمی تھا، اس نے واپس کر دیا کہ جیسے آئے ہو ویسے واپس چلے جاؤ، میں بالکل ہاتھ ہی نہیں لگاؤں گا۔ چنانچہ اس کا ہاتھ ایسا کا ایسا رہ گیا اور کمی ایسی کی ایسی ہی رہ گئی، کیوں کہ ہر کام اپنے اصولوں سے ہوتے ہیں، اس نے کہا تھا کہ جھولی میں سے ہاتھ مت نکالنا، کیوں نکالا؟

اصلیت کی طرف رجوع کرو اور اصلیت والوں کا ساتھ دو:

اسی طرح ہر چیز کے اصول ہوتے ہیں ،اور اصول بڑوں سے سیکھے جاتے ہیں، جس لائن کے بڑے ہوں اس لائن کے بڑوں سے پوچھے، علاج کی لائن ہے تو

اس لائن کے ماہر حکیموں اور ڈاکٹروں سے پوچھو۔شریعت کی بات ہے تو علماء سے پوچھو، مسجد وار جماعت سے نہیں؟ تبلیغی بات ہے تو تبلیغ کے بڑوں سے پوچھو کہ انہوں نے کیا ترتیب بتائی۔ ہر کام میں اصلیت کی طرف رجوع کرنا اور اصلیت والوں کا ساتھ لینا یہ بہت ضروری ہے۔ بَرَکَاتُکُمْ مَعَ اَکَابِرِکُمْ ، برکت تو تمہارے بڑوں کے ساتھ ہوگی، اس لئے جس لائن کے جو بڑے ہیں ان سے رجوع کرو۔اس میں برکت ملے گی۔ بڑوں سے کٹنا اور بڑوں سے ہٹنا اس میں برکت نہیں ہے۔اس کا ہر لائن میں شدید نقصان ہے، جیسا میں نے کہا کہ علاج کرنے والا، کہ وہ اس لائن کا بڑا تھا، اس کی بات نہیں مانی تو ساری زندگی نقصان میں رہا، اس لئے اصول کے بغیر ترقی نہیں ہے۔

کام اصول پر ہوگا تو زندگی اصول پر آئے گی:

اس لئے میرے بھائیو! اصولوں کو سیکھیں، بار بار اللہ کے راستہ میں نکلیں، ان سے پوچھیں، یاد کریں، یاد کر کے عمل کریں اور دوسروں کو سکھاویں، یہ ذمہ داری ہے، تاکہ کام اصول پر اٹھے اور زندگی اصولوں پر آوے۔ برکت بڑوں کے ساتھ ہوتی ہے، اس لئے بڑوں سے نہ کٹیں اور نہ ہٹیں، اللہ نے چھوٹوں اور بڑوں میں امتیاز رکھا ہے۔اس امتیاز کو باقی رکھنا ہے۔اصولوں پر چلنے کے لئے اصول والوں سے پوچھنا، پوچھ کر عمل کرنا، عمل کر کے پیش کرنا کہ ہم نے اس طرح کیا۔کارگذاری اسی لئے ہوتی ہے۔اس میں کوئی کمی ہوتی ہے تو مذاکرے میں آجاتی ہے۔اور نکھر کر کے

بات سامنے آجاتی ہے، کارگذاری کی یہی مصلحت ہے کہ کام کر کے پھر سناؤ۔ یہ سنانا گویا کہ اپنے آپ کونگرانی میں رکھنا ہے۔نگرانی میں رہنا بہت ضروری ہے۔ جونگرانی میں نہیں رہتا اس کی کوئی قدر نہیں ہے۔ کتا سڑک پر مرجاتا ہے تو اس کا پوچھنے والا کوئی نہیں کہ وہ آوارہ ہے اس کے مقابلے میں کسی کی مرغی مری تو پھر دیکھ لو! کیوں کہ مرغی پابند ہے۔اسی طرح اللہ کوان لوگوں کی کوئی پرواہ نہیں جو پابند نہیں ہے۔ کسی بھی جیل میں جا کے مرے ، اللہ کہتے ہیں کہ مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں، کیوں کہ یہ ہماری اطاعت میں نہیں ، یہ اہم بات ہے کہ اللہ کی اطاعت میں رہے۔اس لئے اطاعت والی زندگی بناوے اور اپنے آپ کو اصولوں کا پابند بناوے۔

اطاعت مذہب کی روح ہے:

لہذا اصول کوسیکھیں ، اصول کے طالب بنیں ، اصول کے مدعی نہ بنیں۔ جیسے مریض علاج میں طالب ہوتا ہے۔ڈاکٹر جو کہے وہ ٹھیک ،اس کو مانکر چلتا ہے تو وہ ٹھیک ہوجائے گا۔کام کی ترقی کا ایک ذریعہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو اصولوں کا پابند بناویں۔اصولوں کے مذاکرے کرنے ہیں، کسی پر نقد نہیں کرنا ہے، کسی کوٹوکنا نہیں ہے۔ مذاکرے ضرور کرنے ہیں تا کہ ذہن صاف ہوجائے۔تو کام جب اصولوں پر ہوگا تو ترقی ہوگی۔جس کام کو اصولوں کے ساتھ کیا جائے گا، وہ باقی رہے گا۔اس لئے ہم اللہ کے راستہ میں پھریں، سیکھنے کی نیت سے ، یہ نہ سمجھیں کہ ہم تو سیکھ گئے ، ایسا ہرگز نہ کریں ، بلکہ سیکھیں ، پوچھیں اور عمل کریں۔ دین کی محنت کے ساتھ سمجھ کو بڑھائیں،

اصولوں کی پابندی تو ترقی کا زینہ ہے، اطاعت کے ساتھ چلنا، اطاعت کے ساتھ جینا یہ ترقی کا ذریعہ ہے، بات مان کر چلیں گے، کیوں کہ اطاعت تو مذہب کی روح ہے۔ اسلام بغیر اطاعت کے کچھ بھی نہیں اور اطاعت ہوئی تو گویا کہ اس میں جان پڑ گئی۔

اطاعت کے تین درجے ہیں:

اللہ کی اطاعت، اللہ کے رسول کی اطاعت، ذمہ داروں کی اطاعت، یہ اطاعت کے تین درجے ہیں، اصل تو اللہ کی اطاعت ہے، لیکن آدمی نیچے سے اوپر جائے گا، یہ اطاعتوں کی ذمہ داری ڈالی ہے، ﴿اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾ اطاعت کرو اللہ کی، اطاعت کرو اللہ کے رسول کی، اور اطاعت کرو اپنے ذمہ داروں کی۔ لہذا اپنے ذمہ داروں کی اطاعت کرنا رسول کی اطاعت تک لے جائے گا، اور رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت تک لے جائے گی۔ ”مَنْ یُّطِیْعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ“ جو رسول کی اطاعت کرے گا، گویا کہ اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت ایک چیز ہے۔ لیکن نیچے والی اطاعت میں فرق ہے۔

اولی الامر کی اطاعت کب؟

اولی الامر یعنی ذمہ داروں کی اطاعت کرنا۔ ہاں! لیکن ان کی اطاعت کب تک؟ جب تک کہ وہ نافرمانی کی بات نہ کرے، اگر وہ نافرمانی کی بات کرے تو ذمہ داروں کی بات بھی نہیں مانی جائے گی، ”لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ“ کسی بھی مخلوق

کی اطاعت، اگر وہ گناہ کی بات کرے تو نہیں مانی جائے گی، یہاں تک ماں باپ کی بھی نہیں مانی جائے گی۔ کیوں؟ اس لئے کہ ماں باپ بھی گناہ کی بات کررہے ہیں۔﴿وَإِن جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا﴾ اگر ماں باپ شرک کرنے کی بات کررہے ہیں تو مت مانو۔ باقی ماں باپ کی بات کو مانو۔ شرک حرام ہے اس لئے ان کی یہ بات نہیں مانیں گے۔ ہاں! ماں باپ کے ساتھ سلوک کیا جائے گا، چاہے کافر ہو تب بھی، یہ اعتدال کی بات ہے کہ نافرمانی کی بات نہیں مانی جائے گی، لیکن ان کے ساتھ بدسلوکی بھی نہیں کی جائے گی۔ یہ اصول ہے کہ بات غلط ہے تو ہم نہیں مانیں گے۔ باقی ان کے ساتھ بدسلوکی نہیں کریں گے، کیوں کہ بدسلوکی تو فساد کا ذریعہ ہے۔

صحیح بات چھوڑنا نہیں اور غلط کو ماننا نہیں:

اعتدال کی بات یہ ہے کہ غلط بات کو مانا نہیں جائے گا اور صحیح کو چھوڑا نہیں جائے گا، باقی حسن سلوک تو ہر جگہ مطلوب ہے۔ اصول پر اپنے آپ کو ڈالنا اور اصولوں کا اپنے آپ کو پابند بنانا، اطاعت کا مزاج بنانا یہ بہت ضروری ہے۔ صحابہ کا مزاج اطاعت کا مزاج تھا۔ اطاعت کے معاملہ میں صحابہ ممتاز ہیں، اس لئے کہ انہوں نے اپنا مزاج ہی اطاعت والا بنایا تھا۔ قرآن وحدیث کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اطاعت کی جائے، یہ مزاجِ اسلام ہے۔ حضرت جی رحمۃ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا مزاج اسلامی مزاج ہو اور ہم قرآن وحدیث کی اطاعت کرنے والے ہوں۔ پوچھ کر چلنا، مان کر چلنا، یہ اصل بات ہے۔

اطاعت ادب وعظمت کے ساتھ ہو:

مذہب کی روح اطاعت کرنا ہے، لہذا ادب کے ساتھ اطاعت کریں، عظمت کے ساتھ اطاعت کریں، صحابہ کی اطاعت میں یہ بات ملتی ہے کہ وہ عظمت کے ساتھ اطاعت کرتے تھے، بوجھ سمجھ کر اطاعت نہیں کرتے تھے۔ کراہیت کے ساتھ نہیں، بلکہ محبت سے اطاعت کرتے تھے۔ حضرت ابن مسعودؓ مسجد میں داخل ہو رہے تھے، دروازہ پر پہونچ گئے، جب دروازہ پر پہونچے تو حضور ﷺ ممبر پر تھے، ممبر پر فرمایا کہ "اِجلِسُوا" بیٹھ جایئے، بس! یہ بات کان پر پڑی اور وہیں بیٹھ گئے، حالانکہ دروزاہ بیٹھنے کی جگہ نہیں ہے، آنے جانے کی جگہ ہے، لیکن حکم تھا بیٹھ جایئے اس لئے بیٹھ گئے۔ حضور ﷺ کو پتہ چلا کہ ابن مسعود دروازہ پر بیٹھے ہیں تو آپ نے بلا لیا کہ عبداللہ آگے آجاؤ، یہ تھی اطاعت! کہ نبی کی بات کے بعد قدم آگے نہیں بڑھیگا، "لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَىِ اللّٰهِ وَ رَسُولِه" عظمت کے ساتھ پابند ہو گئے، حکم کی عظمت ہے۔

عبداللہ بن رواحہؓ مسجد نبوی سے قریب کے محلّہ میں رہتے تھے، ایسا ہی قصہ ان کے ساتھ بھی پیش آیا کہ جب آپ نے ممبر پر بیٹھ کر حکم دیا کہ بیٹھ جایئے، انہوں نے وہاں اپنے گھر میں سنا، کیوں کہ مسجد کی دیواریں چھوٹی چھوٹی تھیں، اصل دیواروں کے نشان ابھی بھی ہیں، پہلے جماعتوں میں جاتے تھے اور جماعت کا کام کرتے کرتے حج کرتے تھے، اس وقت کے بڑے مسجد نبوی کی زیارت کرواتے تھے کہ یہاں یہ تھا، یہاں یہ تھا، آثار مسجد نبوی کی زیارت کرواتے تھے۔ مسجد نبوی کی حد کہاں تک تھی؟ وہ

سب کچھ وہاں پر لکھا ہوا ہے۔ دیواریں چھوٹی چھوٹی تھیں تو آواز باہر گئی، عبداللہ ابن رواحہ قریب ہی محلّہ میں تھے، آواز سنی تو وہ بھی وہیں بیٹھ گئے۔ یہ ادب اور عظمت ہے حکم کے ساتھ۔ حضور ﷺ کو پتہ نہیں تھا، جب لوگوں نے کہا کہ عبداللہ ابن رواحہ نے باغ میں آواز سنی تو وہ وہیں بیٹھ گئے تو حضور ﷺ نے ان کو دعا دی کہ اللہ ان کے اطاعت کے جذبہ میں اور ترقی دے۔

اطاعت حق کی ہوتی ہے، ناحق کی نہیں:

دین کے کام کی ترقی کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ بات کو سنا جائے اور مانا جائے، جو بات صحیح ہے، حق ہے، ہم اس کے تابع ہیں۔ ہاں حق کی تحقیق ضروری ہے کہ صحیح چیز کیا ہے؟ کیوں کہ اطاعت تو حق کی ہوتی ہے، ناحق کی تھوڑی ہی ہوتی ہے؟ غلط بات کی اطاعت نہیں ہوتی۔ جو چیز حق ہے، صحیح ہے اسکے ہر حال میں پابند بننا ہے، اپنی طاقت کے مطابق پابندی کرنا ہے۔ طاقت سے زیادہ اللہ کسی پر بوجھ نہیں ڈالتا، پھر یہ اطاعت ترقی کا ذریعہ بنتی ہے۔

مشورہ تو کام کی حفاظت اور سلامتی کا ذریعہ ہے:

اجتماعی کام ہے تو صلاح و مشورہ سے چلو۔ رائے لو اور رائے دو۔ رائے بڑوں سے لی جائے گی، بڑے نہ ہوں تو برابر والوں سے لی جائے گی اور برابر والے نہ ہوں تو چھوٹوں سے لی جائے گی۔ علماء نے یہ بات لکھی ہے: "البرکة مع اکابرکم"

برکتیں تمہارے بڑوں کے ساتھ ہیں، اس لئے بڑوں سے مشورہ لو کہ اس میں ہم کیا کریں، مشورہ کریں، یہ سنتِ پیغمبر ہے، مشورہ کام کی حفاظت کا ذریعہ ہے، اور سلامتی کا بھی ذریعہ ہے۔

اللہ سے مشورہ کرنے کا نام استخارہ ہے:

اسی طرح اللہ سے بھی مشورہ کیا کرو، اللہ سے مشورہ کرنے کا نام استخارہ ہے۔ استخارہ کرنا ہے کہ اے اللہ ! میرے مقدر میں جو خیر ہے، مجھے تو معلوم نہیں ہے، تجھے سب کچھ معلوم ہے، یہ استخارہ یعنی اللہ سے خیر مانگنا۔ آپس میں مشورہ کرو، اللہ سے استخارہ کرو، یہ امت کا کام ہے کہ آپس میں مشورہ کرنا، اور اپنے آپ کو مشورہ کا پابند بنانا۔ حضرت علیؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! ابھی تو ہم آپ کی خدمت میں ہیں، آپ کی صحبت میں ہیں اس لئے کوئی مسئلہ ہی نہیں، کوئی بات پیش آئے تو آپ موجود ہی ہیں، لیکن آپ کے بعد بھی ہمارے سامنے مسائل آتے رہیں گے، اگر اس مسئلہ کا حل قرآن وحدیث سے نہ پاویں تو کیا کریں؟ فرمایا کہ اللہ کے نیک بندوں کو جمع کرو، اور ان سے مشورہ کرو، ایک آدمی پر دارومدار مت رکھو۔ یہ مشورہ کا طریقہ ہے کہ بڑوں سے مشورہ بھی کریں گے، برابر والوں سے بھی کریں گے اور چھوٹوں سے بھی کریں گے۔ حضور ﷺ کے سامنے سارے صحابہ چھوٹے ہیں، پھر بھی آپ پوچھتے تھے کہ آپ کی کیا رائے ہے؟

طالب حالب ہوتا ہے:

اللہ تعالیٰ نے بندوں میں خیر پھیلا رکھی ہے، بڑوں میں بھی، برابر والوں میں اور چھوٹوں میں بھی خیر ہوتی ہے۔ جب کوئی بندہ خیر کا تلاش کرنے والا ہوگا تو اللہ اس کو خیر دیں گے۔ طالب حالب ہوتا ہے، جو طلب گار ہوگا وہ دودھ دوھنے والا ہوگا۔ بچہ ماں کے دودھ کا طالب ہوتا ہے تو ماں کے سینے میں دودھ آتا ہے اور وہ بچہ پیتا ہے، ایسے ہی جو حق تلاش کرنے والے ہوں گے، حق کے طالب ہوں گے، اللہ تعالیٰ ان کی طلب کی برکت سے دوسروں کے دلوں میں بات ڈالتے ہیں جس سے اس کو فائدہ ہوتا ہے، ہم مدرسہ میں پڑھاتے ہیں، بہت سی مرتبہ اس کا تجربہ ہوا۔ بعض مرتبہ کوئی مسئلہ سمجھ میں نہیں آیا، ادھر دیکھا اُدھر دیکھا، اس کتاب میں دیکھا، اُس کتاب میں دیکھا، کچھ سمجھ میں نہیں آیا، بات حل نہیں ہوئی، پھر جب پڑھانے بیٹھے، تو کوئی طالب علم جو پڑھنے والا ہوتا ہے، سچا طالب ہوتا ہے تو اس کی برکت سے وہ مسئلہ سمجھ میں آگیا۔ ہمارا دل بھی مطمئن ہوگیا اور طالب علم کا دل بھی۔ یہ طلب کی برکت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو یہ چیز دینا چاہتے تھے تو ہم کو اس کا ذریعہ بنا دیا۔

خلوص سے فیض پہونچتا ہے:

خلوص کی برکت ہوتی ہے، خلوص چاہے پڑھنے والے میں ہو یا پڑھانے والے میں، اس کا فیض پہونچ کر رہے گا۔ مشورہ کی بنیاد امانت داری ہے۔ اس لئے امانت داری سے مشورہ کرو، کوئی غرض نہ ہو، کوئی طلب نہ ہو۔ کام کی مصلحت، کام کا نفع

دیکھنا ہے۔بعض مرتبہ نجی مشورہ بھی ہوتا ہے،اس میں اس کی کیا مصلحت ہے، کیا فائدہ ہے، یہ سامنے رکھ کر مشورہ دیں۔مشورہ جس سے لیا جائے اس کا امانت دار ہونا ضروری ہے۔ ’’المستشار مؤتمن ‘‘ خبر ہے مگر امر کے معنی میں ہے،مشورہ جس سے لیا جائے وہ امانت دار رہے،اور امانت داری سے مشورہ دے کہ بھائی یہ مشورہ ہے۔

مشورہ کی کیفیت نرمی ہے:

مشورہ کی کیفیت نرمی ہونی چاہئے۔مشورہ میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ نرم بن کر مشورہ دو،کسی کی کاٹو مت۔کسی کو ڈانٹو نہیں۔﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ﴾ بہت سے احکام دے دیئے ہیں اس آیت میں،فرمایا کہ یہ اللہ کی رحمت کا اثر ہے کہ نبی آپ نرم ہو گئے ہیں، اللہ نے رسول ﷺ کو کیسا بنایا؟ نرم بنایا۔کوئی آپ سے ناامید نہیں ہوتا تھا، آپ کی نرمی ایسی تھی! مشرکین مکہ آپ کے دشمن تھے پھر بھی وہ آپ سے ناامید نہیں ہوتے تھے کہ کوئی بات لے کر جائیں گے تو آپ ضرور قبول کریں گے۔ان کی کوئی حاجت ہوتی تھی ،ضرورت ہوتی تھی تو آپ کے پاس آتے تھے، حالانکہ آپ کے دشمن ہیں۔کیوں؟ وہ جانتے تھے کہ آپ نرم دل ہیں، وہ کہتے تھے کہ آپ تو ہمارے رشتہ دار ہیں، ہمارا فلاں کام ہے، ہماری ضرورت ہے، آپ ہمیں کوئی رائے دیں، ہماری مدد فرمائیں۔حضور ﷺ ان کی بات کو سنتے تھے اور حاجت پوری فرماتے تھے۔

’’فاعُفُ عَنۡهُمۡ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ‘‘ کا مطلب:

اس لئے فرمایا کہ یہ اللہ کی رحمت کا اثر ہے کہ آپ نرم ہیں، اگر آپ سخت مزاج ہوتے، سخت زبان ہوتے تو یہ مجمع آپ سے چھوٹ جاتا، آپ کے پاس کوئی نہ بیٹھتا۔ آپ سے کوئی کٹتے چھٹتے نہیں تھے، بلکہ آپ سے محبت کرتے تھے اور آپ کو چھوڑنا ان کو گوارا نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اپنے صحابہ کے بارے میں درگذر سے کام لیں، ان سے کوئی غلطی ہوجائے تو درگذر سے کام لیں، اس سے متعلق دو باتیں فرمائی ہے: فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ‘ دونوں کا الگ الگ مطلب ہے۔ اگر انہوں نے آپ کے حق میں کوتاہی کی ہے تو آپ اپنی ذات سے معاف فرمادیجئے، اور اللہ کے حق میں کوتاہی کی تو ان کے لئے معافی کی دعاء بھی مانگیے۔ آپ کا اپنا حق ہے تو معاف فرمادیں، اور اگر اللہ کے حق میں آگے پیچھے کیا ہے تو ان کے لیے استغفار کریں، اور معافی مانگیں، ساتھیوں کے ساتھ یہ سلوک سکھایا ہے۔

مشورہ میں بانٹ، چھانٹ اور ڈانٹ نہ ہو:

تیسری بات یہ فرمائی: وَشَاوِرۡهُمۡ فِي الۡاَمۡرِ کہ اپنے ساتھیوں سے کاموں میں مشورہ لیا کیجیے، ان سے پوچھئے، اس لئے آپ پوچھتے رہتے تھے ’’مَاذَا تَرَوۡنَ؟‘‘ تمہاری کیا رائے ہے؟ اور صحابہ کھل کر رائے دیتے تھے۔ یہ خاص بات تھی، بعض مرتبہ

پوچھتے تھے کہ یارسول اللہ! جو رائے آپ نے دی ہے تو کیا اللہ کا حکم ہے؟ تو آپ فرماتے نہیں، یہ میری ذاتی رائے ہے، تو صحابہ کہتے کہ ہماری یہ رائے ہے۔ یہ مشورہ کا تعلق، بہترین تعلق، کوئی بانٹ نہیں، کوئی چھانٹ نہیں، کوئی ڈانٹ نہیں، کچھ نہیں۔ مشورہ کی کیفیت نرمی ہے۔ آپ سب کی سنتے تھے، منافقین کہتے تھے: ''وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ'' یہ تو نرا کان ہے جو کہو وہ سن لے گا، کم بخت یہ کہتے ہیں۔ اللہ نے کہا کہ ان کا کان بن کر سننا، تمہاری خیریت ہے اس میں کہ تم سے درگذر کرتا ہے، وہ اس کو نہیں سمجھتے تھے۔

حق کے مقابلے میں اڑنا اور اکڑنا نہ ہو:

اللہ نے مختلف صلاحیتیں رکھی ہیں، اس لئے ان کے اندر رائے پیدا ہوتی ہے، وہ رائے کام کے لیے مفید بھی ہوتی ہے، بعض مرتبہ مفید نہیں بھی ہوتی۔ کوئی بات نہیں، رائے کا اظہار کریں، رائے قبول ہو تو بھی ٹھیک، نہ ہو تو بھی ٹھیک۔ کیوں کہ ہم تو مشورہ کے تابع ہیں۔ ہمیں تو کام مقصود ہے، اپنی سنانا مقصود نہیں ہے۔ میری ہی چلے اور میں جو کہوں وہ ہی چلے تو یہ تو مصیبت ہے۔ نوح علیہ السلام کی قوم میں دو صفتیں خاص تھی، ایک اپنی بات پر اڑنا، چھوڑتے نہیں تھے۔ دوسرا حق کے مقابلے میں اکڑنا۔ نوح علیہ السلام کو انھوں نے بیزار کر دیا تھا۔ وہ اپنی بات پر اڑے رہتے تھے، اس لئے جب نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ان کے بارے میں شکایتیں کیں تو یہ بھی کہا کہ یہ

لوگ اپنی بات پر اڑے رہتے ہیں، دوسرا جو بات حق ہوتی ہے اسے قبول کرنے کے بجائے اس کے سامنے اکڑ جاتے ہیں، مانتے نہیں۔ ﴿وَاَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا﴾ یہ صفت ٹھیک نہیں ہے۔

مشورہ سے آپس کا تناؤ ختم ہوتا ہے:

حق بات مان لینی چاہئے، اس میں مخالف، موافق نہیں دیکھا جائے گا۔ سامنے والے کی بات صحیح ہے تو مان لیں گے، اور اپنی بات صحیح ہے تو نرمی اور مصلحت سے سمجھانے کی کوشش کریں گے۔ مشورہ اس لئے کہ آپس کا تناؤ ختم ہو جائے اور عمل کی گاڑی پٹڑی پر آ جائے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے مشورہ میں خیر رکھی ہے۔ تناؤ ختم ہوتے ہیں، تعلق باقی رہتے ہیں، ہر ایک کو ترقی ملے گی۔ یہ بڑی سنت ہے۔

حق ہمیشہ دھیرے دھیرے چلتا ہے:

اس لئے ہم اپنے کام پر پابند بھی رہیں، اصولوں کے پابند رہیں اور مشورہ سے کام کریں۔ جلدی نہ کریں، حق ہمیشہ دھیرے دھیرے چلتا ہے۔ اللہ اپنے نبی کو بھی روک دیتے ہیں کہ آپ جلدی نہ کرو، بات بننے والی ہے، اللہ کا فیصلہ آنے والا ہے، جلدی نہ کرو، ﴿اَتٰى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ﴾ حضور ﷺ صحابہ سے فرماتے کہ جلدی نہ کرو، اللہ کام بنانے والے ہیں، گھبراؤ نہیں، کام بن جائے گا، حالت سدھر جائیں گے۔ تمہاری تنگیاں، تمہاری غریبی، تمہاری بھوک سب دور ہو جائے

گا۔کام بننے والا ہے ،جلدی نہ کرو۔صحابہ نے شکایت کی تھی کہ بہت تکلیف ہے۔بڑاظلم ہے، بھوک بھی ہے،دکھ بھی ہے، آپ ہمارے لیے دعاء کیوں نہیں فرماتے ؟ آپ ہمارے لیے مدد کیوں نہیں اترواتے ؟اس وقت آپ نے فرمایا کہ سب کام بننے والے ہیں ،مگرتم تو جلدی کررہے ہو۔جلدی نہ کرو،اپنے کام کواس حد پرلے جاؤجواللہ چاہتاہے۔اسباب کے درجے میں یہ بہت ضروری ہے کہ اپنے کام کو اس حدتک لے جانا جو اللہ چاہتا ہے۔پھر اللہ کا فیصلہ آئے گا۔وعدہ پورے ہوں گے اوراللہ کی مدد آئے گی ،اس سے پہلے جلدی کرنا مناسب نہیں۔کیوں کہ ہم نے اپنا کام ہی پورا نہیں کیا ہے،کوئی آدمی کوئیں میں سے پانی اوپرلانا چاہےڈول ،رسی یا پائپ اتنا ہونا چاہیئے جو نیچےتک جاوے، جب نیچے جاوے گا اور ڈول ڈوب جائے گا تو پانی اوپرآئے گا۔رسی ادھوری ہے تو ، یا ڈول ٹوٹا ہوا ہے تو پانی اوپرنہیں آئے گا۔اللہ کی مددیں اوپر ہیں ،وہ نیچے نہیں آئے گی، کیوں ؟ کیوں کہ اس کام کا معیار اوپر گیا نہیں۔جب اتنا معیار ہوجائے گا تو اللہ کی مددیں نیچے آئیں گی ،جیسے ڈول ورسی نیچے پہونچے تو پانی اوپرآتا ہے۔تمہاری ذمہ داریاں جب پوری ہوں گی ،قابل قبول ہوگی تو پھر اللہ کے وعدے پورے ہوجائیں گے۔

ہماری ذمہ داریاں:

اس لئے ہمیں اپنے کام کو دیکھنا ہے کہ ہمارا کام پورا ہوا یا نہیں ہوا۔ہماری ذمہ

داری ابھی پوری نہیں ہوئی۔ ہماری ایک ذمہ داری یہ ہے کہ ہم اپنی ذات سے اپنے آپ کو دین دار بناوے، اپنی دینداری کی فکر کریں، یہ پہلی ذمہ داری ہے کہ پوری زندگی دینداری والی بنے، اللہ کے حکموں اور رسول اللہ ﷺ کے طریقوں کے پابند بنیں، حلال کو بھی دیکھنا ہے، حرام کو بھی دیکھنا ہے، عبادت کو بھی دیکھنا ہے، ساری باتوں کو دیکھنا ہے۔

دین دنیا کا فرق کیا ہے:

دین میں دنیا میں بہت فرق ہے، فرق کیا ہے؟ حضرت فرماتے تھے کہ دنیا میں ایک شعبہ دوسرے شعبے کا محتاج نہیں ہوتا ہے۔ کیسے؟ مثلا جو لوگ تاجر ہیں تجارت کرتے ہیں، وہ کھیتی کو ضروری نہیں سمجھتے۔ کھیتی سے جو مال پیدا ہو ہم خرید لیں گے۔ اور کھیتی والے تجارت کو ضروری نہیں سمجھتے کہ ہم کسان ہیں، ہمیں تجارت کی کیا ضرورت ہے؟ جب ضرورت پڑے گی تو تاجروں سے خرید لیں گے۔ ملازمت والے ان دونوں کو ضروری نہیں سمجھتے کہ ہماری تو ملازمت ہے۔ الغرض دنیا کے شعبے ایک دوسرے سے کٹے ہوئے ہیں، ایک دوسرے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ دین کے شعبے ایسے نہیں ہیں، دین کے شعبے ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں، عبادت کا شعبہ، عقائد کا شعبہ، معاشرت کا شعبہ، معاملات کا شعبہ۔ یہ سب آپس میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ کوئی کہے کہ میں تو نماز پڑھتا ہوں بس! ایسا چلے گا؟ بالکل نہیں چلے گا۔ کیوں کہ اگر حرام کھانا کھا کر نماز پڑھی ہے تو نماز بھی نہیں ہوگی۔ کمائی میں دین

نہیں اور نماز پڑھی تو وہ کہاں سے قبول ہوگی؟اس طرح حلال کمائی والے یہ کہیں کہ ہم تو حرام سے بچتے ہیں بس! نماز نہیں پڑھتے ،کیا یہ چلے گا؟نہیں چلے گا؟ قرآن نے کہا کہ ﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاء الزَّكَاةِ﴾ یہ فرق ہے دین دنیا کا۔حضرت فرماتے تھے کہ دین کے سارے شعبے ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔اس لئے ایسا عمل کرنا ہے کہ دین کے سارے شعبوں میں ہم پابند بنیں۔

دنیا کا فائدہ بھی مختصر اس کی ذمہ داری بھی مختصر:

میرے بھائیو! پورے دین کی محنت ،اور پورے دین کو سیکھنا ہے۔یہ سارے شعبے ایک دوسروں سے ملے ہوئے ہیں۔دین کا سمجھنا ضروری ہے۔دنیا کا فائدہ بھی مختصر اس کی ذمہ داری بھی مختصر ہے۔دین تو سر سے لے کر پاؤں تک اور پیدائش سے لیکر موت تک ، یہ الگ بات ہے کہ اللہ نے دین کو آسان کر دیا ہے، ورنہ یہ بڑی ذمہ داری ہے۔اس لئے پیغمبر ڈرتے تھے اور جو پیغمبر کی صحبت میں رہتے تھے وہ بھی ڈرتے تھے کہ یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ہم لوگ جہالت کی بناء پر دین کو جانتے نہیں اور ڈرتے نہیں، دین کو سمجھنا ہے۔ہمیں ایسی محنت کرنی ہے کہ سارے شعبوں میں دین آئے۔تاجروں میں تجارت کا دین آوے، زمین داروں میں زمین داری کا دین آوے۔حاکموں میں حکومت کا دین آوے، مزدوروں میں مزدوری کا دین آوے۔مریضوں میں بیماری کا دین آوے، کیوں کہ بیماری میں روزے نمازوں کے

مسائل ہیں۔محنت ہوگی تو سب لوگ دین دار بنیں گےاوراپنے اپنے شعبوں میں دین لے کر چلیں گے۔پھر ہمارا تاجر دین دار ہوگا۔ ہمارا حاکم انصاف کرنے والا ہوگا۔ ہمارا مزدور ایمان داری سے کام کرے گا، خیانت نہیں کرے گا۔کیوں وہ دین دار ہوگیا۔

دعوت کا کام اخلاق اوراخلاص سے ہو:

اس لئے ہمیں سب کودعوت دینی ہے۔کیوں کہ یہ ذمہ داری ہے، دنیا کی طرح الگ الگ نہیں ہے۔کیسے دعوت دینی ہے؟ کہ اخلاق اور اخلاص کے ساتھ دین کی دعوت دینی ہے۔ ہمدردی سے دعوت دینی ہے۔ نہ ماننے سے مایوس نہیں ہونا، بیزار بھی نہیں ہونا بلکہ محنت کو جاری رکھنا، ہرایک کا ایک وقت آتا ہےتو وہ بات مان لے گا۔بعض صحابہ دیر سے مانے،بعض صحابہ جلدی مانے۔ نبی ﷺ کے پہلے اخلاق دیئے گئے کہ اخلاق سے دعوت دو۔اس لئے ہم کوبھی اخلاق سے کام کرنا ہے،ساری دنیا میں کام کرنا ہے،لوگوں کے مزاج الگ الگ ہیں۔اکرام سے کام کرنا ہے، جب اکرام نکلے گا تو فساد آئے گا۔حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں اکرام کی کمی آئی تو وہیں سے فساد شروع ہوا۔کیوں کہ کام اخلاص اور اخلاق سے چلتا ہے،کام کرنے والوں میں اخلاق ہیں تو لوگ جڑ جائیں گے،صبر کریں گے،قدر کریں گے، یہ اس کام کی ترتیب ہے،اس لئے اس میں لگا رہنا ہے۔مولانا انعام الحسن صاحب خاص طور پر کہتے تھے کہ لگے رہو۔پھر اللہ تعالیٰ نتیجہ لانے والا ہے، جب کوئی کام اچھی طرح ہوتا ہے اللہ

تعالیٰ اس کو برباد ہونے نہیں دیتے۔اس کو اللہ پروان چڑھاتے ہیں۔اس لئے ہمیں اس کام کو امانت داری کے ساتھ، اخلاص کے ساتھ، اخلاق کے ساتھ کرنا ہے۔ جو چیز صحیح ہے اس کو چھوڑنا نہیں اور جو چیز غلط ہے اس کو لینا نہیں ہے۔البتہ حق کی تحقیق ضروری ہے، اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی اس کی توفیق عطا فرماوے۔آمین۔

دین کی دعوت میں خوبی پیدا کرو

بیان نمبر [۳]

کل ہند مشورہ

مؤرخہ ۹/ شعبان المعظم ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۶/ مئی ۲۰۱۶ء بروز پیر بعد نماز مغرب

بمقام مڈگاؤں، گووا

اقتباس

دین کے لیے حسن اسلوب بہت ضروری ہے اس لئے اچھے اسلوب اختیار کرنے ہوں گے، ایک آدمی حضور ﷺ کی خدمت میں آیا کہ مجھے زنا کی اجازت دے دیجئے، حضور ﷺ ناراض ہوئے، کیوں کہ زنا کو ساری شریعتوں میں گناہ کہا ہے۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ بھائی! کوئی تمہاری بہن سے ایسا کرے، تمہارے ماں سے ایسا کرے تو کیا تم اس کو پسند کروگے؟ اس نے کہا کہ نہیں! ہرگز پسند نہیں کروں گا۔ پھر حضور ﷺ نے اس کو دعاء دی کہ اللہ اس کے دل کو پاک فرمادے، تو اس آدمی نے زنا سے توبہ کرلی۔ اس کو اسلوب کہتے ہیں۔ دنیا سے شر اور برائی کو ختم کرنے کے کیا اسلوب اچھا ہونا چاہئے، اس کو سیکھیں۔ اسلوب صحیح نہیں ہوگا تو شر بڑھ جائے گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۔ وَالصَّلاَ ۃُ والسَّلاَ مُ عَلیٰ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ اَمَّا بَعْد :

دین کی مدد کے لیے انصار کو نمونہ بنایا:

میرے پیارے بھائیو! دین کے مددگار بنو، جیسے انصارِ مدینہ دین کے مددگار بنیں، اور اللہ نے انصار کو اپنے دین کے لیے نمونہ بنایا۔ انصارِ مدینہ میں نصرت کی کیا خصوصیت تھی؟ نصرتِ دین میں انصارِ مدینہ کی خصوصیت یہ تھی کہ انھوں نے اپنے دین کی نصرت ایثار کے ساتھ کی ہے۔﴿وَیُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾ انصار دین کے معاملہ میں ایثار کرتے تھے، انہوں نے کبھی اپنی حاجت تک کا خیال نہیں کیا ہے۔ سہولت اور راحت کی بات نہیں ہے، انہوں نے تو اپنی حاجت کا بھی خیال نہیں کیا، اور اس طرح سے دین کا کام کیا۔ بھوکے رہے تو بھی، فاقہ آیا تو بھی، تنگی آئی تو بھی، ہر حال میں ایثار کیا اور دین کی نصرت کی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو آگے کیا کہ یہ انصار ہیں، دین کے مددگار ہیں۔ انصار کا یہ خاص امتیاز ہے کہ انہوں نے اللہ کے نبی کی مدد کی ہے اور ایثار سے کام لیا ہے۔

اعتراض اور شکایت میں فرق:

چنانچہ مکہ جب فتح ہوا، پھر اس کے بعد دوسرے علاقے فتح ہوئے، مالِ غنیمت بھی بہت آیا تو وہ مال حضور ﷺ نے مہاجرین کو دیا، نئے ہونے والے مسلمانوں کو دیا

اور انصار کو نہیں دیا۔ جب میدان سخت ہو گیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے انصار کو بلایا کہ انصار کہاں ہیں؟ ضرورت پڑی تو انصار کو بلایا اور جب مال آیا تو دوسروں کو دیا، تو اس وقت کچھ لوگوں نے کہا کہ جب کام کا موقع ہوتا ہے تو ہم کو بلاتے ہیں اور مال کا موقع ہوتا ہے تو دوسروں کو دیتے ہیں۔ یہ ان کے دل میں بات آئی۔ یہ بات اعتراض کے طور پر نہیں آئی تھی بلکہ شکایت کے طور پر آئی تھی۔ اعتراض الگ چیز ہے اور شکایت الگ چیز ہے۔ شکایت تو تعلقات میں ہوتی ہے، جیسے باپ کہتا ہے کہ میرا بیٹا سنتا نہیں کہ یہ تو تعلق کی دلیل ہے۔

انصار کا مقام:

یہ بات انصار کے مقام کے مناسب بھی نہیں تھی، چنانچہ حضور ﷺ کو جب یہ خبر پہونچی تو آپ نے انصار کو جمع کیا، اور کہا کہ صرف انصار آویں گے دوسرا کوئی نہیں آئے گا، اس مجمع میں دوسروں کو اجازت نہیں دی۔ اور پھر پوچھا کہ وہ کیا بات ہے جو مجھے پہونچی ہے؟ آپ نے پوچھ لیا، اس کو پیٹ میں نہیں رکھا بلکہ ظاہر کر دیا۔ شکایت چھپائی نہیں جاتی، ظاہر کی جاتی ہے، تو آپ نے اس بات کو ظاہر کر دیا، اسی طرح صحابہ بھی اپنے اندر جو رائے ہوتی تھی، ظاہر کر دیتے تھے، شکایت ہو تو اس کو بھی ظاہر کر دیتے تھے، اس لئے کہ شکایت جب اندر رہتی ہے تو رنجشیں پیدا ہوتی ہیں، تو جب آپ نے پوچھا کہ "ماحدیث ارسلت منکم" وہ کیا بات ہے جو مجھے پہونچی ہے کہ کام کا نمبر آتا ہے ہم کو کہتے ہیں اور مال کو نمبر آتا ہے تو ان کو دیتے ہیں، تو صحابہ نے

اس کو ظاہر کر دیا کہ ہاں ! کام ہوتا ہے تو آپ ہم کو بلاتے ہیں اور مالِ غنیمت دینا ہوتا ہے تو دوسروں کو بلاتے ہیں۔تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے ہو کہ لوگ مال لیکر جاویں، بکریاں لیکر جاویں، اور تم اللہ کے رسول کو لیکر کے جاؤ، تمہارا تو یہ مقام ہے، ان کا یہ مقام نہیں ہے۔ میں ان کو جو مالِ غنیمت دیتا ہوں وہ اس لئے کہ وہ نئے نئے ہیں، لہذا ان کو دین پر جمانے کے لئے دیتا ہوں۔تمہارا مقام تو اونچا ہے۔تو پھر انصار کہنے لگے کہ جی ہاں! اللہ اور اس کے رسول کا ہی ہم پر احسان ہے، اللہ اور اس کے رسول کا ہی ہم پر احسان ہے، اللہ اور اس کے رسول کا ہی ہم پر احسان ہے۔ یہ اصل طریقہ ہے۔ دنیا ملے نہ ملے، مال آوے نہ آوے، حیثیت حاصل ہو نہ ہو، ہم تو دین کی نصرت کریں گے۔ یہ ایثار کی بات کہتا ہوں۔

انصار کی تربیت:

حضور ﷺ نے انصار کی تربیت فرمائی کہ تم کیوں مال دیکھتے ہو، تم تو تعلق والے ہو، اور یہ فرمایا کہ لوگ ایک راستہ پر چلیں اور انصار دوسرے راستہ پر چلیں تو میں انصار کے ساتھ چلوں گا۔ میرا جینا مرنا تمہارے ساتھ ہوگا۔ایثار کی تعلیم دی، ایثار کی تلقین کی اور ان کو کام والے کہا اور فرمایا کہ جو چیز تمہیں نہیں ملے گی، میں حوض کوثر پر تمہیں اللہ سے دلواؤں گا۔اور سنو! ایک زمانہ آئے گا، آئندہ لوگ تمہیں پیچھے کریں گے اور اپنے آپ کو آگے کریں گے، یہ بھی ہوگا۔کام تو تم نے کیا ہے، قربانیاں تم نے دی ہیں، لیکن پھر بھی تمہاری ناقدری ہوگی۔تم لوگوں کو کھلاتے ہو، پلاتے ہو، دیتے ہو، آگے کرتے

ہو، لیکن تمہارے ساتھ الٹا ہوگا۔ کام تم نے کیا ہے، قربانیاں تم نے دی ہیں، لیکن تم کو پیچھے کیا جائے گا، تو تم اس وقت بھی ان سے ٹکرانا نہیں، صبر کرنا، میں حوض کوثر پر اللہ سے بدلہ دلاؤں گا۔

لوگوں کے مقام ومرتبہ کی قدر کرو:

اسی طرح حضور ﷺ کی وفات کے وقت انصار کا ذہن مرتبہ اور منصب کی طرف گیا کہ حضور کی وفات ہوگئی ہے، اب مہاجرین اور انصار دورہ گئے ہیں، لہذا ایک امیر مہاجرین میں سے رہے گا اور ایک امیر انصار میں سے رہے گا۔ امارت کی بات آگئی۔ بڑے بڑے صحابہ جیسے ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابوھریرہؓ سب پہونچ گئے، ان کی میٹنگ ہورہی ہے، وہاں پہونچ کر حضرت ابوبکرؓ نے سوچا کہ میں ان کے سامنے بات رکھوں۔ ان کے سامنے صحیح صورت حال پیش کروں، تو حضرت عمرؓ نے انہیں بیٹھادیا اور پھر انصار کے جتنے فضائل تھے وہ بیان کئے کہ آپ ایسے ہیں، ویسے ہیں، سب بیان کردیا، آپ کا یہ مقام ہے، آپ کا یہ مرتبہ ہے، سب واضح کیا ہے، یہ بہت ضروری ہے کہ ہر آدمی کو اس کے مرتبہ پر رکھا جائے، لوگوں کے مرتبوں کی قدر کی جائے، ان کی حیثیتوں کی قدر کی جائے، یہ حدیث میں ہے "انزلوا الناس منازلهم" کہ سب کو ایک لاٹھی سے مت ہانکو، ان کے مرتبہ کی قدر کرو۔

لہذا حضرت عمرؓ نے انصار کے مراتب کو بیان کیا اور ان کی قربانیوں کو اجاگر کیا پھر یہ بتایا کہ امیر قریشی ہوگا کیونکہ آپ ﷺ قریشی ہیں، اور پورا عرب اگر جڑے گا

تو اسی بات پر جڑے گا۔اس بات کو سمجھو، اور دوسری بات یہ ہے کہ تم نے حضور ﷺ کا ساتھ دیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کو سچا بتایا ہے، ﴿أُولٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ﴾ اور پھر کہا کہ امیر مہاجرین میں سے ہوگا، لہذا آپ ہمارا ساتھ دو، جیسے تم نے حضور ﷺ کا ساتھ دیا تھا۔انصار کی سمجھ میں بات آ گئی۔انہوں نے کہہ دیا کہ نہ ہمیں مرتبہ چاہیے نہ مقام چاہیے، ہم دین کا کام کرتے رہیں گے، چنانچہ انہوں نے دین کا مددگار بن کر پوری امت کو اس کا سبق دیا۔

پوری امت کو ایک پیغام:

اس طرح ساری امت کو یہ پیغام ہے کہ پوری امت دین کے مددگار بنیں جیسے انصار دین کے مددگار بنے، ہماری جان سے، ہمارے مال سے، ہماری صلاحیتوں سے دین کو پانی پہونچے تاکہ دین کے جتنے احکامات ہیں وہ زندہ ہو جائیں، امت میں اتنی محنت ہو کہ امت میں اتنی صلاحیت پیدا ہو جائے کہ وہ دین کے سارے کاموں کو اپنی زندگی میں لینے والی بنیں۔انصار نے اپنی زندگی میں دین کی محنت کے بدلے میں کچھ نہیں مانگا، صرف یہ چاہا کہ اللہ کا دین سرسبز و شاداب بنے، جب اخلاص پیدا ہوگا تو فتنے ختم ہوں گے۔

انصار نے ساری عمر دین کا ساتھ دیا:

انصار نے ساری عمر ساتھ دیا اور اتنا نہیں بلکہ صبر کرتے ہوئے دین کا ساتھ

دیا۔اور یہی طریقہ کا نصرت کا ہے،نصرت کوئی رسمی چیز نہیں ہے، یہ کام تو پِتّا مارو (ہمت کا) کام ہے،تا کہ دین کے کام کو فروغ ملے۔دین میں رسمیت نہیں،صحیح کام کو فروغ ملے یہ بہت ضروری ہے۔

نصرت کا دروازہ قیامت تک کھلا ہوا ہے:

نصرت کا دروازہ قیامت تک کھلا ہوا ہے، جیسے حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصاری ہوتا۔اس لئے یہ بات کہی جاتی ہے کہ مسلمان کی زندگی یہ ہے کہ دین کی نصرت کرنے والا بنے،اور وہ بھی صرف اللہ کے لئے،اور دوسرا کچھ نہ چاہے،صرف اللہ کے دین کو فروغ دینا مقصود ہو، پھر اللہ تعالیٰ کی مدد بھی آئے گی۔اللہ تعالیٰ کی نصرت ہماری نصرت پر موقوف ہے۔

آخرت کس کو ملے گی؟

ہمارے دل میں آخرت کی طلب ہو، دین کی سچی طلب ہو تو آخرت ملے گی، آخرت سچوں کو ملے گی، ﴿هٰذَا يَوْمُ يَنفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ﴾ آج کے دن سچوں کو ان کی سچائی نفع دے گی۔حضور ﷺ کی سب سے پہلی صفت جو تھی وہ یہ ہے کہ آپ سچے تھے، امانتدار تھے۔سب سے پہلے آپ کی سچائی اور امانت داری ظاہر ہوئی، یہ دین کی بنیادیں ہیں، اس لئے ہر مسلمان اپنے کام میں اور دین کے کام میں سچا اور امانت دار بنے۔کوئی ہماری بات مانے نہ مانے، بات کو منوانا ضروری نہیں ہے۔اپنی ذمہ داری پوری کرنا ضروری ہے۔قیامت کے روز انبیاء علیہم السلام میں سے بعض ایسے بھی

آئیں گے، جن کا ماننے والا ایک بھی نہیں ہوگا، ساری عمر دین کی محنت کی، محنت کرتے کرتے تھک گئے، لیکن ایک بھی ماننے والا نہیں، اسلئے اپنے آپ کو سچا بنانا ہے۔

دین کی دعوت میں خوبی پیدا کرو:

یہ بھی ضروری ہے کہ ہماری دعوت میں خوبی پیدا ہو، جیسے لوگ کھانے پینے کی دعوت کرتے ہیں، اور اس میں خوبی پیدا کرتے ہیں، پھر لوگ اس کا چرچا کرتے ہیں کہ ولیمہ ایسا تھا، دعوت ایسی تھی۔ ایسے ہی فرمایا کہ دین کی دعوت میں خوبی پیدا کرو۔ ہم سے پوچھا جائے کہ کیا چاہتے ہو؟ کہ کچھ نہیں چاہتے، کوئی دوسری نیت نہیں، ورنہ یہ دعوت نہیں عداوت ہوگی۔ اس لئے ہم پر یہ ذمہ داری ہے کہ ہم اپنی دعوت میں خوبی پیدا کریں، پہلی خوبی نیت کی ہے۔ کوئی چیز مطلوب نہ ہو، ہمارے سامنے دو باتیں ہوں کہ اللہ کا دین اللہ کے بندوں میں آجائے اور اللہ راضی ہو جائے، نیت کی خوبی یہ ہے کہ اللہ راضی ہو جائے، پھر آدمی کسی سے ناراض بھی نہیں ہوگا۔ اندر کوئی چیز رہتی ہے تو بگڑتی ہے، اور کچھ بھی نہ ہو تو کیا بگڑے گا؟

حسنِ نیت کے ساتھ حسنِ عمل بھی ہو:

اس لئے کہتے ہیں کہ مخلصین ہی ہدایت کے چراغ بنیں گے، ہدایت کی روشنی مخلصین سے پھیلے گی۔ اس کے پیچھے خوب ترقی ہوگی۔ حضور ﷺ صحابہ سے یہی کہتے تھے کہ کچھ مت چاہو، اللہ تمہیں بہت دے گا، اس لئے حسن نیت کی دعوت دی جاتی

ہے کہ کہ نیت میں خوبی پیدا کرو، کوئی شور نہیں، کوئی بڑھاوا نہیں، کچھ نہیں۔ دوسرا یہ ہے کہ حسنِ نیت کے ساتھ حسنِ عمل ہو یعنی اپنی کوشش اور عمل اچھے سے اچھا ہو۔ سر سے لے کر پیر تک ہر عمل اچھے سے اچھا ہو، جیسے کہ دنیا کے کام اچھے سے اچھا کرتا ہے۔ آداب کے ساتھ، طریقے کے ساتھ، ترتیب کے ساتھ ہو، اس کو حسن عمل کہتے ہیں۔ حسن نیت کے ساتھ حسن عمل مطلوب ہے۔ ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّن دَعَا إِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحاً﴾ اس سے بہتر کس کی بات ہوگی جو اللہ کی طرف بلاوے اور اپنے عمل کو شریعت کے مطابق، سنت کے مطابق بناوے۔

اپنے عمل کو تقوی والا بناؤ:

اپنے کام کو تقوی کے ساتھ کرنا ہے، اللہ نے جو جان و مال دیا ہے اس کو اچھا سے اچھی جگہ لگائیں، اس کے جو لوازمات ہیں اس کو پورا کرنا ہے۔ کوئی راضی ہو کوئی ناراض ہو، اس کی پرواہ نہیں کرنی ہے، پھر اللہ کی مدد آئے گی۔ صحابہؓ نے اپنے کام کو تقوی کے ساتھ کیا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے مشورہ دیا کہ بیت المال میں جتنا مال آتا ہے آپ سب خرچ دیتے ہیں، بانٹ دیتے ہیں، حالات بھی آتے ہیں، ضروریات بھی کھڑی ہوتی ہیں، لوازمات بھی ہوتے ہیں، اس کے لئے مال رکھو، یہ رائے دی۔ تو کہا کہ اللہ نے ہم کو تقوی دیا ہے، جو تقوی سے کام کرے گا، اللہ اس کے کام کو آسان کر دے گا۔ یہ صحابہؓ کی بڑی خوبی تھی کہ اپنے کام کو تقوی کے ساتھ کرتے تھے۔ ہاں! یہ بڑی خوبی ہے۔

اخلاق سے دعوت کو پانی پہنچتا ہے:

حسنِ نیت اور حسنِ عمل کے بعد تیسری بات حسنِ اخلاق ہے، یہ بہت ضروری ہے، اخلاق سے دعوت کو پانی ملے گا۔ جب بھی کوئی نبی آیا تو اس وقت جہالت ہوتی تھی، جہالت کی باتیں، جہالت کا مزاج، بنی اسرائیل کی طرح کہ اللہ نے ان کو سمندر پھاڑ کر پار کیا اور کامیاب کیا، لیکن جیسے ہی نجات پائی اور دیکھا کہ لوگ بت پرستی کرتے ہیں تو کہنے لگے کہ ہمارے لیے بھی ایسا بت لے آؤ۔ ﴿قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ﴾ تم تو بڑی جاہل قوم ہو، نبیوں کے سامنے جہالتیں ہوتی ہیں، اخلاق سے کام کیا تو یہ جہالتیں چھٹ جائیں گی۔

جہالت کا مقابلہ اخلاق سے ہوتا ہے:

جہالت کا مقابلہ جہالت سے نہیں ہوتا، جہالت کا مقابلہ تو اخلاق سے ہوتا ہے۔ جب حضور ﷺ آئے تو بہت بڑی جہالت تھی، چھ سو سال ایسے گذرے تھے کہ کوئی نبی نہیں آئے، بہت سخت جہالت تھی۔ اس جہالت کے توڑ کے لیے حضور ﷺ کو اخلاق کا بہت اونچا معیار دیا گیا۔ لہذا جس طرح دعوت دینے والے کی نیت اور عمل میں خوبی کا ہونا ضروری ہے، اسی طرح اس کے اخلاق میں خوبی بھی ضروری ہے کہ اس کے اخلاق اونچے ہوں، اپنوں کے ساتھ بھی، پرایوں کے ساتھ بھی، چھوٹوں کے ساتھ بھی، بڑوں کے ساتھ بھی، سب کے ساتھ اخلاق سے پیش آنا ہے کہ اس سے جہالت

ٹوٹے گی۔اس لئے ہماری دعوت اچھے اخلاق کے ساتھ ہو، جتنا دعوت کا عروج ، اتنا ہی اخلاق کا بھی عروج ہونا چاہئے۔

جب دعوت میں عروج نہیں تھا تو صبر کرنا پڑتا تھا ،کیوں کے لوگ مانتے نہیں تھے۔اب جب کام کا عروج ہے تو اکرام ہے،اس وقت دشمنیاں تھیں،اور فتح مکہ کے بعد فیاضیاں ہیں،لہذا انہوں نے دشمنوں کو معاف کر دیا کہ آج تمہارے لیے معافی ہے،حالاں کہ وہ سب ایسے مجرم تھے جیسے حکومتوں کے مجرم ہوتے ہیں، کالے لسٹ میں نام ہوتا ہے۔تو فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ وہ معاملہ کروں گا جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا تھا۔سب کے ساتھ حسن سلوک کیا،سب کے ساتھ معافی کا معاملہ کیا۔حضور ﷺ نے اپنا اقتدار نہیں بتایا، بلکہ اپنے اخلاق بتائے کہ اب تو یہ اللہ کے بندے ہیں،اوران کو معاف بھی کر دیا،ان کے لیے راستے کھول دیئے،اوران کا خوب اکرام کیا۔

کام کو صحیح رخ پر لانا ضروری ہے:

یہ کام تو اس لئے ہے کہ لوگوں کی صلاحیتیں کام پر لگ جائیں ، یہ نہیں کہ ہماری حیثیت بن جائے ،صحیح کام کو لوگوں کے سامنے لاویں گے،کام کو صحیح رخ پر لانا ضروری ہے۔کام کو صحیح رخ پر لانے کے لیے لوگوں کے ساتھ اخلاق سے پیش آئیں گے،اور اللہ سے دعائیں بھی کریں گے،اللہ کی مدد صحیح رخ پر آتی ہے،اس لئے اپنا رخ صحیح ہونا

چاہئے۔کام صحیح ترتیب سے ہو، اس میں حسن نیت بھی، حسن عمل بھی ہو، حسن اخلاق بھی ہو، پھر اللہ تعالیٰ راستے کھولے گا، اللہ تعالیٰ رکاوٹیں دور کرے گا، ''اَبْشِرُوْ وَاَمِّلُوْا مَایَسُرُّکُمْ'' حدیث شریف میں ہے کہ خوش ہو جاؤ اللہ ایسے حالات لاویں گے کہ تمہیں خوش کر دیں گے۔

حق کڑوا اور باطل میٹھا ہوتا ہے:

بات جتنی صحیح ہوتی ہے اتنی ہی کڑوی ہوتی ہے، حق کڑوا ہوتا ہے اور باطل میٹھا ہوتا ہے۔اس لئے کام کو صحیح ترتیب سے کرنا ہے اصولوں کے ساتھ، آداب کے ساتھ۔جو اگلوں نے کیا ہے اسی طریقہ کو اختیار کرنا پڑے گا۔حضور ﷺ فرماتے تھے کہ میرے بعد بہت اختلاف پھیلے گا، ''فَاِنَّهُ مَنْ يَّعِيْشُ بَعْدِیْ فَسَيَكُوْنُ اِخْتِلَافاً شَدِيْدًا'' جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت اختلاف پائے گا۔اس وقت تم کیا کرو گے؟ کہ تمہیں دین کے کام کو اصول وآداب کے ساتھ اس طرح پیش کرنا ہے جس طرح پہلوں نے کیا،اس کے بعد بھی کوئی اختلاف کرے تو یہ اختلاف نہیں انحراف ہے، ورنہ اختلاف تو بہت اچھی چیز ہے۔

عمل میں تو اختلاف ہوسکتا ہے دین میں نہیں:

اختلاف تو اچھی چیز ہے، اختلاف سے بہت سے دروازے کھلتے ہیں، جس طرح سے روزی کے بہت سارے راستے ہیں، اس طرح دین کے بھی بہت سے

راستے ہیں، اس لئے عمل میں تو اختلاف ہوگا، لیکن دین میں اختلاف نہیں ہوگا۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ صحابہ میں بڑے عالم مانے جاتے ہیں، کسی نے کہا کہ کوئی کہتا ہے کہ وتر کی رکعتیں تین ہیں، کسی نے کہا کہ نہیں وتر تو صرف ایک رکعت ہے! تو ابن عباسؓ نے کہا کہ ٹھیک ہے وہ حضور ﷺ کے صحابی ہیں، کرنے دو۔

ہر اتفاق ممدوح نہیں، ہر اختلاف مذموم نہیں:

شریعت میں اعتدال ہے، ہر اتفاق ممدوح نہیں ہوتا اور ہر اختلاف مذموم نہیں ہوتا ہے، جس اتفاق سے دین کو فائدہ ہو وہ اتفاق ٹھیک ہے اور جس اختلاف سے دین کو فائدہ ہو وہ اختلاف بھی ٹھیک ہے۔ جس اختلاف میں کوئی غرض نہ ہو اس اختلاف سے دین کو کوئی نقصان نہیں ہوگا اور جس اتفاق میں غرض ہو تو اس اتفاق سے دین کو بڑا نقصان ہوگا۔ اس لئے دین کو سمجھنا بہت ضروری ہے اور اس کو سمجھنے کے لئے بڑوں کو دیکھنا پڑتا ہے فرمایا کہ "اَلْبَرَکَۃُ مَعَ اَکَابِرِکُمْ" برکت تو تمہارے بڑوں کے ساتھ ہوگی۔ اس لئے اعتدال اور درمیانہ پن اختیار کرنا ہے۔ رایوں کا اختلاف تو ہوتا ہی ہے، اور یہ تو ہوگا ہی۔ کیوں کہ جیسے وکیلوں کا اختلاف ہوتا ہے، ڈاکٹروں کا اختلاف ہوتا ہے تو اس سے عمل میں گنجائش نکلتی ہے۔ ایسے ہی دین میں بھی ہے کہ رایوں کے اختلاف سے عمل میں گنجائش نکلتی ہے۔ اس طرح اختلاف رحمت ہوتا ہے لیکن جو اختلاف غرض کی بنیاد پر ہوتا ہے، وہ تو مصیبت بن جاتا ہے۔

بدنامی سے اپنے دین کو بچانا ہے:

اس لئے فرمایا کہ جیسا تمہارے بڑوں نے کیا اس طرح کرو۔حضور نے فرمایا کہ میری سنت دیکھو، میرے صحابہ کی سنت دیکھو، ان کا اختلاف دیکھو۔اس طرح اپنے دین کی حفاظت کے لیے کام کو صبر کے ساتھ اور اخلاق کے ساتھ کرنا ہے۔اچھے اسلوب اور اچھے ڈھنگ سے دین کا کام کرنا ہے تاکہ شر ظاہر نہ ہو۔بدر کے میدان میں حضور ﷺ نے صحابہ کو دیکھا کہ انہوں نے دشمن کے جاسوس کو پکڑا ہے اور ان سے پوچھ تاچھ کر رہے ہیں کہ تمہارے کیا حالات ہے؟ تمہاری کیا طاقت ہے؟ وہ بتا نہیں رہے تھے، اور صحابہ ان پر سختی کر رہے تھے، حضور ﷺ نے ان صحابہ کو پوچھا کہ بات کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا ہم ان کو حالات پوچھتے ہیں اور وہ بتاتے نہیں ہیں، اس لئے ہم ان کو مار رہے ہیں۔اللہ کے رسول ﷺ نے کہا کہ نہیں! نہیں! انہیں مت مارو۔پھر حضور ﷺ نے پوچھا کہ تمہاری فوج کے کھانے کا کیا نظام ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہر روز دس اونٹ کٹتے ہیں۔تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ سمجھ میں آ گیا۔ان کی فوج میں ایک ہزار آدمی ہے، کیوں کہ ایک اونٹ کو سو آدمی کھاتے ہیں۔ان کو مارنے کی ضرورت نہیں ، ان کی تعداد معلوم ہوگئی۔ان کو مارومت، مارنے سے بدنامی ہوتی ہے، حضور ﷺ بدنامی سے بہت بچتے تھے۔

دین کے لیے حسن اسلوب بہت ضروری ہے:

دین کے کام کے لیے اچھے اسلوب اختیار کرنے ہوں گے، ایک آدمی حضور

ﷺ کی خدمت میں آیا کہ مجھے زنا کی اجازت دے دیجئے، حضور ﷺ ناراض ہوئے، کیوں کہ زنا کو ساری شریعتوں میں گناہ کہا ہے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ بھائی! کوئی تمہاری بہن سے ایسا کرے، تمہارے ماں سے ایسا کرے تو کیا تم اس کو پسند کروگے؟ اس نے کہا کہ نہیں! ہرگز پسند نہیں کروں گا۔ پھر حضور ﷺ نے اس کو دعاء دی کہ اللہ اس کے دل کو پاک فرما دے، تو اس آدمی نے زنا سے توبہ کرلی۔ اس کو اسلوب کہتے ہیں۔ دنیا سے شر اور برائی کو ختم کرنے کا کیا اسلوب ہونا چاہئے، اس کو سیکھیں۔ اسلوب صحیح نہیں ہوگا تو شر بڑھ جائے گا۔

ہمارے کام میں مقابلے اور جھگڑے نہیں ہیں:

اس لئے میرے بھائیو! اس کام کو سمجھنے کی ضرورت ہے، سیکھنے کی ضرورت ہے، اور سیکھنے سمجھنے کے لیے یہ دیکھنا ہے کہ ہمارے بڑوں نے کیا کیا؟ صحابہ نے کیا کیا؟ اس سے اعتدال پیدا ہوگا اور اعتدال کے بغیر کام نہیں بنتا۔ اور سمجھ سمجھ کر کے اس کام کو امانت جان کر کرنا ہے، صبر سے کام لینا ہے، مقابلے ہمارے کام میں نہیں ہیں، جھگڑے ہمارے کام میں نہیں ہے، جھگڑوں کے جواب میں ہم صبر کریں گے، سب کے لیے ایک دور صبر کا ہوتا ہے، خصوصاً جب کہ اختلاف ہونے لگے تو صبر کرو۔ قرآن میں یہ ہدایت ہے: ﴿وَلَا تَنَازَعُواْ فَتَفْشَلُواْ وَتَذْهَبَ رِيُحُكُمُ وَاصْبِرُواْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْن ﴾ تم میں اختلاف پیدا ہو جائے تو جھگڑا نہ کرو صبر کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ صبر کے پھل دکھائے گا۔

کام کی ابتداء کمزور ہوتی ہے لیکن کام کرنے والے جمیں گے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی قدرت سے اوپر لاویں گے، دانہ اگتا ہے، یا گٹھلی اگتی ہے تو ابتداء میں وہ کمزور ہوتا ہے، پھر وہ تنہ بنتا ہے اور طاقتور ہو جاتا ہے، پھر پھل دیتا ہے۔ اس لئے اللہ سے امید کرتے ہوئے اس کام کو کرنا ہے، صحیح اصولوں کے ساتھ، صحیح ترتیب کے ساتھ اس کام کو کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی، آپ کو بھی اور ساری امت کو نصیب فرمائے۔

دین تو خیر خواہی اور ہمدردی کا کام ہے:

دین ہمدردی کا نام ہے، ہمارا کوئی دشمن نہیں ہے۔ دشمنیاں اور عداوتیں تو ہمارے یہاں ہے ہی نہیں، دلوں کو صاف کرنا ہے، سب کے بارے میں ہمدردی ہو، جو ہم کو چاہے ان کے لیے بھی اور جو ہم کو نہ چاہے ان کے لیے بھی۔ سب کے ساتھ ہمدردی کے ساتھ دین کی صحیح شکلوں کو پیش کرنا ہے۔ دین تو خیر خواہی کا نام ہے۔ ہر ایک کے لیے بھلائی چاہنا ہے۔ ہمارا طریقہ تو یہ ہے کہ ہماری مخالفت کرنے والوں کی خوبی دیکھیں۔ یہ کام تو پتہ مارو (مشکل) ہے، اس میں تو اپنے آپ کو پیسنا پڑتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اوپر لاتے ہیں۔ کبر اور بڑائی کے ساتھ یہ کام نہیں ہوتا ہے۔ جیسے دانہ زمیں میں جا کر اپنے آپ کو مٹا دیتا ہے، ایسے ہی ہمیں بھی اپنے آپ کو مٹانا پڑے گا، اس لئے ہمیں اللہ سے مدد مانگتے ہوئے اس کو کرتے رہنا ہے۔

دنیا حالات کا گھر ہے

بیان نمبر[٤]

کل ہند پرانوں کا جوڑ

مؤرخہ ۲؍جمادی الثانی ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۵؍فروری ۲۰۱۷ء بروز بدھ بعد نماز مغرب

بمقام بنگلور، صوبہ : کرناٹکا

اقتباس

دعوت میں اللہ تعالیٰ ہی کا تعارف زیادہ ہونا چاہئے کہ اللہ کون ہیں؟ نبی اپنی دعوت میں خدا کی خدائی کو بولتے ہیں تا کہ اللہ کی طاقت پر، اس کے فیصلوں پر یقین ہو جائے۔ دیکھو! اللہ نے یہ دیا ہے، یہ کیا ہے، وہ کیا ہے۔ اللہ نے بھی ایسے کاریگری کی ہیں جو اس کی قدرت پر یقین بڑھاوے، ایمان بڑھاوے۔ اللہ فرماتے ہیں ﴿أَلَمْ نَخْلُقكُّم مِّن مَّاءٍ مَّهِينٍ﴾ کیا ہم نے تمہیں ایک ناقدر پانی سے پیدا نہیں کیا؟ کتنی بڑی قدرت کہ پانی سے نقشہ بنایا! پانی پر کوئی نقشہ بنتا نہیں ہے؟ کاغذ پر تو بنے گا، دیوار پر بنے گا، لکڑی پر بنے گا، لیکن پانی پر نہیں بنتا۔ انسان کی شکل وصورت پانی پر بنائی، یہ بڑی قدرت کی بات ہے۔ پھر جب صورت تیار ہوئی اور بچہ تیار ہو گیا اور ماں جب اس کو نہلا دھولا کر مجلس میں لاتی ہے تو اس بچہ پر سب کو پیار آتا ہے۔ اللہ ایک پانی کی بوند کو بڑی صورت بناتا ہے، سوچو! آج تک پانی پر کس نے نقشہ بنایا؟ پانی پر تو کیا، برف کی چھیل پر بھی نہیں بن سکتا۔

بسم الله الرحمن الرحيم

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰه فَلاَ مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِىَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنْ لاَ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لاَشَرِيْكَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلاَ نَا مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ وَصَلّٰى اللّٰه تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَعَلىٰ آلِهِ وَصَحْبِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً كَثِيْراً . اَمَّابَعْدُ

اللہ کی نعمتوں کی یاددہانی:

میرے پیارے بھائیو! اللہ کے نبیوں کا یہ طریقہ ہوا کرتا تھا کہ وہ اللہ کے بندوں کواللہ کی نعمتوں کی یاددہانی کرواتے تھے،نعمتوں کی یاددہانی کرا کراللہ کےاحکام پر کھڑا کرتے تھے۔یہ ایک طریقہ ہے کہ ہرآدمی یہ سوچے کہ مجھ پر اللہ کی کیا نعمتیں ہیں؟ کیوں کہ آدمی نعمتوں میں مشغول ہوکراللہ کوبھول جاتا ہے،اس لئے کہتے ہیں کہ دنیا کے اسباب میں یہ تاثیر ہے کہ وہ آدمی کو غافل کردے۔مال غافل کرے،اولاد غافل کرے،یہ سب چیزیں اللہ سے غافل کرنے والی ہیں،اس لئے آگاہ فرمایا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ﴾(سورۂ منافقون:۹)اے ایمان والو!تمہارے اموال،تمہاری اولادتمہیں اللہ کی یاد سے یعنی اس کی اطاعت سے غافل نہ کردے۔اسی طرح ہرچھوٹی بڑی نعمتیں غافل کرنے والی ہے،ان کی تاثیرہی یہ ہے اوراسباب کو اللہ نے انسان کے فائدہ کے لئے پیدا کیا

ہے،اسباب تو انسان کے فائدے اور گذارے کے لئے پیدا کئے ہیں،اسباب سے آدمی کا گذارا ہوتا ہے، اس کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔اسی وجہ سے اسباب سے آدمی کا تعلق بہت جلدی ہو جا تا ہے۔

اللہ کی نعمتوں میں غور کرو:

لہذا اللہ کی جو نعمتیں تمہارے پاس ہیں اس میں غور کرو،سوچو۔حضرت موسی علیہ السلام اپنی قوم سے کہتے تھے کہ نعمتوں کو سوچو کہ کیا کیا نعمتیں ملی ہیں؟ کہ بہت بڑی بڑی نعمتیں ہیں، بڑی نعمت یہ ہے کہ اللہ نے تم میں انبیاء علیہ السلام ک پیدا دیا ﴿إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنبِيَاءَ﴾ دوسری نعمت یہ کہ تمہیں بادشاہت دی ہے، بنی اسرائیل کو اللہ نے بادشاہت دی ہے، داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام بنی اسرائیل میں تھے اور وہ بادشاہ تھے۔ یوسف علیہ السلام کو بھی بڑا عہدہ ملا تھا۔بنی اسرائیل کو یہ سب یاد دلایا کہ ہم نے تمہیں بادشاہت دی۔ ہاں! بادشاہ تو ایک ہوتا ہے لیکن اس کا پورا گھرانہ شاہی خاندان کہلاتا ہے۔گویا اس کا ہر ہر فرد بادشاہ ہوتا ہے، کیوں ؟اس لئے کہ یہ شاہی خاندان کا فرد ہے۔ یہ مثال تھی نعمتوں کو یاد دلا کر اللہ کی طرف بلانے کی، اللہ کی طرف سے آئی ذمہ داریوں پر کھڑا کرنے کی۔ یہ اچھا اور آسان اسلوب ہے۔

بندہ تکلیف میں نعمتوں کو بھول جاتا ہے:

اللہ تعالیٰ بھی نعمتیں یاد دلاتے ہیں کہ میں نے تمہارے ساتھ یہ کیا، یہ کیا، یہ کیا،

تاکہ بندہ اللہ کی نعمتوں کو سوچا کرے کہ میرے ساتھ اللہ کی کتنی نعمتیں ہیں اور پھر ان کا شکرادا کرے۔ بندہ کے پاس بہت ساری نعمتیں ہوتی ہیں، لیکن کبھی ایک تکلیف آ گئی تو وہ ساری نعمتوں کو بھول جاتا ہے اور ایک تکلیف، ایک نقصان کو یاد کرتا رہتا ہے کہ مجھے تو یہ ہوگیا ہے، مجھے تو یہ ہوگیا ہے۔کوئی ایک تکلیف آجائے تو اس کی شکایت شروع ہوجاتی ہے۔ مجھے یہ ہوگیا، مجھے یہ ہوگیا ہے۔اس کے ماسواء جتنی نعمتیں ہیں اس کو بھول جاتا ہے، اسی ایک تکلیف میں الجھ جاتا ہے۔اس لئے یہ طریقہ ہے کہ نعمتوں کو یاد کرو کہ شکایت تو ایک تکلیف کی ہی ہے، نعمتیں بہتیں ہیں، پھر بھی شکایت لے کر بیٹھ جاتا ہے اور اپنی ذمہ داری پوری نہیں کرتا ہے۔

نفس چھوٹے بچہ کی طرح شاکی ہے:

نفس بہت جلدی شکایت کرنے والا ہوتا ہے، چھوٹے بچہ کی طرح سے فوراً شکایت کرنے لگ جاتا ہے۔اس لئے کہتے ہیں اگر کوئی تکلیف آ گئی تو باقی نعمتوں کو بھول مت جاؤ، بلکہ ان کا شکرادا کرو، اور تکلیف کے بارے میں اللہ سے اچھا گمان رکھو کہ اللہ نے مجھ پر جو تکلیف ڈالی ہے یہ کسی حکمت سے ڈالی ہے۔

اللہ کی قدرت اور حکمت:

اللہ تعالیٰ قدرت سے بھی کام کرتے ہیں اور حکمت سے بھی، جو چیز قدرت سے ہوتی ہے وہ تو سمجھ میں آتی ہے لیکن جو چیز حکمت سے ہوتی ہے تو چونکہ اس چیز کی حکمت آدمی کی سمجھ میں نہیں آتی۔ مثلاً: کسی کو غریب بنادیا، کسی کو بیمار بنادیا۔اللہ نے اس کو

کیوں بیمار بنایا؟ کیوں غریب بنایا؟ اس کی حکمت معلوم نہیں ہے، اس لئے وہ شکایت کرتا ہے، حالاں کہ یہ نہیں ہونا چاہئے۔

اللہ سے تعلق اور گمان صحیح ہو:

اللہ سے اپنا گمان اور تعلق صحیح ہونا چاہئے۔ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر ہم مسلمانوں میں اللہ سے اچھے گمان کا دروازہ کھل جائے تو اللہ کی عطاؤں کے دروازے بھی کھل جائیں گے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے اچھا گمان ہو اور آپس میں بھی اچھا گمان ہو۔ اگر ایسا ہو جائے تو اللہ کی عطاؤں اور نعمتوں کے دروازے کھل جائیں گے۔

حضور ﷺ اپنے ساتھیوں سے یہ فرماتے تھے کہ دیکھو! تمہاری موت اس حالت میں آئے کہ تمہارا گمان اللہ کے ساتھ اچھا ہو۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضور ﷺ نے وفات سے کچھ دن پہلے یہ بات فرمائی تھی کہ تمہارا گمان اللہ کے ساتھ اچھا ہو۔ کیوں کہ اللہ اپنے بندوں کے ساتھ ان کے گمان کے مطابق معاملہ کرتے ہیں۔

اللہ کے خزانے لامحدود ہیں:

نفس میں شکایت بہت جلدی پیدا ہو جاتی ہے اور مایوسی بہت جلدی آجاتی ہے، ناامیدی آجاتی ہے کہ میرے پاس تو کچھ ہے نہیں، حالاں کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے کرتے ہیں، ناامید ہونے کی کیا بات؟ کیا اللہ کے خزانے میں کوٹا ختم ہو گیا؟ نہیں!

ایسا نہیں ہے، بلکہ اللہ کے خزانے تو بھرے ہوئے ہیں، جب سے مخلوق پیدا ہوئی ہے تب سے خرچ ہورہا ہے، اب بھی وہ بھرے ہوئے ہیں اس میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔

شیطان مایوسی لاتا ہے:

اکثر دین کے کام کرنے والوں پر شیطان مایوسی لاتا ہے، ناامیدی لاتا ہے کہ ہمارے ساتھ ایسا ہوگیا، ہمارا تو یہ ہوگیا۔ پھر ناامید ہوکر کٹ جاتا ہے اور کام چھوڑ دیتا ہے۔ حضرت جی مولانا الیاس صاحبؒ فرماتے تھے کہ شیطان جس طرح گناہوں میں ڈال کر آدمی کو اللہ سے دور کردیتا ہے اسی طرح وہ ناامیدی اور مایوسی ڈال کر بھی اللہ سے دور کرتا ہے کہ تو تو اتنے سال سے کام کرتا ہے، تیرے حالات تو ایسے ہی ہیں۔ تیرے حالات تو سدھرے نہیں۔ تو کیا اللہ تعالیٰ اس کو بھول گیا؟ نعوذ باللہ۔ کیا اللہ تعالیٰ ظلم کرے گا؟ نعوذ باللہ۔ اللہ تو بھولتا بھی نہیں اور ظلم بھی نہیں کرتا۔ تو پھر کیا بات ہے کہ ایسا ہوگیا؟ کہ یہ حکمت ہے، اس لئے اللہ سے امیدوار رہیں، ناامید نہ بنیں۔

شیطان اللہ سے ناامید ہے اور دوسروں کو بھی ناامید کرتا ہے:

شیطان خود بھی اللہ سے ناامید ہے، اس کو ابلیس کہتے ہیں۔ 'ابلیس' یہ 'ابلاس' سے ہے۔ ابلاس کے معنی ناامیدی ہے۔ تو شیطان اللہ سے ناامید ہے اس لئے وہ دوسروں کو بھی ناامید بناتا ہے کہ اللہ نے تیرے ساتھ کیا کیا؟ تو تو کتنے سال سے کام کرتا ہے! تیرا کام تو بنا نہیں، تیرا حال تو بنا نہیں، حالاں کہ اللہ تعالیٰ کا اس کو نہ دینا کسی حکمت کی وجہ سے ہوتا ہے، جو اللہ ہی جانتے ہیں۔

حکمت تو صرف اللہ ہی جانتے ہیں:

میرے بھائیو! حکمت تو صرف اللہ ہی جانتے ہیں، اس لئے اگر اللہ تعالیٰ کسی حکمت سے اگر ایک دروازہ بند کردے تو گھبرانا نہیں چاہئے، کیوں کہ وہ اپنے فضل سے دوسرا دروازہ کھولنے والا ہے، کبھی کبھی دیر ہو جاتی ہے۔ ہمارے ایک دوست ابھی بھی ہیں، ان کو اولاد نہیں، تیس برس ہو گئے! تیس برس کے بعد ان کے یہاں اولاد ہوئی۔ اب کون ناامید ہو؟ ایک دوسرا بھی میرا ساتھی ہے، اس کو بھی کوئی اولاد نہیں تھی، دس برس کے بعد ابھی اس کے وہاں لڑکی پیدا ہوئی۔

کام کرتے رہو، ناامید نہ بنو:

اپنی ضرورتوں کے بارے میں بھی یہی حکم ہے کہ ناامید نہ بنو۔ دین کے کام میں بھی یہی حکم ہے کہ دین کے کام کرتے رہیں ناامید نہ بنیں۔ آج اگر ہدایت کا وقت نہیں آیا تو کل آئے گا، کل نہیں آیا تو پرسو آئے گا، ھدایت کا وقت آئے گا تو اللہ ھدایت کھول دیں گے، اس لئے کوئی نبی ناامید نہیں ہوئے کہ بہت سال ہو گئے کوئی آتا نہیں ہے اب کیا کریں۔ اس لئے کوئی ناامید نہ بنے، نہ اپنی ضرورت کے بارے میں، نہ اپنی ذمہ داری کے بارے میں۔ اپنی ذمہ داری پوری کرو اور اللہ سے امیدوار رہو۔ یہ حکم ہے کہ ''اَبْشِرُوْا وَاَمِّلُوْامَایَسُرُّوْکُمْ'' خوش ہو جاؤ، بشارتیں لو، خوشخبریاں لو اور اللہ سے امیدوار رہو۔ اللہ ایسے حالات لاوے گا جو تمہیں خوش کردیں گے، اللہ بڑی قدرت والا ہے، اس کی قدرت ہے، اور وہ حکمت والا ہے، اس کی حکمت ہے۔

دعوت میں اللہ ہی کا تعارف ہو:

دعوت میں اللہ تعالیٰ ہی کا تعارف زیادہ ہونا چاہئے کہ اللہ کون ہیں؟ نبی اپنی دعوت میں خدا کی خدائی کو بولتے ہیں تاکہ اللہ کی طاقت پر، اس کے فیصلوں پر یقین ہوجائے۔ دیکھو! اللہ نے یہ دیا ہے، یہ کیا ہے، وہ کیا ہے۔ اللہ نے بھی ایسے کام بیان کئے ہیں جو قدرت پر یقین بڑھاوے، ایمان بڑھاوے۔ دیکھو! میں نے انسان کو ایک بوند پانی سے پیدا کیا، وہ پانی بھی اچھا نہیں، ناپاک ہے۔ آدمؑ کی اولاد اسی سے پیدا ہوئی ہے۔ ﴿أَلَمۡ نَخۡلُقكُّم مِّن مَّآءٍ مَّهِينٍ﴾ (سورۂ مرسلات: ۲۰) کیا ہم نے تمہیں ایک ناقدر پانی سے پیدا نہیں کیا؟ کتنی بڑی قدرت کہ پانی سے نقشہ بنایا! پانی پر کوئی نقشہ بنتا نہیں ہے؟ کاغذ پر تو بنے گا، دیوار پر بنے گا، لکڑی پر بنے گا، لیکن پانی پر نہیں بنتا۔ انسان کی شکل وصورت پانی پر بنائی، یہ بڑی قدرت کی بات ہے۔ پھر جب صورت تیار ہوئی اور بچہ تیار ہوگیا اور ماں جب اس کو نہلا دھلا کر مجلس میں لاتی ہے تو اس بچہ پر سب کو پیار آتا ہے۔ اللہ ایک پانی کی بوند کو بڑی صورت بناتا ہے، سوچو! آج تک پانی پر کس نے نقشہ بنایا؟ پانی پر تو کیا، برف کی چھیل پر بھی نہیں بن سکتا۔

اللہ کی محبت دل میں ہو تو اطاعت آسان ہوجاتی ہے:

میرے بھائیو! اللہ اپنی قدرت سے بھی بناتے ہیں اور حکمت سے بھی بناتے ہیں۔ حکمت سے دیتے ہیں حکمت سے لیتے ہیں۔ اس لئے اللہ پر ایمان لاویں، اللہ پر یقین رکھیں، اور اللہ سے اچھا گمان رکھیں، اللہ سے محبت کریں، ایمان کا ایک درجہ

ہے کہ اللہ سے محبت کریں۔اس کی محبت میں اس کی اطاعت بھی کریں۔پھر وہ اطاعت بھاری نہیں ہوگی۔''﴿وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ﴾(بقرہ:۱۶۵)''جو ایمان والے ہیں وہ تو اللہ سے محبت میں بہت سخت ہیں۔

ایمان کوسنوارنے کی بنیادی باتیں:

اعلی درجہ کی بات یہ ہے کہ محبت سے اللہ کی بات مانیں،اور کوئی غرض نہ ہو، صرف اللہ کو راضی کرنا ہو،اللہ کو خوش کرنا ہو،اللہ کا فضل حاصل کرنا ہو۔یہ سب باتیں اپنے ایمان کو سنوارنے کی باتیں ہیں۔اس لئے اپنا ایمان سنواریں،اللہ سے اپنا معاملہ صاف ستھرا رکھیں۔جب آدمی اللہ سے اپنا معاملہ صاف ستھرا رکھے گا،تو معاملہ اس کا لوگوں سے پڑے گا اللہ اس کو صاف ستھرا کر دیگا۔''مَنْ اَصْلَحَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللّٰهِ اَصْلَحَ اللّٰهُ مَابَيْنَهُ وَبَيْنَ خَلْقِهٖ ''جو اپنا اور اللہ کا معاملہ ٹھیک کر لیگا تو اللہ اس کے اور مخلوق کے معاملہ کو ٹھیک کر دیں گے۔یہ چابی بتائی ہے۔حضور ﷺ نے مدینہ منورہ پہونچ کر ایک بیان دیا تھا،اس بیان میں یہ بات فرمائی تھی۔

اللہ کی طرف سے جب معاملہ صاف ہوگا تو مخلوق کی طرف سے کوئی پریشانی نہیں ہوگی،یہ ایک بنیادی بات ہے،اورساری دنیا کے لیے فرمائی ہے۔دنیا ذمہ داریوں کی جگہ ہے اس لئے ذمہ داریوں میں اللہ سے اپنا معاملہ صاف رکھیں۔اللہ پر ایمان ہو،یقین ہو اور اس کی محبت اور اس کی اطاعت ہو۔

گناہ ناممکن نہیں بلکہ عین ممکن ہے:

اگر آدمی سے کوئی گناہ ہوگیا، گناہ ہونا اور بھول ہونا کوئی ناممکن بات نہیں ہے، گناہ ہونا عین ممکن ہے۔انسان ہے اس لئے اس سے غلطی ہوگی، کچھ آگے پیچھے ہوگا۔کیوں؟ اللہ نے اس کو پیدا ہی ایسا کیا ہے۔اللہ نے انسان میں اپنی طاعت کا مادہ بھی رکھا ہے اور خواہشوں کا مادہ بھی رکھا ہے۔دونوں چیزیں رکھی ہیں۔

عقل انسان کی رہبری کے لیے ہے:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پہلے عقل دی ہے، پھر عقل دیکر شریعت دی تاکہ نتیجہ سوچے۔عقل کی رہبری کے لیے شریعت آئی ہے۔جیسے آنکھوں کی روشنی ہے اور اس کے لئے چاند سورج کی روشنی۔کیوں کہ اگر اندھیرا ہوجائے تو پھر آنکھیں کام نہیں کریں گی۔اس لئے چاند سورج کی روشنی بنائی ہے۔ایسے ہی عقل دی ہے لیکن عقل رہبری کے لئے کافی نہیں ہے۔

دین وشریعت عقل کی رہبری کے لئے ہے:

اللہ تعالیٰ نے عقل کی رہبری کے لئے دین وشریعت دیئے ہیں۔اس لئے دین وشریعت کو سمجھو اور پھر اپنے آپ کو ان کا پابند کرو۔جب انسان عاقل، بالغ نہیں ہوتا حکم بھی واجب نہیں ہوتا۔عاقل بالغ ہوتے ہی حکم واجب ہوجاتا ہے۔بالغ ہوگیا یعنی عقل کو پہونچ گیا۔

متقی اور تائب کی جنت ایک:

میرے بھائیو! آدمی سے گناہ ہوجانا ناممکن بات نہیں ہے۔آدم علیہ السلام سے بھی بھول ہوئی۔آدم بھول گئے، کہ ان کی اولاد بھی بھول جائے گی، باپ کا اثر آتا ہے۔اس لئے اگر ہم سے بھول کر خطا ہوگئی یا گناہ ہوگیا۔اب کیا کریں؟ اب اللہ سے معافی مانگیں، یہی ہے مغفرت کا معنی۔اللہ تعالیٰ متقیوں کو جس جنت میں داخل فرمائیں گے،اسی جنت میں گناہ کر کے معافی مانگنے والوں کو بھی اتاریں گے۔متقیوں کے لئے تو جنت ہے ہی ہے، ﴿وَسَارِعُواْ إِلَى مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ﴾ (سورۂ آل عمران:۱۳۳) آگے بڑھو اللہ کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف جو متقیوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔جو خرچ کرتے ہیں تنگی میں، اور وسعت میں بھی۔اور اپنے غصہ کو دباتے ہیں اور لوگوں سے درگذر کرتے ہیں۔متقیوں کی یہ صفت ہے کہ ہر حال میں خرچ کرتے ہیں، اور غصے کو دبا کر لوگوں کو درگذر کرتے ہیں، ایسے ہی احسان کرنے والوں سے بھی اللہ محبت کرتے ہیں، متقیوں اور محسنوں کے لئے جنت ہے۔

توبہ واستغفار کا بدلہ جنت:

اسی طرح ان لوگوں کے لئے بھی جنت ہے جن کے بارے میں فرمایا ﴿وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُواْ فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُواْ أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُواْ اللّهَ فَاسْتَغْفَرُواْ لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلاَّ اللّهُ وَلَمْ يُصِرُّواْ عَلَى مَا فَعَلُواْ وَهُمْ يَعْلَمُونَ. أُوْلَـئِكَ جَزَآؤُهُم

مَّغۡفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمۡ وَجَنَّاتٌ تَجۡرِى مِن تَحۡتِهَا الۡأَنۡهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعۡمَ أَجۡرُ الۡعَامِلِينَ ﴾ (آل عمران: ۱۳۵،۱۳۶) ان لوگوں کے لئے بھی جنت ہے کہ جن سے گناہ ہو گیا، فحش کام ہو گیا پھر آئے اللہ کے سامنے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگی کہ اے اللہ میں نے گناہ کیا ہے، ''ظَلَمْتُ نفسِی'' میں نے ظلم کیا، میں نے برا کام کیا ہے، میری مغفرت فرما دے تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تیری مغفرت کا بدلہ جنت ہے۔ بعض کو تقوی سے جنت دیتے ہیں اور بعض کو توبہ واستغفار سے جنت دیتے ہیں۔ لہذا اللہ سے ناامیدی کیسی؟ توبہ کرو کہ اے اللہ میں نے گناہ کیا ہے، معاف فرما دے، میں نے خطا کی درگذر فرما دے، تو اللہ کہتے ہیں، ہاں! ہاں! میں نے معاف کر دیا۔ ہاں! ہاں! میں نے معاف کر دیا۔

دعوت میں اللہ کی شان کھلتی ہے:

دعوت میں اللہ کی شان کھلتی ہے کہ اللہ کون ہے؟ اور اس کا تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہے؟ اس کا تمہارے ساتھ فضل کا، کرم کا، مہربانیوں کا، عطاؤں کا معاملہ ہے۔ اس لئے اس کے شکر گذار بنو۔ شکایتیں مت کرو کہ میرا تو یہ ہو گیا، میرا تو یہ کھو گیا۔ شکایت کی کوئی ایک ہی چیز ہو گی اور نعمتیں بہت ساری ہوں گی، اگر آدمی کو بھوک آ گئی تو شکایت کرتا ہے کہ میں بھوکا ہوں، ارے ابھی بھوک ہی تو آئی ہے اس کے علاوہ کان سلامت، آنکھیں سلامت، زبان سلامت، بدن سلامت، اولاد سلامت، مال سلامت۔ اتنی ساری سلامتی اور صرف بھوکا رہنے کی وجہ سے شکایت! ایسا نہ کریں۔

بندہ بن کر دکھاؤ، بڑا بن کر نہیں:

میرے کہنے کی غرض یہ ہے کہ اللہ کو اس کا بندہ بن کر دکھاویں۔ یہ بڑی بات ہے کہ آدمی کی سمجھ میں آجائے کہ میرا کچھ بھی نہیں ہے، اے اللہ سب کچھ تیرا ہی ہے، تیرا دیا ہوا ہے، میں تو تیرا بندہ ہوں۔تو دین کے جتنے کام ہوں گے، وہ بندہ بن کر کئے جائیں گے، بڑا بن کر نہیں۔ساری نعمتیں تو اللہ کی دی ہوئی ہیں، تیرا تو کچھ بھی نہیں، تیرا تو وجود بھی تیرے ہاتھ میں نہیں! تیری حیات بھی تیرے ہاتھ میں نہیں! تو تو بڑا کیسے ہوگیا؟ اس لئے تدبیر یہ ہے کہ اپنے آپ کو بندہ بنائیں کہ میں اللہ کا ایک بندہ ہوں، میرا کچھ نہیں، میرے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ کا ہے، یہ سکھایا گیا ہے۔اس لئے دین کے کام کو اللہ کا بندہ بن کر کرو۔ جو نعمتیں آوے اس پر اللہ کا احسان مانو اور کہو کہ اے اللہ یہ سب تیری طرف سے ہے۔صبح وشام کی دعاؤں میں آتا ہے،''اَللّٰھُمَّ مَا اَصۡبَحَ بِیۡ مِنۡ نِّعۡمَةٍ اَوۡ بِأَحَدٍ مِنۡ خَلۡقِكَ، فَمِنۡكَ وَحۡدَكَ لَا شَرِيۡكَ لَكَ '' اے اللہ جو نعمت بھی میرے ساتھ ہے یا کسی کے پاس بھی ہو سب تیری طرف سے ہے، کسی اور کی طرف سے نہیں ہے، اس لئے میں تیرا شکر ادا کر رہا ہوں، یہ نبیوں کا طریقہ ہے کہ اللہ کا بندہ بننا اور اس کا شکر ادا کرنا اور ہر وقت اپنی ذمہ داری پوری کرنے کی فکر میں رہنا ہے۔پھر یہ کام آسان ہو جائے گا۔

نیکی کے کاموں میں سبقت کرنی چاہئے:

اسی طرح جو ہم سے بڑے ہیں، جو ہم سے اچھے ہیں ان کے جیسا بننے کی کوشش کرنا کہ انہوں نے ایسا کیا ہے، ایسا کیا ہے، تو ہم بھی ایسا کریں گے، ان کے جیسے عمل

بنائیں، ان کے جیسی اپنی ہستی نہ بنائیں۔ جیسے حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ جیسے عمل بنانے کی کوشش کرتے تھے۔ خلیفہ بننے کی کوشش نہیں کرتے تھے کہ میں بھی ان کے جیسا خلیفہ بن جاؤں بلکہ یہ سوچتے تھے کہ ان کا جو اعمال ہیں جس سے اللہ راضی ہوگیا، ایسے میرے اعمال بھی بن جائیں، اس کو سبقت (آگے بڑھنے کی بات) کہتے ہیں۔ یہ ہونا ہی چاہیئے، اگر یہ نہیں ہوتا ہے تو پھر آدمی میں جمود آجاتا ہے۔

دین کا کام استقامت سے کرو:

افریقہ میں ہمارے ایک پرانے ساتھی تھے، ان کا انتقال ہوگیا، بہت قربانی والے تھے، دین کا کام بہت کرتے تھے، تو مجھ سے آکر کہتے کہ ساتھی لوگ سال کے چلہ میں جاتے ہیں، پھر جب آتے ہیں اور ان سے دین کے کام کے لئے کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ میں نے تو سال کا چلہ دے دیا، اب اگلے سال آنا، حالاں کہ یہ مقصد نہیں تھا۔ دین کا کام ہے، ذمہ داری کا کام ہے۔ آدمی زمین جوتتا ہے تو بارش کا انتظار کرتا ہے، بارش ہوجاتی ہے تو بوپائی کرتا ہے۔ پھر اس کی نگرانی کرتا ہے پھر کھاد دیتا ہے، پھر فصل آوے گی۔ صرف زمین جوتنے سے تھوڑے ہی فصل آتی ہے؟ جو ذمہ داری لی جائے گی وہ آگے بڑے گی۔ ذمہ داری کو آگے بڑھائیں گے تو حق ادا ہوگا۔

نفس خروج مقصود نہیں، ذمہ داری سمجھنا مقصود ہے:

چلہ لگانا مقصد تھوڑا ہی ہے؟ بلکہ وہ تو ذمہ داریوں کو سمجھنے کے لئے ہے۔ خالی وقت پورا کرنے کے لئے نہیں ہے، ذمہ داری سمجھنے کے لئے گئے تھے کہ ہم پر کیا کیا

ذمہ داری آتی ہے۔ اللہ کے راستہ میں رہ کر کہ ذمہ داریوں کو سمجھنا پھران کو پورا کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنا اور جو کرتے ہیں ان کی زندگی کو دیکھنا، پوچھ پوچھ کر چلنا، مان کر چلنا، یہ ترقی کا ذریعہ ہے، ورنہ جمود ہے کہ بس وقت لگ گیا، حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ اپنے آپ کو اللہ کے راستہ میں چلانا ہے اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے کے لئے۔ یہ غرض ہے، نفس خروج مقصود نہیں ہے۔ صرف خروج مقصود بالذات نہیں ہے، جیسے خالی چکی کا پھرنا مقصود نہیں ہے بلکہ دانے ڈالو اور پھراؤ، بغیر کچھ ڈالے ہوئے خالی چکی چلانے سے کیا فائدہ ہوگا۔ ہماری دین کی حرکت سمجھ بوجھ پیدا کرنے کے لئے ہے۔ اللہ کے راستہ میں پھرتے پھرتے دین کی سمجھ پیدا ہو جائے تو سمجھو کہ کامیاب ہوگئے۔ ﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُواْ فِي الدِّيْنِ﴾ (سورۂ توبہ:۱۲۲) لوگ دین کے لئے نکلے تا کہ دین کی سمجھ حاصل ہو۔

دین کی سمجھ پیدا ہونے کی نشانی:

وقت پورا کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ دین کا سمجھنا مقصود ہے، دین کی سمجھ کی کیا نشانی ہے؟ اس کی نشانی یہ ہے کہ اس کے اندر اپنی آخرت بنانے کی فکر پیدا ہو جائے کہ مجھ کو میری آخرت بنانی ہے کیوں کہ مجھ کو آخرت میں سدا رہنا ہے۔ یہ دینی سمجھ کی ایک نشانی ہے۔ "مَنْ يُرِيْدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْراً يُفَقِّهْهُ فِيْ الدِّيْنِ" جس کے ساتھ اللہ بھلائی کا ارادہ کرے گا اس کو اپنے دین کی سمجھ دیگا، یہ حدیث کا مضمون ہے۔ اپنی دنیا سے آخرت بنانے کی فکر آوے یہ دینی سمجھ کی نشانی ہے۔ ایک حدیث میں صراحۃ اس

بات کوفرمایا کہ ”اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ“سمجھداراور باہوش آدمی وہ ہے جواپنے نفس پرقابوپائے اورموت کے بعد کام آنے والاعمل آج کرے، یہ سمجھداراور ہوشمند ہے۔علماء نے اس کودین کی سمجھ کی علامت لکھا ہے۔

آخرت کا نقصان بھاری ہے:

آخرت کا نقصان نہ کرے،آخرت کا نقصان بہت بھاری ہےاوردنیا کا نقصان ہلکاہے، وہ تو کوَربھی ہوجاتا ہے، ہمارےایک دوست کے یہاں چوری ہوگئی وہ آئے اور کہنے لگے کہ میرے یہاں چوری ہوگئی ہےاور چوروں نے کچھ چھوڑا ہی نہیں،سب کچھ لے گئے، بیچارہ مالی اعتبار سے نرادھار ہوگیا۔پھر وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ دوسرے شہر چلا گیا، وہاں پھر سے کام جم گیا، کمائی ہوئی تو مالدار ہوگیا، پہلے گاؤں میں صرف ایک گھر تھا، پھر دوسرا گھر خریدا۔چوری والا سارا نقصان پورا ہوگیا۔لیکن اگر آخرت کا نقصان ہوگیا تو وہ پورانہیں ہوگا کہ جس نے رمضان میں ایک روزہ چھوڑ دیا تو ساری عمر روزہ رکھے تو بھی اس کا بدل نہیں ملے گا۔اورجس کی ایک نماز فوت ہوگئی تو گویا کہ اس کا مال جان سب تباہ ہوگیا، یہ مثال ہے۔اس لئے سمجھداروہ ہے جوآخرت کا نقصان نہ کرے۔

آخرت کو دنیا پر ترجیح دو:

حدیث میں یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ جوآخرت کی طرف دھیان دے گااس کی دنیا کا نقصان ہوگا،اور جودنیا کی طرف دھیان دے گااس کی آخرت کا نقصان ہوگا۔ یہ دو

پلے ہیں کہ ایک کی طرف دھیان دو گے تو دوسرے کا نقصان ہوگا تو ایسی صورت میں کیا کرنا ہے؟ تو فرمایا ''آثروا ما ابقی علی ما افنی ''جو چیز باقی رہنے والی اس کو جھکا دو اس پر جو فنا ہونے والی ہے۔ دنیا فنا ہونے والی ہے، آخرت فنا ہونے والی نہیں ہے۔ یہ رہبری ہے کہ دین کا کام کرتے ہوئے دنیا کا نقصان ہوگا۔ جب دین و دنیا کا مقابلہ پڑ جائے تو دین کو ترجیح دو۔ یہ دین کے سمجھ دار ہونے کی علامت ہے کہ وہ اپنی آخرت بناتا ہوا کام کرے گا۔

دنیا آخرت بنانے کے لئے دی گئی ہے:

دنیا کیوں دی گئی؟ دنیا آخرت سنوارنے کے لئے دی گئی ہے، جیسے لوگ زمین دیتے ہیں کہ زمین کیوں دی گئی ہے؟ زمین اس لئے دی گئی ہے کہ اس میں کھیتی ہو، اوراس سے پیداوار ملے۔ دنیا یہ بھی آخرت کی کھیتی ہے، ''الدینا مزرعة الآخرة '' صحابہؓ جب دین کو لے کر دنیا میں پھرتے تھے تو لوگوں سے یہی ایک بات کہتے تھے کہ ''اِنَّ ھِمَمُنَا الآخِرَة وَلَيُسَتُ ھِمَمُنَا الدُّنُيَا'' کہ ہمارے عزائم وارادے آخرت بنانے کے ہیں، ہم اسی لئے پھر رہے ہیں، اسی لئے ہم دنیاوی نقصان کو برداشت کرر ہے ہیں۔ ہم اپنی دنیا بنانے کے لئے نہیں پھر رہے ہیں۔

نادانی کی بات:

اصل اور عقلمندی کی بات یہ ہے موت سے پہلے پہلے اپنی آخرت بنالے، عقلمندی کی بات ہے کہ اپنی دنیا سے اپنی آخرت بناوے۔ اور نادان کون ہے؟ نادان وہ ہے

جو اپنی دنیا سے فقط دنیا بناوے، جیسے قارون نے کیا، قارون کو دنیا دے کر یہ دعوت دی گئی تھی کہ ﴿وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ ﴾ تجھ کو اللہ نے جو دے رکھا ہے اس سے تو اپنی آخرت بنالے، صاف صاف بات کہی تھی، ﴿وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ﴾ تو اپنا حصہ مت بھول۔ اس نے اپنی دنیا سے آخرت نہیں بنائی، نافرمانی کی تو دنیا بھی گئی اور آخرت بھی گئی۔

دین کے کام میں دوام واستقامت پیدا کرو:

یہ بات صرف قارون کے لئے نہیں ہے، قرآن کریم میں یہ آیت نازل ہوئی ہے جو ساری دنیا کے لئے ہدایت ہے۔ جس کسی کے پاس دنیا ہو، جتنی بھی ہو، وہ اپنی دنیا سے اپنی آخرت بنالے، یہ قاعدہ ہے۔ اور اس پر دوام واستقامت پیدا کرے، گاہے گاہے اور کبھی کبھی کرلیا ایسا نہیں بلکہ استقامت پیدا کرے۔ دین کے کام کرنے والے اپنے کام میں دوام واستقامت پیدا کریں، اپنے آپ کو پابند بنائیں۔ یہ ھدایت اللہ تعالیٰ اپنے بندے نبیوں کو دیتے ہیں۔ جو ذمہ داری دی گئی ہے اس کی پابندی کرو۔ حضور ﷺ کو بھی یہی حکم دیا گیا'' ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ ﴾ (سورۂ ہود: ۱۱۲) اے نبی پابند ہو جایئے، کیسے پابند؟ کہ جیسا حکم ملا ہے ایسے پابند ہو جایئے۔ حضور ﷺ پر سورۂ ہود کی یہ آیت بہت بھاری تھی۔ آپ فرماتے تھے کہ سورۂ ہود نے مجھ کو بڑھا کر دیا۔

صرف پانچ کام دین نہیں ہیں:

صحابہ رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی دیکھ کر یوں فرماتے تھے کہ ''لیست لہ الراحۃ'' کہ آپ ﷺ کے لئے زندگی کوئی راحت نہیں ہے، ذمہ داری اور پابندی کی وجہ سے آپ کو راحت نہیں ہے۔ یہ ہمارے لیے سبق ہے کہ دین کے کام کے لئے اپنے آپ کو یکسو کرنا، اپنے آپ کو کام کا پابند بنانا، تو کام سے مراد صرف پانچ کام نہیں بلکہ دین کے کام ہیں۔ پورے دین پر ہم آویں۔

استقامت کی بہترین مثال:

حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ تسبیح فاطمہ والی حدیث (۳۳ر مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ر مرتبہ الحمد للہ، ۳۴ر مرتبہ اللہ اکبر) نمازوں کے بعد اور سوتے وقت مجموعی طور پر چھ مرتبہ، جب سے میں نے سنی، تب سے میرا یہ عمل فوت نہیں ہوا۔ مجمع میں سے کسی نے سوال کیا کہ فلاں میدان جہاد میں جس میں بہت بڑی جنگ ہو رہی تھی، اس میں آپ رات دن مشغول تھے، آپ نے فرمایا اس میدان میں بھی یہ تسبیحات میں نے پوری کی ہے۔ یہ استقامت کی مثال ہے۔ حالانکہ یہ عمل تسبیحات فاطمہ پڑھنا شرعی طور پر مستحب ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ واجب نہیں ہے، تو کیا حضرت علی نہیں جانتے تھے کہ یہ واجب نہیں ہے۔ ان کو سب معلوم تھا، لیکن یہ سب یعنی واجب ہونا، فرض ہونا، مستحب ہونا یہ تو دلیل پر ہوتا ہے، ان کو تو یہ حکم ملا تھا کہ یہ کرو۔ اس لئے اس کو پورا کرنا ہے۔

عمل کی پابندی اثر کر کے رہتی ہے:

ہماری ذمہ داری یہ بھی ہے کہ ہم نے دین کے کاموں میں دین کی محنتوں میں اپنے آپ کو منسوب کیا ،لوگ اس نسبت سے جانتے ہیں، اس لئے اپنے اندر استقامت پیدا کرنی ہے، پابند بننا ہے کہ حتی الامکان کوئی عمل فوت نہیں ہونا چاہئے۔ دیکھئے کہ حضرت علیؓ نے کیسی پابندی کی، حالانکہ مستحب عمل ہے،فرض بھی نہیں ہے۔ جب آدمی کسی عمل کا پابند بنے گا،تو اس عمل کا اس پر اثر ہوگا۔ پابندی نہیں ہے تو اثر بھی نہیں، جیسے دوا کہ اس کی پابندی ہے تو اثر ہے اور پابندی نہیں تو اثر بھی نہیں۔ یا یہ کہ دوا کی پابندی ہے لیکن پرہیز نہیں ہے، تو بھی اثر نہیں ہوگا۔

استقامت کس کو کہتے ہیں؟:

استقامت میں دونوں باتیں ہیں کہ جو کرنا ہے وہ تو کرنا ہی ہے اور نہ کرنے کے کام سے بچنا بھی ہے۔ دوا میں پابندی کے ساتھ پرہیز ہوتا ہے کہ یہ مکمل علاج ہے، ایسا علاج اثر کرے گا، اسی طرح جب آدمی عمل کا پابند بنے گا وہ عمل اس پر اثر کرے گا۔ دعوت کا ایک اثر ہے، عبادت کا ایک اثر ہے، خدمت کا ایک اثر ہے، فرائض کا ایک اثر ہے، حرام سے بچنے کا ایک اثر ہے۔ جیسے کھانے میں جو جو چیز پڑتی ہے وہ کھانے میں اپنا اثر دکھاتی ہے۔ نمک کا الگ اثر، ٹماٹر کا الگ اثر، آگ کا اثر، پانی کا الگ اثر ہے، یہ سارے اثرات ملکر کھانا کھانے کے قابل بنتا ہے۔ تمام اثرات جمع ہوتے ہیں، تب

جا کر وہ کھانا کھانے کے قابل بنتا ہے ، اور کوئی بیچنے والا ہے تو بیچنے کے قابل بنتا ہے۔قابل ہوگا تو لوگ خریدیں گے۔ کیوں کہ اس میں سارے اثرات جمع ہیں۔

نماز کے لئے اپنے پیٹ اور پیٹھ کو ہلکا رکھو:

اسی طرح کا معاملہ دین میں بھی ہے ،نماز کا بھی ایک اثر ہے،اللہ نے نماز کو سَستی والی نہیں بنائی۔ ہم لوگوں نے تبلیغ والوں نے نماز کو بہت سستا بنادیا ہے کہ ہلکی پڑھ لو۔ یہ الگ بات کہ عذر ہے،سفر ہے۔فرمایا کہ نماز کی پابندی کرو،نماز کی حفاظت کرو۔خالی نماز پڑھنے کو نہیں کہا بلکہ یوں کہا کہ نماز قائم کرو،اس کے لئے نماز کی سنتیں ،نماز کے مستحبات ،اس کے اوقات کی رعایت یہ سب ضروری ہے تب جا کر یہ نماز اثر کرے گی۔عمل کی پابندی کے ساتھ دین کی محنت کرنا۔حدیث میں ہے کہ اپنی نماز کے لئے اپنے پیٹ کو اور پیٹھ کو ہلکا رکھو، تاکہ نماز میں جان پڑے۔ یہ ہے فضائل اعمال میں کہ نماز کے لئے اپنے پیٹ کو ہلکا رکھو تاکہ نماز میں جان پڑے اور پیٹھ کو ہلکا رکھو کہ زیادہ جھگڑوں میں نہ الجھو کہ جس کی الجھنیں زیادہ ہوں گی اس کا نماز میں دھیان کم ہوگا۔

ہر عمل میں درمیانی چال چلو:

اپنے عمل کو ٹھیک اور صحیح کرنا ہے تاکہ اللہ کو پسند آجائے۔اللہ تعالیٰ عمل کی خوبی اور عمل کرنے والے کی نیت کی خوبی کی وجہ سے عمل کو قبول کرتے ہیں،اپنے عمل میں ایسی استقامت ہو کہ سالہا سال گذر جائے لیکن عمل فوت نہ ہو۔اس کے لئے

درمیانی چال چلو، جوش میں آگے مت چلے جاؤ ورنہ تھک کر چھوڑ دو گے، اور سستی میں پیچھے نہ رہ جاؤ ورنہ ذمہ داری پوری نہیں ہوگی۔ لہذا بیچ کی چال چلو، اپنی طاقت کے مطابق عمل کرتے رہو، جتنی طاقت دی ہے اتنا عمل کرو۔ طاقت سے زیادہ تو اللہ بھی نہیں کہے گا، جتنی طاقت ہے اتنا ہی انسان کو مکلّف بنایا ہے۔

کام کا بوجھ لو تاکہ استقامت اور قبولیت آوے:

میرے بھائیو! دین کی طاقت کا بوجھ اپنے ذمہ لو۔ جس طرح دنیا کے کاموں کا بوجھ لیتے ہو کہ گھر بنانا ہے تو بوجھ، شادی کرانا ہے تو بوجھ، علاج کرنا ہے تو بوجھ۔ جیسے دنیا کا بوجھ لیتے ہیں ایسے ہی دین کے کاموں میں بھی بوجھ لو۔ اس سے کام میں استقامت اور قبولیت آئے گی۔ اس لئے استقامت کے ذریعہ سے اپنے آپ کو دین کے کام کا لائق بنانا ہے۔ پھر اللہ ان کے کاموں کی تعریف کریں گے، جیسے نبیوں کے کاموں کی تعریف کی۔ نبیوں کے تابعداروں کی تعریف کی ہے، کیوں؟ اس لئے کہ انہوں نے اپنے آپ کو تابعداری کا پابند بنایا تھا۔

دنیا حالات کا گھر ہے:

استقامت اس لئے پیدا کرنی ہے، کیوں کہ دنیا حالات کا گھر ہے۔ آدمی پر حالات آتے ہیں، جیسے بچپن آیا، جوانی آئی ، بڑھاپا آیا، کوئی چاہے نہ چاہے مگر یہ آویں گے۔ ایسے ہی دوسرے حالات بھی آئیں گے، کبھی مالداری آگئی، غریبی آگئی، بیماری آگئی ، تندرستی آگئی، کیوں کہ دنیا ہے ہی حالات کا گھر، آدمی کو حالات میں پیدا کیا گیا ہے۔

حالات میں کیسے چلیں؟:

حالات آوے تو دو باتیں ہیں، ایک یہ ہے کہ حال کے حساب سے چلو، دوسرا یہ ہے کہ حکم کے حساب سے چلو۔ اگر حال کے حساب سے چلے تو کامیابی نہیں ملے گی، جیسا حال ہوگا ایسا کام کریں گے، یہ کامیاب نہیں ہوگا۔ اور حکم کے حساب سے چلے گا تو کامیاب ہوگا، جیسے بیمار ہوگیا، تو کیا نماز نہ پڑھے، حالات آئے تو مسئلہ پوچھے کہ میں بیمار ہوگیا ہوں نماز کیسے پڑھوں؟ طریقہ معلوم ہوگا، جتنے حالات پیدا ہوں گے اتنے طریقے معلوم ہوں گے، نماز تو پڑھنی پڑے گی، اسی کو شریعت وسنت کہتے ہیں۔

ہمارے دین میں تو آسانی ہے:

جو شریعت وسنت کا علم لے گا اس کے لئے دین آسان ہوجائے گا اور جو جاہل رہے گا وہ اپنے دین میں تنگی محسوس کرے گا۔ حضرت علیؓ کی ہڈی ٹوٹ گئی تو حضور ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ میری ہڈی ٹوٹ گئی ہے، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ پٹہ باندھ دو اور اس پر مسح کرلو۔ دیکھئے دوسرا طریقہ معلوم ہوا کہ اگر وضوء میں ہاتھ دھویا نہیں جاتا تو مسح کرلو۔ ہمارے دین میں آسانی ہے۔ حکم نہیں بدلے گا، نماز تو پڑھنی ہی پڑے گی، وضوء تو کرنا ہی پڑے گا، ہاں! طریقہ بدلے گا۔ اس لئے پوچھنا ضروری ہے، تو عمل صحیح ہوگا۔ علم وذکر اسی لئے دیا گیا تاکہ عمل صحیح ہو۔ عمران بن حصینؓ بہت بیمار رہتے تھے تو وہ اکثر مسائل پوچھتے رہتے تھے کہ میں کیسے نماز پڑھوں۔ آپ ﷺ ان کو طریقے بتاتے رہتے تھے کہ ایسے پڑھو، ایسے پڑھو۔ آپ کے ذریعہ سے بہت سارے معذوری کے

مسائل معلوم ہوئے ہیں۔دعوت بغیر علم وذکر کے نہیں ہے۔جو حال آوے اس کو پوچھ کر کریں، مال آجاوے تو پوچھیں کہ مالداری میں کیا کرنا چاہئے، کیا کیا حقوق ہیں مجھ پر مال کے، کمائیاں علم والی ہو، حضرت فرماتے تھے کہ اپنی کمائیوں کو بھی علم والی بناؤ کہ یہ کمائی صحیح ہے، یہ کمائی صحیح نہیں ہے۔اپنی کمائیوں کو علم پر لاؤ تا کہ وہ دین بنیں، جہالت کی کمائی دین نہیں بنتی ہے۔علم والی تجارت ہوگی وہ بھی دین بن جائے گی۔

سچا تاجر نبیوں کے ساتھ ہوگا:

اپنی کمائیوں کو دین بناؤ، جیسے نماز کے فضائل ومسائل ہیں ایسے ہی تجارت کے فضائل ومسائل ہیں۔روزہ، حج کے فضائل ومسائل ہیں، ایسے کمائیوں کے مسائل وفضائل ہیں کہ تجارت کی یہ فضیلت ہے، دکان کی یہ فضیلت ہے۔دکان کرنا صرف دنیاداری نہیں ہے، بلکہ یہ دین داری بھی ہے۔سچا اور ایماندار تاجر نبیوں کے ساتھ ہوگا، تجارت کی فضیلت ہے، کھیتی کی فضیلت ہے، مزدوری کی فضیلت ہے۔ان کے مسائل بھی ہیں۔لہذا جب یہ چیزیں دین بنے گی تو ان کے مسائل بھی پوچھنے پڑیں گے۔مسائل پر عمل ہوگا تو اس کی فضیلت ملے گی۔حضرت فرماتے تھے کہ اپنی ضروریات کے بھی اسلام میں فضائل بتائے ہیں کہ تجارت ضروری ہے، کھیتی ضروری ہے، نوکری ضروری ہے، ٹھیک ہے، کرو لیکن اس کا علم حاصل کرو، اور اس پر عمل کر کے اس کو دین بناؤ۔پھر مسلمان ہر حال میں کامیاب ہے۔تاجر ہو تو کامیاب، مزدور ہو تو کامیاب، زمین دار ہو تو کامیاب، الغرض ہر حال میں کامیاب ہوگا۔

مسلمان دنیادار ہوتا ہی نہیں:

مسلمان کبھی دنیادار ہو ہی نہیں سکتا، کافر دنیا دار ہوتا ہے، کیوں کہ اس کا آخرت پر ایمان نہیں ہے۔ وہ جنت ودوزخ کو جانتا نہیں اس لئے وہ اس کی تیاری نہیں کرتا۔ اور وہ ان کو مانتا نہیں ہے، اس لئے وہ تو دنیادار ہے، دنیا کے لئے دنیا بناتا ہے ۔ اور مومن کی تو دنیا بھی ہے، آخرت بھی ہے۔ اللہ نے اگر اس کو دنیا دی تو دنیا کو بھی سنبھالے گا، تاکہ وہ عذاب نہ بنے۔ اور اس دنیا سے اپنی آخرت بنائے گا اس لئے دونوں جہاں میں کامیاب۔

مسلمان بازار میں رہ کر بھی ولی ہے:

علم وذکر اس لئے دیا گیا کہ اپنی دنیا کو دین بناؤ۔ پوچھ پوچھ کر، یاد کر کے، یہ حکم ہے، یہ طریقہ ہے، اپنی دنیا دین بن جائے گی، پھر مسلمان بازار میں رہ کر بھی ولی ہے۔ صحابہ بازاروں میں ہوتے تھے، مسجد میں نہیں بیٹھے رہتے تھے۔ بڑے بڑے کاروبار کرتے تھے، ان کے کاروبار علم وذکر کے ساتھ ہوتے تھے۔ پھر ان کاروبار کی برکتیں ملتی تھیں۔ حضرت علی فرماتے تھے کہ "سوق المسلمین کمصلاھم" مسلمانوں کے مارکیٹ ایسے ہوتے ہیں جیسے ان کی مسجد ہوتی ہے۔ جیسے مسجد میں غلط کام نہیں کرتا، بازار میں بھی غلط کام نہیں کرے گا۔ جیسے مسجد کی فضیلت ہے کہ ایک نماز پڑھو تو پچیس نمازوں کا ثواب ملے۔ اسی طرح بازار میں جاکر بازار کا کلمہ پڑھے تو کتنی نیکی ملے؟ تیس لاکھ نیکی ملے۔ صحابی بازار جاتے تھے، اور ایک کونے سے دوسرے

کونے تک چلے جاتے تھے، کچھ بھی نہیں خریدتے تھے،ان کے خادم نے کہا کہ آپ بازار جاتے ہیں، کچھ خریدتے تو ہیں نہیں، آپ صرف جاکر واپس آجاتے ہیں۔توانہوں نے جواب دیا او بڑے پیٹ والے ! (اس خادم کا پیٹ بڑا تھا) ہم تو بازار میں سلام کرتے ہوئے گذرتے ہیں،اور بازار کا کلمہ پڑھتے ہیں۔تو جیسے مسجد میں جماعت سے نماز پڑھے تو پچیس نماز کا ثواب،ایسے بازار میں کلمہ پڑھنے سے تیس لاکھ نیکیاں ملتی ہیں۔حضرت فرماتے تھے:سُوْقُ الْمُسْلِمِیْنَ کَمُصَلاَّھُمْ'' مسلمانوں کے بازار کیسے ہوتے ہیں؟ کہ ان کے بازار ان کی مسجدوں جیسے ہوتے ہیں، یہاں بھی کمائی کرتے ہیں وہاں بھی کمائی کرتے ہیں۔

حلال کمانا اور حرام سے بچنا بڑی عبادت ہے:

حدیث شریف میں ہے: اِتَّقِ الْمَحَارِم تَکُنْ اَعْبَدَ النَّاس 'تو حرام کاموں سے بچ جا پھر خدا کا سب سے بڑا اعبادت گذار ہے۔حرام سے بچ کر زندگی گذاری ہے تو یہ آدمی اللہ کا بڑا اعبادت گذار ہے۔زیادہ نفلیں نہیں پڑھیں، زیادہ ذکر نہیں کیا، زیادہ خیرات نہیں کی، لیکن اپنے آپ کو حرام کاموں سے بچاتا رہا۔یہ بڑا اعبادت گذار ہے۔اسی طرح حلال کمانے والا کہ جیسے نماز وروزہ فرض ہیں،ایسے حلال روزی کمانا یہ بھی فرض ہے۔تو حلال کمانے میں بھی اس کو فضیلت ملے گی۔''کَسْبُ الْحَلاَلِ فَرِیْضَۃٌ بَعْدَ الْفَرِیْضَۃِ'' حدیث شریف میں ہے۔

اپنے رہن سہن میں انصاف پیدا کرو

ہمارا لین دین، ہماری خرید وفروخت یہ بھی عبادت ہے۔اگر اس کو علم وذکر کے ساتھ، پوچھ پوچھ کر لیا گیا تو پھر یہ بھی ہماری آخرت کی کمائی ہے۔اسی طرح لوگوں کے ساتھ رہن سہن ہمارا کیسا ہو؟ ہم لوگوں کے ساتھ کیسے رہیں؟ دنیا والے تو اپنے رہن سہن میں لڑتے ہیں، ہم کو لڑنا منع کیا ہے۔لڑائی حرام ہے، اپنے رہن سہن میں انصاف پیدا کرو۔ یہ چوتھا نمبر ہے۔

انصاف واحسان کا مطلب:

انصاف پیدا کرنے کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو اپنے لئے پسند کروگے وہ اپنے بھائی کے لئے بھی پسند کرو۔ جو اپنے لئے ناپسند کروگے وہ اپنے دوسروں کے لئے بھی ناپسند کروگے۔ یہ رہن سہن کی پہلی بنیاد ہے۔اس کو انصاف کہتے ہیں، اس لئے انصاف سے رہو، تا کہ کسی کا حق نہ مرے۔حضور ﷺ پر انصاف فرض ہوگیا ،آپ انصاف کرتے تھے ،اور انصاف والی زندگی گذارتے تھے۔ ہر مسلمان انصاف سے رہے۔دوسرا انصاف سے آگے احسان ہے۔لوگوں پر احسان کریں، یعنی اپنی جان ومال سے لوگوں کو فائدہ پہونچائیں۔اس کو اخلاق بھی کہتے ہیں۔میری جان ومال سے دوسروں کو نفع پہونچے۔اس کو احسان کہتے ہیں۔دین میں انصاف بھی ہے اور احسان بھی ہے، فرمایا کہ تول کردو اور جھکتا دو، ”زِنْ وَارْجِحْ “

تول کر دینا انصاف ہے، یہ واجب ہے۔ ایسے ہی مال بھی جھکا کر دواور صحیح صحیح دو، دودھ صحیح نہیں تو کیسے پیسے لے گا، پانی کے پیسے لے گا،تول کر دو،صحیح دو۔ پورا تولنا فرض ہےاور جھکتا دینا احسان ہے۔ پیسے لیے ہیں تو پورا دو۔﴿وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ﴾ صحیح صحیح ترازو سے پورا پورا دو۔ یہ واجب ہےاور حق ہے۔ جھکتا دینا یہ اپنی طرف سے احسان ہے۔

اخلاق بلند ہوں گے دعوت کامیاب ہوگی:

مخلوق کے ساتھ احسان کرو، اللہ تمہارے ساتھ احسان کرے گا،لوگوں کے ساتھ رہن سہن کا طریقہ بتایا کہ ہم لوگوں کے ساتھ کیسے رہیں گے؟ انصاف سے رہیں گے، اورلوگوں پر احسان کریں گے۔ نفع پہونچائیں گے۔اس کو اخلاق کہتے ہیں۔ دین کی دعوت میں اخلاق کا بڑا اثر ہے۔ جتنے اخلاق بلند ہوں گے اتنی دعوت کامیاب ہوگی۔اس لئے رسول اللہ ﷺ کو سب سے اونچے اخلاق دیئے گئے۔ کیوں کہ آپ کے سامنے جاہلیت تھی۔ جاہل اندھا ہوتا ہے، وہ کچھ نہیں جانتا۔ جاہلوں کے سامنے جاہلیت کرے تو جہالت بڑھ جائے گی، جیسے آگ میں پٹرول ڈال دے، لہذا آپ ﷺ نے جہالت کے مقابلے میں اخلاق دکھائے۔ آپ ﷺ کو بلند اخلاق دیئے گئے تھے۔

دعوت میں نکلنے والے اخلاق کی مشق کریں:

اللہ کے راستہ میں نکلنے والے اپنے اخلاق کی مشق کریں، کیوں؟ اس لئے کہ مختلف قسم کے لوگ ملیں گے۔ سخت مزاج والے بھی ہوں گے اور نرم مزاج والے بھی

ملیں گے۔قبول کرنے والے بھی ملیں گے، رد کرنے والے بھی ملیں گے۔ان کے ساتھ اخلاق سے پیش آئیں اورصبر سے کام لیں۔گھر والوں کے ساتھ بھی اخلاق سے کام لیں، ورنہ گھر میں نفرت اور باہر دعوت ہوگی۔اس لئے گھر والوں کے ساتھ صبر سے کام لو۔نرمی کرو۔کیوں کہ ان کا ساتھ لینا ہے،ان کو چھوڑ کر کام نہیں کرنا۔

حالات کے اعتبار سے نبیوں کی دو قسمیں:

نبیوں پر دو قسم کے حالات آئے ،ایک قسم وہ ہیں جن کے گھر والوں نے ساتھ نہیں دیا، بلکہ مخالفت کی۔نبیوں پر حالات آئے۔حضرت لوط علیہ السلام کی عورت بہت نافرمان تھی۔نوح علیہ السلام کی عورت بھی بہت نافرمان تھی۔تو ان نبیوں کو ان کی بیویوں کی نافرمانیوں کی وجہ سے بہت کچھ صبر کرنا پڑا۔اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ان دونوں عورتوں کو ظاہر کرے گا۔یہ ہمارے نبیوں کے گھر میں رہی اور کافر رہی۔اس لئے فیصلہ ہوگا اور دیگر کافروں کے ساتھ دوزخ میں چلی جائے گی۔ایک وہ قسم ہے کہ جن کے گھر والوں نے پورا پورا ساتھ دیا۔ایک ابراہیم علیہ السلام کہ ان کی دونوں بیویاں تابعدار رہیں،حضرت ھاجرہ کو کہا کہ میں تمہیں یہیں خانۂ کعبہ کے پاس چھوڑ کر جاؤں گا،تو انہوں نے پوچھا کیوں؟ تو آپ نے بتایا کہ اللہ کا حکم ہے۔تو جواب دیا ٹھیک ہے، اللہ کا حکم ہے تو ہم راضی ہیں، اللہ تعالیٰ برباد نہیں کرے گا۔کوئی ضد نہیں، کچھ نہیں، پھر برکتیں ملیں، خانۂ کعبہ بنا، زم زم اور یہ سب کچھ۔

ازواج مطہرات کا دین کی خدمت کرنا:

اسی طرح حضور ﷺ کی ازواج نے پورا پورا ساتھ دیا۔آپ بھی ان کے ساتھ بہت نرم رہتے تھے۔اور صبر بھی کرتے تھے، کیوں؟ کیوں کہ بیوی ہے۔دو تعلق تھے، میاں بیوی والا بھی تعلق ہے اور نبی اور امت والا بھی تعلق ہے۔ایک بیوی نہیں، گیارہ بیویاں تھیں،اس لئے بہت صبر کرتے تھے، بیوی ناراض ہوجاتی تھی، منہ چڑا کر بیٹھ جاتی تھی تو آپ صبر کرتے تھے اور سمجھاتے تھے۔ابوبکر نہیں برداشت کرتے تھے اور حضور برداشت کرتے تھے۔حضرت عائشہؓ کی آواز بلند تھی،تو کبھی کوئی بات گرزتی تھی آپ پر۔زور سے چلاتی تھی۔ابوبکر مسجد میں سنتے تھے۔مسجد میں عائشہ کو مارنے کے لئے آتے تھے تو حضور بچاتے تھے۔پھر جب معاملہ ٹھنڈا ہوا تو حضور ﷺ نے عائشہ سے کہا کہ عائشہ! دیکھ لیا تم نے۔میں نے بچایا ورنہ مار پڑتی۔سمجھاتے تھے اور صبر کرتے تھے۔عورتیں ہیں، ان کے تقاضے ہیں، لہذا آپ نبی ہونے کی حیثیت سے رہبری بھی کرتے تھے اور شوہر ہونے کی حیثیت سے حق بھی ادا کرتے تھے۔وہ بیویاں بھی وفادار تھیں، حضور ﷺ کے کام میں ساتھ دیتی تھیں۔حضور ﷺ کی وفات کے بعد انہوں نے دین کو پھیلایا۔امیر کی اجازت سے ہر سال حج میں جاتی تھی۔اس زمانہ میں خلیفہ اجازت دے تو حج کر سکتے تھے، حج میں جانے کا مقصد تبلیغ ہوتا تھا۔کیوں کہ امت آئے گی، ان کو بتانا تھا کہ حضور ﷺ کا اپنے گھر میں کیا عمل تھا، آپ پر کیا وحی آئی، کیا احکام آئے۔اس کی تعلیم و تبلیغ کے لئے یہ حج ہوتا تھا، دنیا بھر کے مسلمان حج

میں آتے تھے۔ان کو تبلیغ کرنی ہوتی تھی۔حج میں حلقے لگتے تھے،انہیں تعلیم دیتی تھیں، انہیں درس دیتی تھیں، انہیں احکامات سکھاتی تھیں۔حضور ﷺ نے اپنے حیات میں تبلیغ کی،اور آپ کی وفات کے بعد امہات المؤمنین نے تبلیغ کی۔حضور کی بیبیوں نے دین کے کام میں آپ کا ساتھ دیا۔

اپنے گھر والوں کو دین سکھاؤ:

اس لئے کہا جاتا ہے کہ گھر والوں کو دین سکھاؤ، تاکہ وہ تمہارے لئے معاون بنیں، رکاوٹ نہ بنیں۔نہیں تو پریشانی کھڑی ہوگی۔رشتہ داروں کے ساتھ، پڑوسیوں کے ساتھ،جن جن کے ساتھ ہمارا تعلق ہے،ان کے ساتھ ہمارا انصاف کا معاملہ ہو اور احسان کا معاملہ ہو۔جو اپنے لئے پسند کریں وہ ان کے لئے بھی پسند کریں۔اسی طرح ان کے ساتھ احسان کا سلوک کریں گے۔اپنی طرف سے جو خدمت بھی کر سکتے ہیں کریں گے۔صحابہ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔اس لئے ان کا معاملہ ومعاشرہ خراب نہیں ہوتا تھا، ماحول نہیں بگڑتا تھا۔

یہودی پڑوسی کے ساتھ ابن عمرؓ کا معاملہ:

حضرت ابن عمرؓ ہمیشہ اپنے گھر والوں سے پوچھتے تھے کہ پڑوسی کے یہاں کیا بھیجا، کیا دیا؟ پڑوس میں بزرگ تھوڑے ہی رہتے تھے؟ کون رہتا تھا معلوم ہے؟ یہودی رہتے تھے۔مدینہ میں یہود آباد تھے۔یہودی پڑوسی ہے، پھر بھی اس کے ساتھ احسان کا سلوک کرتے تھے۔کیوں کہ وہ ہمارا پڑوسی ہے۔ یہودی ہوگا وہ اپنی جگہ

پر۔اس کا یہودی ہوناوہ جانے ،ہماراتو وہ پڑوسی ہےاورہمیں توحکم ہے کہ’’ احسن الی جارك تكن مسلما ‘‘پڑوسی کےساتھ احسان کروتو تم مسلمان بنوں گے۔ یہ ہماری زندگی ہے۔

دعاءمانگنا یہ مخلص ہونے کی نشانی ہے۔

لہذا ایمان واطاعت کے ساتھ ساتھ، اللہ کے بندوں کے ساتھ انصاف ،احسان اوراخلاق کا معاملہ کریں،اورایک دوسرے کے لئے دعاء مانگیں۔حضور ﷺ کےصحابہ ایک دوسرے کے لئے دعاء مانگا کرتے تھے۔اپنے ساتھیوں کے لئے ،اپنے بھائیوں کے لئے ،حضور ﷺ بھی اپنے صحابہ کے لئے دعاء مانگا کرتے تھے۔لہذا ہم بھی دعاء مانگیں پوری امت کے لئے۔دعاء مانگنا یہ مخلص ہونے کی نشانی ہے۔جس کے دل میں حسد ہو کیا وہ دعاء مانگے گا؟نہیں ! بلکہ وہ تو برائی چاہتا ہے۔دعاءکون مانگے گا؟ مخلص آدمی دعاء مانگیں گا کہ ان کا بھی بھلا ہوجائے اور ہمارا بھی بھلا ہوجائے۔

تبلیغ کس کو کہتے ہیں؟:

ایمان،عبادت، ہمارالین دین، ہمارارہن سہن، ہمارے اخلاق یہ سب صحیح ہوں، اورپھرہماری نیتیں بھی صحیح ہوں۔ان سب چیزوں کا نام تبلیغ ہے۔یہ سب ہم اپنی آخرت بنانے کے لئے کریں گے،اورکوئی دوسری غرض نہ ہو۔پھراپنی پابندیوں اوراخلاص کی وجہ سے جتنی قربانیاں بڑھیں گی اتنی ہی ہدایت نیچے آئے گی۔یہ قاعدہ ہے کہ قربانیوں کی

سطح جتنی اونچی ہوگی اتنی ہدایت نیچے آئے گی اور قربانیوں کی سطح جتنی نیچی ہوگی اتنی ہدایت اوپر چلی جائے گی۔﴿وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ کہ جو ہمارے راستے کی جدوجہد کرے گا، قربانی دیں گے ہم ان کو ہدایت دیتے رہیں گے۔ ہمارا مقصد ہدایت ہے۔ ہدایت مل جائے ہم کو بھی اور امت کو بھی۔ یہ ساری قربانیاں اور ساری چلت پھرت اس لئے کہ امت پر ہدایت کا فیضان بڑھے۔

آگ بجھ گئی باغ لگ گیا:

حدیث پاک میں ہے ''طُوبیٰ لِعَبْدٍ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُ مِفْتَاحًا لِلْخَيْرِ وَمِغْلَاقًا لِلشَّرِّ'' کہ خوش نصیب ہے وہ بندہ جس کو اللہ ہدایت کے پھیلنے کا ذریعہ اور گمراہی کے مٹنے کا ذریعہ بناوے۔ ان کے ہاتھوں سے خیر پھیلی اور شر مٹا ہے، گویا آگ بجھ گئی باغ لگ گیا۔ خیر پھیل گئی کہ ایمان آیا، عبادت آئی، اخلاق آئے، لوگوں کے معاملات صحیح ہوگئے۔ اگر اس کا الٹا ہے تو ہلاکت ہے اس بندہ کے لئے جس کو اللہ شر کے پھیلنے کا ذریعہ بنائے، اور خیر کے مٹنے کا ذریعہ بنائے۔ جو خیر پھیلی تھی وہ ان کے ہاتھوں مٹ گئی اور شر پھیل گیا۔ ایسے لوگوں کے لئے ہلاکت ہے، دونوں قسم کے لوگ دنیا میں ہوتے ہیں۔

اخیر تک دین پر چلنا ہے اور چلنے والے تیار کرنے ہیں:

اس لئے فرمایا کہ اللہ سے دعاء مانگو کہ اللہ ہمیں خیر کے پھیلنے کا ذریعہ بنائے اور شر کے مٹنے کا ذریعہ بنائے اور اخیر تک چلائے۔ اخیر تک چلنا اور چلنے والے

تیار کرنا ہے۔اپنے ساتھیوں کی قدر کریں، اپنے ساتھیوں کو آگے بڑھاوے تاکہ ہمارے مرنے کے بعد خالی جگہ نہ رہے۔اپنی اولادوں کو بھی ایسا بناویں، یہ نہیں کہ باپ کا جنازہ گیا تو تبلیغ کا جنازہ بھی گیا۔ایسا نہ کریں ، بلکہ اپنی اولاد کو بھی لگائیں۔بہت سالوں پہلے کی بات ہے، پاکستان کی ایک جماعت جورڈن میں چل رہی تھی، اس میں ایک ساتھی تھے جن کا نام حاجی بشیر تھا، وہ بیمار ہو گئے، بہت نیک تھے۔بیماری میں ان کو یہ اندازہ ہوا کہ اب میں گھر نہیں جاسکوں گا، میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ان دو پہاڑوں کے بیچ میں میری قبر بنی ہے۔نیک آدمیوں کو اللہ کی طرف سے بشارت آتی ہے۔چنانچہ ان کا انتقال ہو گیا، جیسے ہی خبر پہونچی تو ان کے بیٹے تیار ہو کر کے آگئے اور کہنے لگے کہ میں میرے باپ کی جگہ پر ہوں، میں ان کے مال کا وارث ہوں، ایسے ہی میں ان کے دین کا بھی وارث ہوں۔جیسے وہ دین کے کام کو لیکر چلے تھے، میں بھی چلوں۔یہ بہترین مثال کہلاتی ہے۔مال کی وارث تو اولاد بن ہی جاتی ہے، قبضہ کر لیتی ہیں، تقسیم ہوتی ہے۔ٹھیک ہے وہ شریعت کا حق ہے لے لیں گے۔ایسے ہی دینی ذمہ داری کا معاملہ ہو کہ باپ نے دینی ذمہ داری سنبھالی تھی ہم بھی سنبھالیں گے۔اس لئے اپنے گھروں میں بھی دین ہو، تاکہ خلاء نہ پڑے۔

زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں!

ایسے ہی ساتھیوں کی قدر کریں، اوران کو آگے بڑھاویں تاکہ کل جب ہم نہیں

ہوں گے تو دین کا کام کرسکیں۔زندگی کا کیا بھروسہ؟ حضرت جی مولانا یوسف صاحبؒ نے لاہور کی مسجد میں شب جمعہ بیان دیا، جمعہ کی نماز کے بعد وہ نہیں رہے، اللہ کو پیارے ہوگئے۔کیا بھروسہ؟اس لئے فرماتے تھے کہ مجھے مت دیکھو بلکہ اللہ کو دیکھواور کام کو دیکھو۔اگر مجھے دیکھ کر چلو گے تو میں بھی ایک بت ہوں، میں بھی بندہ ہوں، میرے ہاتھ میں کیا ہے؟میں بھی ایک بت ہوں کہ نہ نفع پہونچاسکوں، نہ نقصان پہونچاسکوں۔

بڑوں کی رہبری میں برکت اور بڑائی میں شر ہے:

لہذا اپنی ذمہ داری سنبھالو، جو ہم کہیں وہ کرو، ہم کو دیکھ کر مت چلو۔بڑوں کو تو اس لئے دیکھنا ہے کہ رہبری ملے۔بڑوں کی بڑائی لینے کے لئے نہیں کہ میں بڑا ہوں۔نہیں! بڑوں سے رہبری لینی ہے۔حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے کہ "البَرَکَةُ مَعَ أَکَابِرِکُمْ" یادرکھو!تم کو برکتیں تمہارے بڑوں سے ملیں گی۔بڑوں کو بڑا ماننا،ان سے رہبری لینا، یہ برکت کی بات ہے لیکن بڑوں کی بڑائی کا امیدوار رہنا یہ شر ہے۔

امارت وصدارت کا سوال کبھی نہ کرو:

حضورﷺ فرماتے تھے کہ "یا بُنَیَّ لاتسئل الامارۃ " اے میرے بیٹے لوگوں سے امارت نہیں مانگنا کہ مجھے امیر بنادو۔اگر امارت کا تقاضا کرو گے تو اللہ تعالیٰ امارت کے حوالے کرے گا کہ تو جانے اور تیری امارت جانے۔"وَاِنْ سَأَلْتَ وُکِّلْتَ" اگر مانگے گا تو اللہ کو تمہاری صدارت اور امارت کے حوالے کریں گے، تمہاری مدد نہیں

ہوگی۔ اگر تم نے مانگی نہیں، لوگوں نے زبردستی دے دی کہ تم ہی لائق ہو، کوئی لائق نہیں ہے تو پھر اللہ کی طرف سے مدد پائے گا۔

حضرت ابوبکرؓ کا اعلان:

حضرت ابوبکرؓ کو حضرت عمرؓ نے خلیفہ بنایا تو ایسی مدد آئی جیسی حضور ﷺ کے ساتھ آتی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ اس امارت کو بالکل ہی نہیں چاہتے تھے۔ لیکن چونکہ حالات ہنگامی تھے اس لئے اس کو قبول کرلیا۔ حالات میں سکون آیا تو ایک نماز کے بعد کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ بھائیو! اس وقت حالات ہنگامی تھے اس لئے میں نے یہ امارت قبول کرلی تھی۔ اب حالات سازگار ہیں، گاڑی پٹڑی پر آگئی ہے۔ اب تم میں سے کوئی آوے، میں امارت اس کے حوالے کردوں۔ ایسا اعلان پندرہ نمازوں کے بعد کیا۔ تین دن تک ایسا کیا۔ جب یہ اعلان ہوتا تھا تو حضرت علیؓ دوسری طرف کھڑے ہوئے اور کہا کہ یہ ذمہ داری ہم نہیں لیں گے، اور آپ کے علاوہ کوئی دوسرا لے گا تو ہم اس سے راضی نہیں ہوں گے۔ ہم آپ ہی پر راضی ہیں، لہذا آپ ہی کو کرنا ہے۔ اگر اعتراض کا حق کسی کو تھا تو حضرت علیؓ کو تھا، کیوں کہ حضور ﷺ کی بیٹی آپ کے نکاح میں تھی، چچازاد بھائی بھی تھے، ہاشمی بھی تھے۔ مطالبہ کرتے تو وہ کرتے کہ یہ ہمارے گھر کی چیز ہے ہمیں ملنی چاہئے لیکن انہوں نے ہی کہا کہ آپ کے علاوہ کسی پر ہم راضی نہیں ہوں گے، اور یہ ذمہ داری آپ سے کبھی نہیں لیں گے۔ آپ ہی کو کرنا ہے۔

دین کا کام امانت ہے وراثت نہیں:

صحابہؓ کا مجمع مخلصین کا مجمع کہلاتا ہے کہ ہر آدمی کام چاہتا ہے کہ کام ہو جائے، دین کا کام جو جتنا اچھا کرسکتا ہے وہ اس ذمہ داری کو لے، اور اسی کو دی جائے، کیوں کہ یہ تو امانت ہے۔ باپ کی وراثت تھوڑے ہی ہے۔ اس میں امانت دار رہنا ہے، اس میں اپنا جان مال لگانا ہے، اپنی طاقت لگانی ہے، اپنی صلاحیت لگانی ہے، اور اللہ سے بدلہ لینا ہے۔ اللہ بڑھا چڑھا کر بدلہ دیں گے، بیپاری کی طرح تول تول کر نہیں دیں گے۔

اس لئے جو اللہ سے معاملہ کرے گا وہ نفع میں رہے گا، یہ قاعدہ ہے۔ ایک سبحان اللہ احد پہاڑ کے برابر، حضرت مولانا الیاس صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب ایک سبحان اللہ احد پہاڑ کے برابر ہے تو باقی اعمال پر اللہ کیا دیں گے، یہ سوچو۔ اللہ سے اس پر ثبات یعنی ثابت قدمی مانگنی ہے۔

دین بھلائی چاہنے کا نام ہے:

دین دوسروں کی بھلائی چاہنے کا نام ہے، دوسروں کی بھلائی چاہو گے تو تمہارا بھلا ہوگا۔ کوئی ہمارے ساتھ تیزی کرے تو ہم اس پر صبر کریں گے۔ ہم نرمی کریں گے۔ بدی کا جواب بدی سے دینے کی اجازت نہیں ہے۔ برائی کا جواب بھلائی سے دینے کا حکم ہے۔ نبیوں کا یہی طریقہ تھا کہ لوگوں کی ایذاؤں پر صبر کرتے تھے اور ان کی رہبری بھی کرتے تھے تاکہ وہ کامیاب ہو جائیں۔ یہ ایک کام ہے، رواج کے خلاف

ہے،طبیعت کے خلاف ہے، اللہ سے اس پر ثبات قدمی مانگنی ہے۔اونچی اونچی نیتوں کے ساتھ کام کرنا ہے۔دل میں نیت رکھو کہ یہ بھی کریں گے، وہ بھی کریں گے۔نیت اورعمل پر اللہ تعالیٰ دیں گے۔کام کرو اور اپنی طاقت کے مطابق ذمہ داری کو اوڑھو۔پہلے اپنی طاقت لگاویں، پھر خدا کی طاقت اس کے ساتھ ہوگی۔﴿وَیَزِدْکُمْ قُوَّةً اِلٰی قُوَّتِکُمْ﴾ (سورہ ھود:۵۲) اللہ تمہاری قوت میں اپنی قوت کا اضافہ کرے گا۔تمہاری قدرت ناقص ہے اور اللہ کی قدرت بڑی اور کامل ہے۔

....

سچائی اور امانت سے دین کا کام کرو

بیان نمبر [۵]

کل ہند پرانوں کا جوڑ

مؤرخہ ۲۲/صفر المظفر ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۱/ستمبر ۲۰۱۶ء بروز بدھ بعد نماز مغرب

بمقام بڑروده ، صوبه : گجرات

اقتباس

آخرت کیسے بنتی ہے؟ یہ ہمارا اصلی موقف ہے کیوں کہ ہم آخرت والے ہیں، ہم جو کچھ کریں گے آخرت کے لیے ہیں، تا کہ اللہ کا حق بھی ادا ہوجائے اور اللہ کے بندوں کا حق بھی ادا ہوجائے۔ دونوں کے حقوق ادا کرنے سے آخرت بنتی ہے۔ اس لئے دین کے کام کرنا ہے، یہ امانت ہے، اس کو نہیں چھوڑا جاسکتا، اس کو پورا کرنا پڑے گا۔ سچائی کے ساتھ، امانت کے ساتھ کیا جائیگا، جو بات صحیح ہے وہ چھوڑی نہیں جائے گی اور جو غلط ہے اس کو لیا نہیں جائے گا۔ ہم اس کام کو سچائی کے ساتھ ، امانت داری کے ساتھ، اپنی ذمہ داری سمجھ کر پورا کریں گے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَحْدَہٗ لاَشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلاَ نَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ وَصَلّٰی اللّٰہ تَعالٰیٰ عَلَیْہِ وَعَلٰیٰ آلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً کَثِیْراً . اَمَّابَعْدُ

رسول اللہ ﷺ کی دو بنیادی صفتیں:

میرے بزرگو اور پیارے بھائیو! اللہ نے اپنے نبی ﷺ کی دو صفتیں نبوت سے پہلے ظاہر کی ہیں، ان صفات کا اتنا اثر ہوا کہ وہ لوگوں کی زبان زد ہوگئی۔ جو مخالف تھے وہ بھی اور جو موافق تھے وہ بھی معترف ہوگئے۔ جو موافق تھے وہ تو تھے ہی تھے، لیکن جو مخالف تھے ان کے دلوں نے بھی اعتراف کرلیا۔ وہ دو صفتیں ایک تو امانت داری، اور دوسری آپ کی سچائی، یہ دو صفتیں لوگوں کے سامنے ظاہر ہوئیں۔ یہ اللہ کی نعمت ہے کہ جو کام آپ سے لیا جائے گا دو ہی بنیادوں پر ہوگا۔

دین کے کام کو امانت سمجھو:

جو لوگ بھی یہ کام کریں گے وہ ان دو بنیادوں پر کام کریں گے۔ اپنے آپ کو امانت دار بنا کر اور کام کو امانت جان کر کریں گے۔ حضور ﷺ کو امین کا لقب ملا تھا،

کیوں کہ امانت داری سے کام کیا، اس لئے اس کام کو امانت سمجھ کر کرو۔ جیسے نماز امانت ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی، حدیثوں میں ہے کہ وضوء امانت ہے اسے پورا پورا ادا کرو۔ جس طرح یہ سب چیزیں امانتیں ہیں کہ کوئی تبدیلی کی گنجائش نہیں، ایسے ہی پورا دین اور دین کے سارے کام امانت ہیں۔ اس کو اسی نہج سے، امانت داری سے کئے جائیں۔

سچوں کے ساتھ رہو:

لہذا حکم لینا ہے، کام سیکھنا ہے اور حکم کا طریقہ پورا کرنا ہے، چاہے وہ حکم بجا لانے کا ہو، یا اپنے آپ کو بچانے کا ہو۔ دونوں قسم کے حکم ہوتے ہیں، کرنے کے یا نہ کرنے کے۔ اس لئے جو باتیں نہیں کرنے کی ہیں اسے کریں گے نہیں، اور جو کرنے کی اسے چھوڑیں گے نہیں۔ ہم کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جس نبی سے اللہ تعالیٰ نے عالمی کام لیا ان کی دو بنیادی صفتیں ظاہر کی ہیں، امانت داری اور سچائی یہ اصل ہے۔ سچائی اللہ کے ساتھ اور سچائی بندوں کے ساتھ۔ اللہ کے ساتھ سچائی یہ ہے کہ جو بھی معاملہ ہو چاہے عبادت کا ہو، اطاعت کا ہو، اس میں سوائے اس کی رضاء کے کوئی غرض نہ ہو۔ اللہ نے تمام مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ سچوں کے ساتھ رہو۔ ﴿یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔ جن کا ظاہر باطن ایک ہی ہو، ہر بات میں سچے ہوں۔ سچے وہ لوگ ہوتے ہیں جو اللہ کو اور آخرت کو سامنے رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں، اور یہی اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے، ایمان باللہ والیوم الآخر۔ تمام نبیوں کا یہ عقیدہ ہے۔

اللہ کو اور آخرت کو سامنے رکھ کر کام کرو:

اللہ کو اور آخرت کو سامنے رکھ کر کام کرو کہ اس سے میرے اللہ راضی ہوں گے اور میری آخرت بنے گی، آخرت کو اپنے عمل کا مالک بناویں۔ مخلص وہ ہوتا ہے جو اپنے اعمال کا مالک اپنی آخرت کو بناتا ہے۔ جیسے نوکر کہ اس کی نوکری اس کے کاموں کی مالک ہوتی ہے۔ بعض مرتبہ کوئی کام ہوتا ہے لیکن نوکری کی وجہ سے وہ نہیں کر سکتا، کہ ہماری نوکری میں اس کی اجازت نہیں ہے۔ ہمارے یہاں اسکول میں ایک ماسٹر تھے، ہمارے دوستوں میں سے تھے، اسکول میں ان کی ڈیوٹی تھی، ہم صبح مدرسہ پڑھاتے تھے۔ ہمارے یہاں صبح تین گھنٹہ بچوں کا مدرسہ ہوتا ہے۔ میں نے ان سے ایک دن کہا کہ آپ کا اسکول تو دس بجے کے بعد ہے، صبح میں آپ ہمارے یہاں تین گھنٹے پڑھاؤ، وہ دین دار آدمی تھے، تو انہوں نے کہا کہ ہماری نوکری اس کی اجازت نہیں دیتی کہ دوسری نوکری کریں، تو نوکری مالک ہے۔ ایسے ہی ہمارے یہاں ایک اور صاحب تھے بہت پڑھے لکھے تھے، ایک مرتبہ الیکشن تھا، میں نے ان کو دیکھا کہ وہ زمین پر اسکول کی دیوار پر ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے ہیں، بڑے آدمی تھے۔ میں نے کہا کہ آپ یہاں ایسے کیوں بیٹھے ہیں ؟ آپ کو تو وہاں یعنی الیکشن کی جگہ بیٹھنا چاہئے۔ انہوں کہا کہ میں وہاں نہیں بیٹھ سکتا، کیوں کہ حکومت کا قانون ہے، گورمنٹ کا کوئی بھی خادم، ملازم الیکشن میں حصہ نہیں لے سکتا ہے، یہ مثال ہے۔

دوقسم کے لوگ:

دوقسم کے لوگ ہوتے ہیں کہ کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں کہ ان کی دنیا ان کی عمل کی مالک ہوتی ہے، دوسری قسم وہ لوگ ہوتے ہیں کہ جنہوں نے اللہ کو اور آخرت کو سامنے رکھا ہوتا ہے کہ اللہ خوش ہوں گے اور ہماری آخرت بنے گی تو کام کریں گے، اور آخرت بگڑ یگی تو کام نہیں کریں گے۔ یہ اصل مزاج ہے صحابہ والا، '' انما ھِمَمُنا الآخرة ولیست ھِمَمُنا الدنیا '' ہمارے عزائم وارادے آخرت کے ہیں، دنیا کے نہیں ہیں۔ وہ اپنے عزائم آخرت کے بناتے تھے، ہر عمل میں یہ دیکھتے تھے کہ آخرت کے اعتبار سے کتنی گنجائش ہے۔ گنجائش ہے تو کریں گے، گنجائش نہیں تو نہیں کریں گے۔

فیضان کا زمانہ:

ایک دفعہ ایسا ہی زمانہ آیا جیسا ہمارا ہے، فیضان کا زمانہ۔ لوگ جمع ہورہے تھے کسی فیصلہ پر پہونچنے کے لئے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کیوں نہیں جاتے؟ آپ تو بڑے آدمی ہیں! جب وہ وہاں پہونچے تو ایک صاحب اپنی بہترین اونٹنی پر تھا، اس زمانہ میں اونٹنیوں کا وہ مقام تھا جو ہمارے زمانہ میں کاروں کا ہے۔ اونچے درجہ کا آدمی اونچے درجہ کی کار میں ہوتا ہے، تو اس زمانہ میں اونچے درجہ کا آدمی اونچے درجہ کی نجیب اونٹنی پر ہوتا تھا۔ نجیب کہتے ہیں شاندار اور خوبصورت اونٹنی کو، وہ کہنے لگے اس کام کا ہم سے زیادہ کوئی حقدار نہیں جیسے آج کہا جاتا ہے۔ عبداللہ ابن عمرؓ بھی وہاں تھے، وہ کہتے ہیں کہ میرے دل میں آیا کہ اس سے جھگڑا کروں، کہ اس

کام کا حقدار وہ ہے جس نے تیرے باپ کو اسلام لا کر دیا، لیکن جواب نہیں دیا، کیوں جواب نہیں دیا؟ بخاری شریف کی روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھ کو جنت یاد آ گئی کہ مجھے ان سے کیا لینا، اللہ نے ہمارے لیے جنت تیار کر دی ہے۔ جنت یاد آئی، جنت کے حالات یاد آئے، تو چھوڑ دیا، یہ سبق ہے۔

آخرت کیسے بنتی ہے؟

یہ ہمارا اصلی موقف ہے کہ ہم آخرت والے ہیں، ہم جو کچھ کریں گے آخرت کے لیے ہیں، تاکہ اللہ کا حق بھی ادا ہو جائے اور اللہ کے بندوں کا حق بھی ادا ہو جائے۔ دونوں کے حقوق ادا کرنے سے آخرت بنتی ہے۔ اس لئے دین کا کام کرنا ہے، یہ امانت ہے، اس کو نہیں چھوڑا جا سکتا، اس کو پورا کرنا پڑے گا۔ سچائی کے ساتھ، امانت کے ساتھ کیا جائیگا، جو بات صحیح ہے وہ چھوڑی نہیں جائے گی اور جو غلط ہے اس کو لیا نہیں جائے گا۔ ہم اس کام کو سچائی کے ساتھ، امانت داری کے ساتھ، اپنی ذمہ داری سمجھ کر پورا کریں گے۔

بنا ہوا ہی کام کو بناتا ہے:

یہ کام اپنے آپ کو بناتے ہوئے کرنا ہے، بگاڑتے ہوئے نہیں، کیوں کہ بنا ہوا ہی کام کو بناتا ہے، اس لئے اپنے آپ کو بنانا ہے۔ کس لحاظ سے بنانا ہے؟ اخلاص کے لحاظ سے بنانا ہے۔ کیا چاہتے ہو؟ کہ کچھ نہیں چاہتے، صرف اللہ چاہتے ہیں، اور

آخرت چاہتے ہیں۔اس میں اپنے آپ کو سچا ثابت کرنا کہ واقعی اللہ اور آخرت حق ہے،اس میں کوئی دوسری چیز نہیں، ورنہ دعوت چلے گی نہیں ہے۔

''بصیر'' کا معنی:

اللہ تعالیٰ ''بصیر'' ہیں۔بصیر اس کو کہتے ہیں جو پرکھنے کے ارادے سے دیکھے۔'بصیر' یہ اللہ کی صفت ہے،یعنی دیکھنے والا۔کیسا دیکھنے والا؟ ایسا دیکھنے والا جیسے کوئی چیک کرنے والا دیکھتا ہے تو اس کی نگاہ الگ ہوتی ہے۔تو اللہ نے بار بار یہ کہا: ﴿وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ﴾ کہ اللہ اپنے بندوں پر بصیر ہیں۔بصیر اس دیکھنے والے کو کہتے ہیں جو نکتہ چینی کے ساتھ دیکھے کہ یہ کیوں؟ یہ کیوں؟ وہ بصیر ہے، یہ صفت اللہ نے ہم کو بتائی ہے۔اس لئے اپنے عمل کو پوری سچائی کے ساتھ کرنا ہے۔کسی چیز کی کوئی طلب نہ ہو۔

دین کے کام میں غرض شامل ہوئی تو فتنہ فساد کا منہ دیکھنا پڑے گا:

حضرت مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ دین کے کام میں جس کے دل میں کسی خاک کی طلب ہوئی اس کو فتنہ وفساد کا منہ دیکھنا پڑیگا، وہ تو اس کی مثالیں بھی دیتے تھے۔خیر۔۔۔ ہمارے منہ سے وہ اچھی نہیں لگتی۔کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر اس کام میں دوسری کوئی غرض شامل ہوئی اور اس کو چلایا گیا تو اس کو فتنہ وفساد کا منہ ضرور دیکھنا پڑے گا۔یہ کام اس چیز کو برداشت نہیں کرتا۔اگر آخرت کی طلب ہو

تب تو ٹھیک ہے ،لیکن اگر دوسری کوئی طلب اندر شامل ہوگئی تو پھر اس کا اثر دوسرا ہوگا۔اس لئے اس کو اللہ سے صحیح صورت میں مانگ کر کرنا ہے، اور اللہ سے دعائیں مانگیں، ''اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنَا مَرَاشِدَ اُمُوْرِنَا وَاَعِذْنَا مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا '' اللہ سے مانگنا ہے، اللہ رشد و ہدایت کی بات ہمارے دلوں میں ڈال دے، اور ہم کو اپنے نفسوں کے شرور سے بچائے۔

سب سے پہلا شر نفس سے شروع ہوتا ہے:

سب سے پہلا شر جو شروع ہوتا ہے وہ آدمی کے اپنے نفس سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت مولانا سلیمان جانجیؒ نے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ سب لوگوں کو شیطان نے ہلاک کیا، تو پھر شیطان کو کس نے ہلاک کیا، حضرت نے فرمایا کہ اس کے نفس نے۔شیطان کو اس کے نفس نے آمادہ کیا کہ آدم کو سجدہ مت کر۔یہ اس کے لئے ہمیشہ کے لئے ہلاکت ہوئی۔ جہاں بھی کوئی ذرہ برابر بھی ملاوٹ ہوئی، اس کام کی آواز بدل جائے گی، جیسے مشین کی آواز بدل جاتی ہے۔اثرات بھی بدل جائیں گے۔اگر ایسا ہوا تو بجائے فلاح کے فساد کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

دین کے کام کا سب سے بڑا اثر:

اس کام کے بہت سارے اثرات ہیں، سب سے بڑا اثر یہ ہے کہ اس کی وجہ سے دلوں میں تقوی اتر تا ہے۔اس لئے آدمی محتاط بن کر چلتا ہے۔اپنے اختیارات

میں، اپنے تصرفات میں، اپنے جان و مال کے استعمالات میں، اپنے بولنے میں، ہر بات میں، کیوں؟ اس لئے کہ اس کے دل میں تقوی ہے۔ یہ اس کام کی علامت ہے، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سب سے بڑی چیز جو اللہ نے دی تھی وہ تقوی ہے۔ اس لئے آداب سے لیکر عقائد تمام چیزوں کے پابند بنے۔ ایسی کونسی صفت تھی ان میں؟ تقوی کی صفت تھی۔ ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَى﴾ (حجرات:٦) جب یہ وحی آئی تو صحابہ نے اپنی آوازوں کو پست کرلیا، احتیاط کرنے لگے، اللہ نے ان کی تعریف کی۔ یہ لوگوں کی وہ قسم ہے جن کے دلوں کو تقوی کے لئے خاص کیا ہے، یہ اس کام کا اثر ہے۔

ساری حسنات اور بھلائیوں کی جڑ تقوی ہے:

اس کام کا اثر یہ ہے کہ وہ نمازیں پڑھتا ہے، تسبیحات کی پابندی کرتا ہے، اللہ کے راستہ میں خرچ کرتا ہے۔ اوابین پڑھتا ہے، سارے نیک کام کرتا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ اس کے دلوں میں تقوی ہے۔ اس کام کی یہ برکت ہے کہ کام کرنے والے کو محتاط بناتا ہے۔ اگر یہ باتیں پیدا نہیں ہوتیں ہیں تو سمجھو کہ کام نے برابر اثر نہیں کیا۔ آدمی اپنی جان میں، مال میں، ہر چیز میں محتاط بنیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے اس کے اثرات مانگنے ہیں، اور کوئی غرض اپنے اندر نہیں ہونی چاہئے۔ نہیں تو وہی ہوگا جو ابھی فرمایا کہ فساد کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ اس لئے امانت اور سچائی کے ساتھ اس کام کو

کریں اور اللہ سے توفیق بھی مانگیں کہ اے اللہ تو ہم کو اس کی توفیق عطا فرما کہ ہم اس کام کے ساتھ امانت دار اور سچے بن کر رہیں۔

قبولیت کی دعاء مانگو، عمل کر کے بے فکر نہ بنو:

عمل کر کے بے فکر نہیں بننا چاہئے بلکہ قبولیت کی دعاء کرنا چاہئے۔ جب تک کوئی چیز پاس نہیں ہوتی، اس کا نتیجہ نہیں آتا۔ حضرت علیؓ اس کی تاکید کرتے تھے کہ اپنے اعمال کو اللہ سے قبول کرواؤ، اس کا خوب اہتمام کرو۔ جس طرح عمل کرنے کا اہتمام کرتے ہو، قبول کرانے کا بھی اہتمام کرو۔ جتنا تقوی ہوگا اتنی قبولیت آئے گی۔ ﴿ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴾۔ اللہ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

دین کے کام میں اعتدال ضروری ہے

بیان نمبر [٦]

گجرات ذمہ داروں کا جوڑ

مؤرخہ ۲۸ رشعبان المعظم ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۴ رمئی ر ۲۰۱۷ء بروز بدھ بعد نماز مغرب

بمقام سوجترا، صوبہ: گجرات

اقتباس

اسباب پر دین حق کا دارومدار نہیں ہے، ہمارے یہاں یہ بات نہیں اسباب کی بنیاد پر ہمارا کام ہوگا۔نہیں! ہمارا کام تو اللہ کی مدد سے ہوگا۔ یہ بات پہلے سے ہے۔ ہاں! اسباب آئیں گے تو ہم اسباب کو اللہ کی نعمت سمجھ کر استعمال کریں گے۔اور اللہ کے حکم کے مطابق استعمال کریں گے، اس میں اسراف نہیں ہوگا، فضولیات نہیں ہوگی۔اسباب کے استعمال میں منکرات نہیں ہوں گے۔اسباب پر دین کا دارومدار نہیں ہے،تو پھر کس پر دارومدار ہے؟ کام کرنے والوں کے اخلاص پر اس کا دارومدار ہے۔ یہ دیکھا جائے گا کہ ان میں کتنا اخلاص ہے، یہ اپنی محنت سے اپنی آخرت بنا رہے یا نہیں؟ جتنی آخرت بنے گی اتنی مدد ہوگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۔ وَالصَّلاَۃُ والسَّلاَمُ عَلیٰ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْد :

ایمان والوں پر اللہ کا بڑا احسان:

میرے پیارے بھائیو! اللہ نے ہمیں اس بات کا حکم دیا ہے کہ ہم اپنے دین کی مدد کریں، اور یہ پوری امت کی ذمہ داری ہے۔ اس لیے دین کے مددگار بنو، یہ صاف حکم ہے ﴿کُوْنُوْا اَنْصَارَ اللّٰہ ﴾ اپنے دین کے مددگار بنو، ایمان والوں پر یہ بڑا احسان ہوا ہے۔ اللہ نے فرمایا ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ إِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلاً مِّنْھُمْ ﴾ ایمان والوں پر اللہ نے بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے اندر انہیں میں سے رسول بھیج دیا، بھیجا تو سب کے لیے ہے لیکن نفع یہ اٹھاتے ہیں رسول کی رسالت سے، پیغمبر کی پیغمبری سے۔ اس کا ایک بڑا اجزء یہ ہے کہ اللہ کے دین کی مدد کی جائے ، دین کی مدد کرنا یہ بڑا کام ہے۔

ہجرت کے بعد بڑا عمل:

دین کی مدد ایسی مثال رکھتی ہے جیسے زمین کے لیے پانی، زمین کو پانی نہ ملے وہ کچھ فائدہ نہیں دے گی، بنجر ہو جائے گی اور پانی ملے تو زمین کی استعداد ظاہر ہوگی کہ یہ زعفران کی زمین ہے، یہ ادرک کی زمین ہے، تو اب یہ زعفران اگائے گی، ادرک

اگائے گی، اوراگرگھاس چارہ کی زمین ہےتو گھاس چارہ اگائے گی۔سب کچھ موقوف ہے پانی پر۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے نبوت کا سلسلہ بند کردیا،لیکن نصرت کی ذمہ داری ڈالی اوراس کا دروازہ کھلا رکھا۔ہجرت نہیں، حضور ﷺ فرماتے تھے کہ اگرہجرت نہ ہوتی تو میں انصاری ہوتا، ہجرت کے بعد سب سے بڑا عمل دین کی نصرت ہے کہ مسلمان اپنی جان و مال سے اللہ کے دین کی مدد کرے، اور مدد کرنا ایسا ہے جیسے پانی پہونچایا، اصلی چیز حیات کے لئے پانی ہے۔پانی کے بغیر زمین پر کسی چیز کی حیات نہیں ، ہر چیز کا دارومدار پانی پر رکھا گیا ہے، ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾ پانی سے ہر چیز کو ہم نے حیات بخشی ہے،لہذا زمین پانی سے زندہ رہے گی۔

انسان کی ساری صلاحیتیں دین کے لیے ہیں:

اسی طرح سے دین کے وجود کا بڑا دارومدار دین کی نصرت ہے۔مسلمانوں کا مال اوراس کی حیات اورانکی صلاحیتیں یہ اصلاً تو دین کے لیے ہیں اور یہ چیزیں دین کے لیے ہی دی گئی ہیں۔اس لئے فرمایا کہ دین کے مددگار بنو، انصار حضور ﷺ سے یوں کہتے تھے کہ جو چیزیں آپ دین کے لیے ہم سے لیں گے وہ ہمیں زیادہ پسند ہے اس سے جو آپ ہمارے لیے چھوڑیں گے۔اس لیے فرمایا کہ انصار کی نصرت ایثار کے ساتھ تھی، ایثار کا درجہ اونچا ہوتا ہے۔انہوں نے اپنی تکلیف کی پرواہ نہیں کی، اور ایثار سے کام لیا، اور دین کو اور دین کے کام کو آگے رکھا۔اس لئے انصارِ مدینہ کی اللہ کے یہاں بڑی قدر ہوئی۔

انصارِ مدینہ کا نصرت دین کے لیے انتخاب:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ انصارِ مدینہ کا انتخاب ہوا تھا آپ ﷺ کی نصرت کے لیے۔ انصارِ مدینہ ایسے ہی نہیں آ گئے تھے، بلکہ اللہ نے ان کو چھانٹا تھا اور وہ اس لئے کہ قریش نے حضور ﷺ کو ستایا، آپ کو مکہ سے نکالا، آپ کے کام میں رکاوٹیں ڈالیں۔ حالاں کہ ایک ہی قوم ہے، ایک ہی زبان ہے، ایک ہی خاندان ہے پھر بھی ساتھ نہیں دیا۔ جب انہوں نے حضور ﷺ کا ساتھ نہیں دیا تو اللہ انصارِ مدینہ کا انتخاب فرمایا، اس لئے فرمایا کہ جب قدر نہیں ہوتی تو اس کو اللہ ہٹا دیتے ہیں اور قدر دانوں کو لاتے ہیں۔ انصار مدینہ کا آنا کوئی اتفاق کی بات نہیں تھی بلکہ ان کا انتخاب ہوا تھا، اللہ نے ان کو لایا تھا اور یہ لوگوں کو بتلانے کے لیے کہ جب لوگ ناقدری کرتے ہیں تو پھر ان کی جگہ ہم قدر دانوں کو لے آتے ہیں ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُواْ نِعْمَةَ اللّهِ كُفْراً وَأَحَلُّواْ قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ، جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ﴾ یہ انہی کے بارے میں نازل ہوئی تھی کہ کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا کہ انہوں نے اللہ کی نعمت کے مقابلے میں کیا کیا؟ نعمت آئی تو اس کے جواب میں انہوں نے کفر کیا، نہ صرف انہوں نے کیا بلکہ اپنی قوم کو بھی روکا، خود بھی ہلاک ہوئے اور قوم کو بھی ہلاکت میں ڈالا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت انہیں لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ باطل کا یہی طریقہ ہوتا ہے کہ وہ خود تو بگڑے ہوئے ہوتے ہی ہیں دوسروں کو بھی بگاڑتے ہیں۔ دوسروں کو موقع نہیں دیتے۔

اہل حق کو مخالفت سے گھبرانا نہیں چاہئے:

مخالفین کے دو گروپ تھے، ایک مشرکین مکہ اور دوسرا منافقینِ مدینہ، ان دونوں کا یہی کام تھا کہ نہ خود کریں اور نہ دوسروں کو کرنے دیں، نہ خود قبول کریں اور نہ دوسروں کو قبول کرنے دیں۔ مکہ میں مشرکین تھے اور مدینہ میں منافقین تھے۔ صرف انصارِ مدینہ ایسے تھے کہ جنہوں نے حضور ﷺ کا ساتھ دیا۔ باقی سب مخالفت پر تھے۔ اس لئے فرمایا کہ اہل حق کو مخالفت سے گھبرانا نہیں چاہئے، مخالفت تو ہوگی۔ اوپر سے یہی منظور ہے۔ شروع ہی سے ہے کہ آدم علیہ السلام کو خلافت دے کر اتارا اور دوسری طرف شیطان کو لعنت ڈال کر اتارا، یہ دو اکھاڑے ہو گئے۔ ابلیس بھی محنت کرے اور آدم بھی کریں گے۔ آدم نبی کی حیثیت سے اور شیطان لعین ہونے کی حیثیت سے۔ پہلے سے یہ بات طے ہے۔ شیطان نے اللہ کے سامنے یہی بات کہی تھی کہ میں ایسی کوشش کروں گا کہ تیرے بندوں میں شکر گذار تھوڑے ہوں گے، نہ تیری قدر ہوگی اور نہ تیری نعمتوں کی قدر ہوگی، نعمت کے جواب میں ناشکرے بنیں گے اور تجھ کو ناراض کریں گے۔ یہ مخالفت قیامت تک چلے گی؟

شیطان کی دعوت ایک دھوکہ ہے:

قیامت جب قائم ہوگی تو شیطان اپنی جماعت کے ساتھ جہنم میں جائے گا، جب جہنم میں پہونچے گا تو لوگ اسے پوچھیں گے کہ تو ہم کو یہاں لایا، وہ کہے گا میں نے یہ نہیں کیا ہے۔ اللہ نے تم کو دعوت دی تھی جو حق تھی، وہ تم نے قبول نہیں کی، میں

نے جو دعوت دی تھی وہ تو دھوکہ تھی، وہ تم نے قبول کی۔ اس لئے میری دعوت کے خلاف ہوا۔اس لئے میرا قصور مت نکالو۔اپنا قصور سمجھو۔

اس لئے اللہ نے فرمایا کہ شیطان اپنی دعوت چلاتا ہے،اپنی بات منواتا ہے تاکہ لوگ جہنم میں جائیں،﴿اِنَّمَا یَدْعُوْحِزْبَهٗ لِاَصْحَابِ السَّعِیْرِ﴾" یہ اپنی پارٹی بناوے گا تاکہ لوگ جہنم میں جاویں، یہ دو محاذ ہیں دنیا میں، باطل کا محاذ اسباب کی بنیاد پر ہوتا ہے،حکومتیں، دولتیں،تعداد کی کثرت، یہ ان ہی کے ساتھ ہوتی ہیں،اس سے وہ دھوکہ کھاتے ہیں۔

اسباب پر دین حق کا دارومدار نہیں ہے:

ہمارے یہاں یہ بات نہیں ہے کہ اسباب کی بنیاد پر ہمارا کام ہوگا۔نہیں! ہمارا کام تو اللہ کی مدد سے ہوگا۔ یہ بات پہلے سے ہے۔ہاں! اسباب آئیں گے تو ہم اسباب کو اللہ کی نعمت سمجھ کر استعمال کریں گے۔اور اللہ کے حکم کے مطابق استعمال کریں گے، اس میں اسراف نہیں ہوگا،فضولیات نہیں ہوگی۔اسباب کے استعمال میں منکرات نہیں ہوں گے۔اسباب پر دین کا دارومدار نہیں ہے،تو پھر کس پر دارومدار ہے؟ کام کرنے والوں کے اخلاص پر اس کا دارومدار ہے۔ یہ دیکھا جائے گا کہ ان میں کتنا اخلاص ہے، یہ اپنی محنت سے اپنی آخرت بنا رہے یا نہیں؟ جتنی آخرت بنے گی اتنی مدد ہوگی۔

ہر حال میں دین کا کام کرنا ہے:

اس لئے صحابہ فرماتے تھے کہ "اِنَّمَا هِمَمُنَا الآخِرَة" ہمارے عزائم تو آخرت کے ہیں۔ ہمیں تو اپنی آخرت بنانی ہے بس، یہ ہمارے لئے سبق ہے۔ ہم تو موت کے بعد کی زندگی بنانا چاہتے ہیں اور اس کے لئے اسباب ہمارے اعمال ہیں، ہمارا اخلاص ہے۔ ہماری محنت ہے۔ اگر اللہ مالدار بنائے گا تو بھی اور غریب بنائے تو بھی یہی دین کا کام کریں گے۔ صحابہ فرماتے تھے کہ "بَايَعْنَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَلىٰ السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ" ہم نے حضور ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر یہ قول و قرار کیا ہے کہ آپ کی سنیں گے اور آپ کی مانیں گے۔ کس حال میں؟ ہر حال میں کہ اللہ مالدار بنائیں گے تو اپنے مال کو دین پر لگائیں گے، اور واقعۃً صحابہؓ نے اپنی بڑی بڑی مالیات دین پر لگائی۔ ایک صحابی نے حضور ﷺ کی فرمائش پر چھ سو من کھجوریں لا کر مسجد میں رکھ دی۔

حضرت عثمانؓ کا دین کے لئے مال لگانا:

حضرت عثمانؓ نے دس ہزار آدمیوں کا خرچہ اپنے ذمہ برداشت کیا، تبوک میں تیس ہزار آدمی گئے تھے۔ اس میں ایک تہائی کا خرچ حضرت عثمانؓ نے اپنے ذمہ لیا تھا۔ صرف کھانا پینا نہیں بلکہ پورا خرچ یہاں تک کہ انہوں نے یہ کہا کہ ان کا کوئی سامان پھٹ جائے تو سووا اور سوتلی بھی میری۔ دس ہزار آدمی کے آنے جانے کا پورا خرچ؟ سوچو کتنے مالدار ہوں گے۔ روایتوں میں ہے کہ سینکڑوں اونٹ دیئے،

سینکڑوں گھوڑے دیئے ہیں، مال ہے تو مال دیکر اللہ کوخوش کریں گے یہ صحابہ ؓ نے بیعت کی تھی۔

صحابہؓ کا خلوص:

اسی طرح اگر اللہ غریب بنائے تو اپنی غربت کا عذر نہیں بنائیں گے، بلکہ پیدل چلیں گے، غربت کے ساتھ کام کریں گے، کیوں کہ عہد کیا تھا کہ نبی کی مدد کریں گے، دین کی مدد کریں گے، جی چاہا تو بھی اور جی نہ چاہے تو بھی۔کوئی ہم کو پوچھے تو بھی کام کریں گے اور نہ پوچھے تو بھی کام کریں گے، ایسا نہیں کہ ناراض ہو کر کٹ جائیں کہ ہم کو پوچھا نہیں، ہم سے مشورہ نہیں لیا، نہیں! کوئی پوچھے تو بھی نہ پوچھے تو بھی، یہ ساری چیزیں خلوص کی علامت بتائی ہیں۔اللہ اور آخرت کے لیے کرنا ہے۔

بیعت کس کو کہتے ہیں:

اس دین کے لیے صحابہ ؓ نے موت تک کے للیے بیعت کی تھی، بیعت فیصلہ کو کہتے ہیں۔اس کے لئے اگر دوسرے تعلقات رکاوٹ بنیں تو ان تعلقات کو بھی کاٹ دیں گے۔انصار کے لوگوں کے ساتھ بہت تعلقات تھے، یہودیوں کے ساتھ رشتہ داری اور لین دین کے بہت تعلقات تھے، لیکن جب یہود حضور ﷺ کے خلاف ہو گئے، دین کے خلاف ہو گئے، تو انصار نے اپنے سارے تعلقات ان سے کاٹ دیئے کہ تم ہمارے نبی کے مخالف ہو، تو اگر کوئی نبی والے کام میں رکاوٹ ڈالتا ہے تو اس کو سمجھاؤ

اور نہیں سمجھتا ہے تو اس کو چھوڑ دو کہ تو تیرا کام کر، ہم اپنا کام کریں گے۔ یہ انصار کی کارگذاری ہے۔ صرف ایک تعلق باقی رکھا اور وہ ہے اللہ اور اس کے رسول کا تعلق، باقی سارے تعلقات کو کاٹ دیا۔

انصار کا مقام:

اس لئے حضور ﷺ کو انصار سے بہت قرب تھا، بہت دعائیں دیں، ان کے اولاد کو، اولاد کی اولاد کو۔ آخری عمر میں بہت دعائیں دیں کہ یہ تو میرے اصلی لوگ ہیں۔ جب مکہ فتح ہوگیا تو انصار کو یہ شبہ ہوا کہ حضور ﷺ کا وطن مکہ ہے، اب تو وطن والے بھی مسلمان ہوگئے ہیں، اب یہیں مکہ میں رہ جائیں گے، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ نہیں! بالکل نہیں! بلکہ میرا مرنا جینا تو تمہارے ساتھ ہوگا۔ لوگ ایک راستہ پر ہوں گے اور انصار ایک راستہ پر ہوں گے تو میں انصار والے راستہ پر ہوں گا۔ اس کو کہتے ہیں شرف۔ اللہ اور رسول کی نصرت پر انصار کو یہ شرف ملا تھا۔

اللہ تعالیٰ بڑا حکیم ہے، کمزوروں پر حالات نہیں لاتا:

اس محنت میں ہمارے لیے ایک سبق ہے کہ ہم اپنی نیت کو خالص بنائیں کہ اللہ کے دین کی نصرت کرنی ہے، اللہ کے دین کی مدد کرنی ہے۔ ہر حال میں کرنی ہے۔ یہ بات یاد رکھو کہ ہم پر وہ حالات نہیں آئیں گے جو صحابہ پر آئے ہیں۔ بھوکے ہیں، پیٹ پر پتھر بندھے ہوئے ہیں کہ یہ ہمارے ساتھ نہیں ہوگا۔ کیوں کہ ہمارے اندر طاقت ہی

نہیں ہے۔ جیسے انسان کے بدن میں طاقت نہیں ہوتی ہے تو ڈاکٹر آپریشن نہیں کرتا، کہ ابھی بدن میں طاقت نہیں ہے، بدن کاٹ کوٹ کا متحمل نہیں ہے، تو اللہ تعالیٰ بھی بڑا حکیم ہے۔اس لئے یادرکھو! شیطان حالات سے ڈراتا ہے، لیکن وہ حالات آنے والے نہیں۔

فضائل صدقات اصل میں تزکیہ کی کتاب ہے:

حضور ﷺ نے فرمایا کہ دنیا تم پر پھیل جائے گی، اور دنیا تم کو روکے گی بھی، حضرت شیخ ؒ نے جو کتاب لکھی ہے فضائل صدقات، وہ اصل میں تزکیہ کی کتاب ہے۔اس میں تزکیہ کے بہت سامان ہیں کام کرنے والوں کے لیے، اس لئے اس کو پڑھیں، دنیا کے بارے میں، دنیا کے اسباب کے بارے میں، آخرت کے بارے میں، آخرت کی کامیابی کے بارے میں، سب کچھ ہے، اس کو پڑھیں۔نفس کی صفائی ہوگی، دلوں میں سے دنیا کی محبت نکلے گی، اسی کو تو تزکیہ کہتے ہیں۔حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ دنیا دل میں نہیں آنی چاہئے، ہاتھ میں بھلے رہے۔دلوں میں بھی نہ ہو اور ہاتھوں میں بھی نہ ہو تو پھر تو دنیا ضائع ہو جائے گی، اور دنیا ضائع کرنا، حدیث میں اس کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔اس لئے دنیا دل میں نہیں اترنی چاہئے کہ پھر عبادت میں مزہ نہیں آئے گا۔یہ بھی حضرت شیخ ؒ نے فضائل صدقات میں لکھا کہ دنیا جب دل میں آجائے گی تو عبادت میں لذت نہیں آئے گی۔عبادت میں لذت نہ آنے کی سب سے بڑی وجہ دنیا کی محبت ہے۔

روزانہ موت کو یاد کرو:

دنیا کے مقابلے میں آخرت کی طرف مخصوص رغبت پیدا ہواس لئے یہ کتاب لکھوائی گئی تھی، واجبات میں بھی، مستحبات میں بھی، ایثار میں بھی، تمام چیزوں میں آخرت کی رغبت ہو۔اور بیماری میں غربت میں صبر سے کام لیں، حضرت شیخ رحمۃ اللہ جماعتوں سے بھی یہ کہتے تھے کہ روزانہ موت کو یاد کرو۔نظام الدین جب آتے تھے اور جب جماعتیں جاتی تھیں تو ان کو فرماتے تھے کہ روزانہ موت کو یاد کرو کہ اس سے دنیا کی بے رغبتی پیدا ہوگی، اور یہی اصل ہے کہ دین بنانے کے لیے آخرت کی رغبت پیدا ہواور آخرت کے کاموں میں کوئی تکلیف آوے تو اس پر صبر کریں، صبر کا بدلہ بے حساب دیا جائے گا، یہ ساری باتیں فضائل صدقات میں ہیں۔

ہمارے کام میں کوئی شو نہیں اور شور بھی نہیں:

ہماری دعوت یہ کوئی نری تحریک نہیں ہے، بلکہ یہ تو ایک بہت بڑی عبادت ہے، بہت بڑی نصرت ہے۔بنیادی عمل ہے، اور بنیادی عمل میں شو نہیں ہوتا۔کیوں کہ شو تو اوپر سے ہوتا ہے۔بنیادی بات میں کیا شو؟ مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا یہی نظریہ تھا کہ ہم بنیادی کام کررہے ہیں کہ ایک ایک مسلمان صحیح عقائد پر آوے کہ اللہ ایک ہے وہ ہی عبادت کے لائق ہے، محمد ﷺ اس کے رسول ہیں اور سچے رسول ہیں، یہ سب تو بنیاد ہے، بنیاد ہی سے اٹھایا ہے، اور بنیاد میں کوئی شو نہیں ہے، اور کوئی شور بھی نہیں، کوئی نعرہ نہیں، کچھ نہیں، یہ خشک ہے، ایسا خشک کہ اپنی بنیاد پر کھڑا ہے، اس لئے اس کو

اسی بنیاد پر رکھ کر کے اٹھانا ہے کہ اس کی سادگی ختم نہ ہو اور اس کا استمرار باقی رہے، اور یہ محنت ہر وقت ہر جگہ جاری رہے، بلکہ اس کی راہیں سوچیں، یہ پانی کہاں کہاں پہنچا سکتے ہیں۔ اس سے کس کس کو فائدہ ہو سکتا ہے۔ دلوں کی زمین جو خشک پڑی ہے اگر نصرت کریں گے تو پتہ نہیں کہاں کہاں پانی پہونچے گا۔

نینوا کے امام صاحب کی دینی نصرت:

میں نینوا گیا تھا، عراق میں یہ شہر ہے، حضرت یونس علیہ السلام کی بستی ہے، چار ماہ کی جماعت تھی، ایک مسجد میں گئے تو انہوں نے وہاں ٹھہرنے سے منع کر دیا۔ میں نے ظہر بعد ان سے بات کی، امام صاحب وہاں بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے فوراً کہا کہ ہاں ہاں! میں نے پہچان لیا، یہ تو تبلیغی جماعت ہے۔ ان سے پوچھا کہ آپ نے کیسے پہچانا؟ کہنے لگے کہ مکہ میں دیکھا تھا۔ اصل میں پہلے مکہ میں یہ کام کھلا تھا، تو وہاں جماعتیں جاتی تھیں، میں چار، چھ ماہ مکہ میں بھی رہا۔ عصر کی نماز کے بعد حاجیوں کی تشکیل کر کے شہر کے محلوں میں لے جاتے تھے، عصر وہاں جلدی ہوتی ہے، چنانچہ ہم عصر سے مغرب اور عشاء وہاں گشت کرتے اور بات کر کے واپس آجاتے، تو حرم میں بیٹھ کر کے ان کو دعوت دیتے تھے۔ تو اس امام صاحب نے مکہ میں دیکھا تھا، اس طرح امام صاحب مانوس ہو گئے اور گشت کرایا۔ تو ہمارا کام تو ایسا ہے کہ اگر کسی نے دیکھ بھی لیا، سن بھی لیا تھا وہ دین کا مددگار بن جائے گا۔ ہمیں یہی کام کرنا ہے کہ اپنے دین پر قائم رہو اور دین کے مددگار بنو۔

شریعت سنت کی پابندی کو استقامت کہتے ہیں:

دین پر قائم رہنے کو استقامت کہتے ہیں، استقامت یعنی سنت وشریعت کا پابند ہونا اور ہماری یہ محنت کا مقصد ہی یہ ہے کہ ہمارے اندر شریعت وسنت پر چلنے کی طاقت پیدا ہو۔اور اس محنت سے یہ بات ضرور پیدا ہوگی ، ماشاءاللہ یہ ہو بھی رہا ہے، لوگ شریعت وسنت پر اپنی زندگی لارہے ہیں،غلط زندگیوں کو چھوڑ کر صحیح زندگی پر آرہے ہیں، اور اگر کوئی زیادہ سمجھدار ہوتا ہے تو علماء سے پوچھ پوچھ کر عمل کرتا ہے۔علماء سے مسائل پوچھنے چاہئے ، مسئلہ معلوم نہیں ہوگا تو گناہ میں پھنسے گا۔مسائل پوچھنے سے عمل کی غلطیاں دور ہوجائیں گی ،اور عمل صحیح ہوجائے گا اور پھر اس کے اثرات دیکھائی دیں گے۔ اللہ نے جو وعدے فرمائے ہیں وہ پورے ہوں گے۔

پانچ کام تو صرف مشق کرنے کے لئے ہیں:

ہمارے کام میں سادگی اور استمرار ہے۔یعنی سادگی کے ساتھ ہماری زندگی کو شریعت وسنت پر لانا ہے،جتنی شریعت وسنت ہماری زندگی میں ہوگی اتنی دعوت میں اثر ہوگا۔اور اگر اس سے جہالت ہے تو اس کا بھی دعوت پر اثر پڑے گا۔ یہ صرف پانچ کام کی دعوت نہیں ہے، بلکہ یہ تو اس شریعت وسنت کی دعوت ہے جس کو حضور ﷺ لے کر آئے ہیں کہ وہ ہماری زندگی میں آوے۔ پانچ کام تو صرف مشق کرنے کے لئے ہیں، جیسے بہت سی چیزیں ہم بچوں سے مشق کراتے ہیں، وہ اصل نہیں ہے، اصل تو

آگے جانے کے لئے ہے۔ بہت سے نئے نئے ساتھی ہوتے ہیں، نظام الدین جا کر آتے ہیں، ان سے پوچھا جاتا ہے کہ گھر جا کر کیا کرو گے؟ تو وہ کہتے ہیں کہ پانچ کام کریں گے۔ تو کیا جنازہ میں نہیں جاؤ گے؟ کیوں کہ یہ تو پانچ کام میں ہے نہیں۔ میرے بھائیو! پانچ کام تو مشقی ہیں۔ بنیادی نہیں ہے۔ بنیاد کلمہ ہے کہ کلمہ والا یقین، کلمہ والا عمل اور کلمہ والی زندگی بنیں۔ باقی مشق کرنے کے لئے مختلف چیزیں ہوتی ہیں، جیسے ورزش کرنے کے لئے بہت ساری چیزیں ہوتی ہیں۔

پانچ کام تو عمل کا مزاج بنانے کے لیے ہے، پھر کونسا عمل مطلوب ہے؟ کہ وہ عمل مطلوب ہے جو شریعت وسنت کے مطابق ہو، یہ ہمارا نشانہ ہے۔

اخلاص اور اللہ کی مدد یہ اس کام کی بنیادیں ہیں:

مولانا الیاس صاحبؒ کی دعوت سے یہ غرض تھی کہ ''جَمِیْعُ مَاجَاءَ بِهِ النَّبِیُّ'' یعنی حضور ﷺ جن چیزوں کو لے کر آئے ہیں وہ ہمارا مقصد بن جائے۔ اس کی بنیاد اخلاص پر رکھی گئی ہے۔ اخلاص اور اللہ کی مدد یہ اس کام کی بنیادیں ہیں۔ اسباب کم ہیں، تعداد تھوڑی ہے، سامان تھوڑا ہے، لیکن اخلاص ہے تو مدد آئے گی، جیسے بدر میں اللہ کی مدد آئی۔ بدر کی لڑائی میں صحابہ کی تعداد کم تھی، اسباب تھوڑے تھے، سامان بھی کم تھا، لیکن دلوں میں اخلاص تھا کہ اللہ کے دین کا کام کرنا ہے، جیسا آپ فرمائیں گے ایسا ہم کریں گے۔ اپنے آپ کو حوالے کر دیا تو اللہ کی مدد آئی۔ پھر اللہ نے حق اور باطل

کو الگ کر دیا اور مدد فرمائی۔ الغرض ہماری بنیاد تو اخلاص ہے۔ اللہ کے لیے کرنا ہے، اپنی کمی اور کوتاہی کا اقرار کرنا ہے، اپنے گناہوں سے روزانہ استغفار اور توبہ کرنی ہے، ہمارا کام تو دعاؤں اور محنتوں کا اہتمام کرنا ہے، اور یہ کب تک کرنا ہے؟ جب تک اللہ ہم کو زندہ رکھے اور جب تک اللہ طاقت دے ہمیں یہ کام کرنا ہے۔

کمزوروں کے ساتھ اللہ کی مدد ہوتی ہے:

کمزروں کے ساتھ اللہ کی مدد زیادہ ہوتی ہے، بچہ بہت کمزور ہوتا ہے، جتنا کمزور ہوتا ہے اتنا زیادہ خیال رکھا جاتا ہے، پھر جوں جوں اس میں طاقت آتی ہے وہ خود ہی ماں باپ سے ہٹتا جاتا ہے، اب اس کو ضرورت نہیں ہے، بلکہ یہ ہوتا ہے کہ باپ بیٹھا ہوا ہے تو بیٹا کہتا ہے کہ ابھی مت کہو، ابا بیٹھے ہوئے ہیں، وہ اپنا کام الگ سے کرتا ہے، کیوں کہ یہ طاقت والا ہو گیا ہے۔ یہی دستور اللہ تعالیٰ کا ہے کہ جتنی ہمارے اندر کمزوری ہوگی اللہ اتنی ہی ہماری مدد کرے گا۔ حدیث میں ہے کہ تمہاری مدد تمہارے کمزوروں کی وجہ سے ہے کہ گھر میں بوڑھے ماں باپ ہیں، بیٹے کو روزی ملتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں پالتا ہوں، حالانکہ ماں باپ کی وجہ سے اس کو روزی ملتی ہے۔ وہ کمانے نہیں جاتے، کمزور ہیں، اس لئے اللہ نے ان کے بیٹے کو جوب (دھندھا) اور کام دے دیا۔ ایسے ہی اس کام میں ہے کہ ہم تو کام کریں گے، کمزوری آئے گی تو اللہ مدد کریں گے۔

کام میں اعتدال کیسے آتا ہے؟

محنت کا موقع ہوتو محنت کرنی ہے اور دعاؤں کا زمانہ ہوتو دعائیں کرنی ہے، اگر عبادت کا وقت ہے تو عبادت کرنا ہے اور آرام کا تقاضا ہے تو آرام کر لینا ہے۔ اعتدال اسی سے آتا ہے کہ جس وقت جو کام کرنا ہے وہ کرلو کہ آرام کا تقاضا ہے، آرام کا وقت ہے تو آرام کرلو۔ اس کو اعتدال کہتے ہیں تا کہ ہر چیز اپنی جگہ ہوتی رہے۔ اللہ مجھے اور آپ کو توفیق عطا فرمائیں۔

ھدایت والی جماعتیں

بیان نمبر [۷]

صوبہ گجرات کے ذمہ داروں کا جوڑ

مؤرخہ ۳۰ / ربیع الآخر ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۹ / جنوری ۲۰۱۷ء بروز اتوار

بمقام احمد آباد، صوبہ : گجرات

اقتباس

ہدایت والی دو جماعتیں ہیں ایک انبیاء کرام کی جماعت ہے اور دوسری جماعت صحابۂ کرام کی ہے، نبیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ هَدَاهُمُ اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾ پہلے اللہ تعالیٰ نے بہت سے انبیاء کا تذکرہ کیا پھر فرمایا کہ یہ لوگ ہدایت والے تھے اے نبی! آپ بھی ان کے ساتھ جڑیئے، اور دوسری جماعت صحابۂ کرام کی ہے جن کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو بڑے عالم اور فقیہ صحابی تھے فرماتے ہیں کہ یہ وہ جماعت ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نبی ﷺ کا ساتھ دینے کے لئے چنا اور چھانٹا ہے، لہٰذا تم ان کے طریقے، اخلاق اور اعمال اختیار کرو، میں کعبہ کے رب کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ صحابہ بالکل ہدایت اور صراط مستقیم پر ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِىَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لاَ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لاَشَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلاَ نَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَعَلىٰ آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً كَثِيْراً . اَمَّابَعْد

نعمت بھی غفلت پیدا کرتی ہے:

میرے بھائیو ! اللہ کا ایک تقاضا یہ ہے کہ اس کی نعمتوں کا شکر ادا کیا جائے، اور ہمیشہ اس کی نعمتوں کا دھیان اور استحضار کیا جائے، کیونکہ آدمی جب نعمتوں کے استعمال کرنے میں غفلت برتتا ہے تو اس کو اس بات کا احساس نہیں رہتا کہ اس پر اللہ کے کیا کیا احسانات ہیں، پھر وہ نعمتوں میں ایسا پھنس جاتا ہے کہ وہی نعمتیں اس کو غافل کردیتی ہیں۔

حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ نعمتوں سے بھی اس طرح احتیاط کرو جیسے گناہوں سے کرتے ہو، اس لئے کہ جب تک آدمی کے پاس نعمتیں کم ہوتی ہیں تو آسانی سے اللہ کی طرف رجوع کرلیتا ہے، اور جب نعمتوں میں اضافہ ہوجاتا ہے تو اللہ کی طرف رجوع کرنا مشکل ہوجاتا ہے، اسی لئے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا استحضار ہونا چاہئے، اور دل سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہنا چاہئے کہ یہ سب تیرا ہی دیا ہوا ہے،

تو ہی کھلا رہا ہے تو ہی پلا رہا ہے زمین و آسمان کی ساری چابیاں تیرے ہی قبضہ میں ہیں جس کو تو کھول دے اسے کوئی بند نہیں کرسکتا اور جسے تو بند کردے اسے کوئی نہیں کھول سکتا۔

نعمتِ خداوندی کا استحضار ہو:

اس لئے دین کے کام کرنے والوں کو خاص طور سے اللہ کی نعمتوں کا استحضار کرنا چاہئے کہ ہم پر اللہ کا احسان ہے اور اس کی توفیق سے کام کررہے ہیں، توفیق کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسباب کو سازگار اور موافق بنادیتے ہیں تو آدمی کام کرتا رہتا ہے، اور توفیق کا سلب ہونا یہ ہے کہ اسباب موافق نہیں ہوتے جس کی وجہ سے آدمی کام نہیں کرسکتا، اسی لئے ہمیں اللہ سے توفیق مانگنی ہے اور توفیق بھی اہل ہدیٰ کی مانگنی ہے، ﴿اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَسْئَلُكَ تَوْفِیْقَ اَھْلِ الْھُدیٰ﴾ اے اللہ ہدایت والوں کی توفیق دے۔

ہدایت والی دو جماعتیں:

ہدایت والی دو جماعتیں ہیں ایک انبیاء کرام کی جماعت ہے اور دوسری جماعت صحابۂ کرام کی ہے، نبیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿أُولٰـئِكَ الَّـذِیْـنَ هَدَاهُمُ اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِه﴾ پہلے اللہ تعالیٰ نے بہت سے انبیاء کا تذکرہ کیا پھر فرمایا کہ یہ لوگ ہدایت والے تھے اے نبی! آپ بھی ان کے ساتھ جڑئیے، اور دوسری جماعت صحابۂ کرام کی ہے جن کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو بڑے عالم اور فقیہ صحابی تھے فرماتے ہیں کہ یہ وہ جماعت ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نبی ﷺ کا

ساتھ دینے کے لئے چنا اور چھانٹا ہے، لہٰذا تم ان کے طریقے، اخلاق اور اعمال اختیار کرو، میں کعبہ کے رب کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ صحابہ بالکل ہدایت اور صراط مستقیم پر ہیں۔

توفیق تو خدا ہی دیتا ہے:

اس لئے اللہ سے ہدایت والوں کی توفیق مانگنی ہے اور انبیاء کرام بھی اللہ ہی کی توفیق سے چلتے تھے، حضرت شعیب علیہ السلام فرماتے تھے ﴿وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ﴾ مجھے تو اللہ ہی توفیق دے رہا ہے، اس لئے ہم ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا دھیان کریں اور اپنی کسی خوبی پر اعتماد نہ کریں، کسی میں کوئی خوبی نہیں ہے اور تمام کی تمام خوبیاں اللہ ہی کی دی ہوئی ہیں، ﴿وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ﴾ تمہارے پاس جو بھی نعمتیں ہیں وہ اللہ کی دی ہوئی ہیں، لہٰذا جب تک چاہیں گے رکھیں گے اور جب چاہیں گے کھینچ لیں گے، اس لئے جب بھی کوئی نعمت ملے تو اس بات کا دھیان رکھیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے ہمارے بس میں تو کچھ بھی نہیں۔

کفرانِ نعمت محرومی کا باعث ہے:

اللہ کی سب سے بڑی نعمت دین ہے جو ہمیں ملا ہے، اللہ تعالیٰ نے انصار مدینہ کو یہ نعمت جتاتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے ﴿وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾ انصار مدینہ دھیان کرو اللہ کی نعمت کا جو تم کو دے رکھی ہے، ورنہ تو تم آپس میں ایک دوسرے کے

دشمن تھے، اسلام سے پہلے ہر اعتبار سے ذلت کی زندگی گذار رہے تھے، پھر اللہ کی ان پر نظر پڑی، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب قریش نے حضور ﷺ کی اور آپ کے کام کی ناقدری کی تو اللہ تعالیٰ نبی کی نصرت و مدد کے لئے قریش کی جگہ انصار مدینہ کو لے آیا، قریش نے مخالفت کی تو اللہ نے ان کو محروم کر دیا اور کعبہ کی تولیت بھی چھین لی اور ان کا نام ونشان بھی مٹا دیا، حالانکہ یہ لوگ کعبہ کے متولی تھے اور وہی سب کچھ سمجھے جاتے تھے، اور حرم شریف کی تولیت کی وجہ سے بہت عزت کی زندگی گذارتے تھے، لیکن جب حضور ﷺ اور آپ کے کام کی ناقدری کی تو اللہ ان سے بہت ناراض ہوا، اور یہ عادۃ اللہ ہے کہ دین کا کام ملے اور پھر ناقدری ہو تو اللہ تعالیٰ بہت ناراض ہوتا ہے کہ تمہیں دین دیا تھا، تمہیں راستہ بتایا تھا پھر جاگتے ہوئے بھی سو گئے۔

انصارِ مدینہ نے اس نعمت غیر مترقبہ کی قدر کی:

تو جب قریش نے نبی کی ناقدری کی اور آپ کے قتل کے درپے ہوگئے تو اللہ ان سے اتنا ناراض ہوا، اور اللہ نے نبی کو قریش سے نکال کر انصار مدینہ کے پاس پہنچا دیا، حج کے زمانہ میں رات کو انصار مدینہ کی آپ ﷺ سے ملاقات ہوئی، آپ ﷺ نے پوچھا کہ کون ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ مدینہ والے ہیں آپ کون ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ کا نبی ہوں، پھر آپ نے ان کو دعوت دی اور قرآن شریف پڑھ کر ان کو اپنا مقصد سمجھایا تو ان کو بات سمجھ میں آ گئی آپ نے ان کو دعوت

دی اور اپنا ساتھ دینے کو تیار کیا انہوں نے دعوت بھی قبول کی اور ساتھ دینے کو بھی تیار ہو گئے، ان کو اچانک خیر مل گئی، حدیثوں میں ہے کہ اللہ سے اچانک کی خیر مانگو ﴿اَللّٰھُمَّ إِنِّیُ أَسُئَلُكَ مِنُ فُجاءَ ةِ الُخَیرِ وَاَعُوذُبِكَ مِنُ فُجاءَ ةِ الشَّر﴾ اے اللہ! اچانک کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور اچانک کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں، تو انصار کو اچانک کی خیر مل گئی، پھر یہ سلسلہ آگے بڑھا اور وہ دو تین مرتبہ آئے، پھر مصعب بن عمیرؓ نے ایک سال بے کسی، بھوک اور پیاس کی حالت میں مدینہ میں کام کیا، اور جب وہاں اسلام پھیل گیا تو جمعہ قائم کیا، نمازیں پڑھوائیں، قرآن پڑھایا، اور جتنا دین نازل ہوا تھا وہ سکھایا۔

آتش پرست کا بیٹا صحابی رسول بن گیا:

اور اللہ کی سنت ہے کہ جو کام کی ناقدری کرے گا اللہ اس کو محروم کر دے گا، اور جو قدر کرے گا اللہ اسے آگے بڑھائے گا، سلمان فارسی کو مجوسی کے گھر سے لائے، اور عمر دراز کی کہ عیسیٰؑ کا دور ختم ہو کر حضور ﷺ کا زمانہ آ گیا، ماں باپ مجوسی اور آتش پرست ہیں اور ان کو صحابی بنا دیا، توریت کے بھی عالم تھے اور قرآن کے بھی عالم بنے۔

امانت ترقی کا بنیادی زینہ ہے:

یہ تو اللہ کی شان ہے کہ دور والوں کو قریب کرتے ہیں اور قریب والوں کو دور کرتے ہیں، اس لئے اللہ سے ہر کوئی ڈرتا رہے اور خیر مانگتا رہے اور اپنی ذمہ داریوں

کو امانت سمجھ کر ادا کرتا رہے، بلکہ پوری زندگی اور زندگی کے تمام اسباب امانت ہیں، اور ایمان کی دولت اس لئے دی ہے کہ اس میں امانت داری برتے کہ اللہ کی طرف سے زندگی ، اولاد اور مال کی جو نعمت ملی ہے اس میں امانت داری کا پاس و لحاظ کرے، اور اللہ تعالیٰ کا نظام ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کام کو ترقی دینا چاہتے ہیں تو اسے امانت داروں کے سپرد کرتے ہیں چاہے وہ کام دنیا کا ہو یا دین کا ہو، اور جس کام کو اجاڑنا چاہتے ہیں تو وہ بے ایمانوں کے سپرد کردیا جاتا ہے، کسی ملک کو ویران کرنا ہے تو وہ ظالموں کے ہاتھوں میں دیدیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو اپنی امانت اور صدق ووفا دکھایئے:

اس لئے اللہ تعالیٰ کو اپنی امانت داری اور صدق ووفا دکھانی ہے لوگوں کو نہیں، اور اللہ تعالیٰ تو ہر وقت دیکھتا ہے ﴿فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ﴾ اللہ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے اور آگے قیامت کے دن بھی بدلہ دینے کے لئے دیکھے گا کہ کونسا عمل قابل قبول ہے اور کونسا قابل قبول نہیں۔

تقویٰ ہمارا قیمتی سرمایہ ہے:

اور یہی ہمارا سرمایہ ہے کہ ہمارے دلوں میں اللہ کا تقویٰ آئے ہمارے دلوں میں امانت داری آئے، اللہ کا خوف آئے، امت میں سب سے زیادہ خوف حضرت ابوبکرؓ کے دل میں تھا، قرآن جن کو اتقیٰ کہہ رہا ہے ﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى﴾ کہ جہنم سے

وہ بڑا پرہیزگار بچالیا جائے گا، اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے بعد آپ کو خلافت سپرد کی، کیونکہ اللہ اس کام کو آباد کرنا چاہتے تھے، صحابہ کی پوری جماعت تقویٰ والی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى﴾ یہ وہ جماعت ہے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے خاص کردیا ہے، اس لئے وہ احکام کے بھی پابند تھے آداب کے بھی پابند تھے، مجلس میں زور سے بات بھی نہیں کرتے تھے، اس لئے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر اور تقویٰ تھا تو اللہ نے ان سے کام لیا اور آخر تک یہی ترتیب رہے گی کہ جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس سے کام لے گا، اس لئے اللہ سے ڈر مانگا جاوے کہ اے اللہ ہمیں اپنا ڈر اور تقویٰ عطا فرما اور ہم سے کام لے، پھر اس کے کام کے ساتھ اللہ کی تائید اور مدد ہوگی، اور ان کے لئے بشارت ہوگی، حدیث پاک میں وارد ہے ﴿طُوْبىٰ لِعَبْدٍ جَعَلَهُ اللّٰهُ مِفْتَاحًا لِلْخَيْرِ مِغْلَاقًا لِلشَّرِ﴾ خوش نصیب ہے وہ بندہ جس کو اللہ تعالیٰ خیر کا ذریعہ بنائے اور جس کو شر کے مٹنے کا ذریعہ بنائے، مطلب یہ ہے کہ ہر آدمی اپنے آپ کو خیر کا ذریعہ بناوے اور اللہ سے مانگتا بھی رہے کہ اے اللہ مجھے خیر کے پھیلنے کا اور شر کے مٹنے کا ذریعہ بنا، اور ایک روایت میں وارد ہے کہ ملعون ہے وہ آدمی جو سوئے ہوئے فتنہ جگائے ﴿اَلْفِتْنَةُ نَائِمَةٌ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ اَيْقَظَهَا﴾ دونوں باتیں ارشاد فرمائیں کہ اپنے آپ کو خیر کا ذریعہ بھی بنانا ہے اور فتنے کا ذریعہ بننے سے روکنا بھی ہے۔

خوفِ خدااور یقینِ محکم مخلصین کی امتیازی صفت ہے

اللہ تعالیٰ نے امت کو دین کا جو کام سپرد کیا ہے وہ اللہ کی امانت ہے اس کی پاسداری اور حفاظت کرنا ضروری ہے اور اس کی حفاظت کے لئے اللہ کا ڈر ہی ہے اور یہ صفت اخلاص والے میں ہوتی ہے، اخلاص والے میں دو صفتیں ہوتی ہیں ایک تو اللہ کا ڈر ہوتا ہے جتنا مخلص ہوگا اتنا ڈرنے والا ہوگا، اور دوسری صفت یقین ہے کہ اس کو اللہ پر اس کی قدرت، اس کے وعدوں اور اس کی مدد پر یقین ہوتا ہے کہ ہم سے کیا ہوگا؟ کرنے والا تو اللہ ہے، بناؤ بگاڑ صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، حیات اور موت اللہ کے قبضہ میں ہے، تو اخلاص والے میں اللہ کا یقین بھی ہوتا ہے اور اس کا ڈر بھی ہوتا ہے، اور یقین اس کو اللہ کی طرف چلاتا ہے، اور یہ تو قاعدہ ہے کہ آدمی کو جس چیز کا یقین ہوتا ہے اس کی طرف بڑھتا ہے، اور اللہ کا ڈر اس کو اللہ کی نافرمانی سے بچاتا ہے۔

کشادگی کی امید بہترین عبادت ہے:

اس لئے ایمان خوف ورجاء کے درمیان ہے، ایمان والے کو امید بھی ہوتی ہے کہ اللہ مدد کرنے والا، معاف کرنے والا، آسانی پیدا کرنے والا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ سے اچھے حالات کی امید ہوتی ہے اور اللہ سے امید رکھنا اللہ کو بہت پسند ہے ﴿أَفْضَلُ الْعِبَادَةِ إِنْتِظَارُ الْفَرَجِ﴾ کہ اللہ سے آسانی کی امید کرے کہ ابھی تکلیف اور تنگی ہے انشاء اللہ کوئی نہ کوئی آسانی اور کشادگی پیدا کرے گا اور اس کے انتظار میں رہے یہ بہترین عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے امیدواروں کو ناامید نہیں کرتا۔

ہر تنگی کے بعد آسانی ہوتی ہے:

لیکن ہاں جھوٹی امید نہ رکھے بلکہ صحیح امید رکھے کہ اللہ سے امید رکھے تو اللہ کو راضی بھی رکھے، اپنی کوتاہیوں، گناہوں اور سستی سے اللہ کو ناراض نہ کرے بلکہ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کر کے اللہ کو راضی کرتے ہوئے اللہ سے امیدوار رہے، اگر ناگوار حالات پیش آجائیں تو بھی نہ گھبرائے کیونکہ دشواری کے بعد آسانی پیدا کرنا اللہ کی سنت ہے، رات ہے تو دن بھی ہوگا، دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں ﴿فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا﴾ گھبراؤ نہیں کہ دشواری کے پیچھے آسانی بھی آرہی ہے۔

بعثت نبوی ﷺ کا آغاز مشکلات بھرا:

اللہ کے نبی ﷺ پر بہت دشواریاں اور پریشانیاں آئیں تو یہ آیتیں نازل ہوئیں، آپ پر بہت حالات تھے حد ہوگئی لوگ آپ پر پتھر اور ڈھیلے پھینکتے تھے، پھر ایسا بھی دور آیا کہ ایک وفادار بیوی تھی اس کا بھی انتقال ہوگیا اور چار لڑکیاں چھوڑیں لڑکا نہیں ہے، جس کے گھر میں لڑکیاں ہی لڑکیاں ہوں اور بیوی کا انتقال ہوجائے یہ بہت بڑا مرحلہ ہے، ہمارے دیہات والے کہتے ہیں کہ لڑکی کا ٹھکانہ گھر یا گور، یہ باہر نہیں جمتی ہے لڑکا تو باہر بھی جم جاتا ہے، لیکن لڑکی کہاں جائے گی یا تو گھر میں رہے گی یا گور میں رہے گی، تو ایسی بیوی جو بہت ہی زیادہ وفادار اور بہت زیادہ مددگار تھی جس نے اللہ کے نبی ﷺ کا بہت بوجھ ہلکا کیا، حضور ﷺ حضرت عائشہؓ کے سامنے حضرت

خدیجہؓ کے حالات بیان کرتے تھے، تو حضرت عائشہ کہتی کہ یا رسول اللہ! وہ قریش کی ایک بوڑھی عورت تھی اب اس کا انتقال ہوگیا ہے تو اللہ کے نبی ﷺ فرماتے کہ نہیں عائشہ ﴿إِنَّهَا كَانَتْ كَيْتَ وَ كَيْتَ﴾ وہ ایسی تھی اور ایسی تھی، ان کا بھی انتقال ہوگیا یہ اللہ کی طرف سے حالات ہیں، وہ لوگوں کی طرف سے حالات تھے کہ مار رہے ہیں، تھوک رہے ہیں، ایک چچا تھے مددگار وہ بھی انتقال کر گئے اب کوئی دفاع کرنے والا نہیں رہا، ایمان تو نہیں لائے مگر بہت مدد کرتے تھے، وہ ڈھال بنے ہوئے تھے، آپ کی وفات کے بعد حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ آپ کی جدائی کا مجھ پر بہت اثر ہوا تھا کیونکہ وہ ڈھال بنے ہوئے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ گھبراؤ نہیں کہ دشواری کے پیچھے آسانی بھی آ رہی ہے۔

پھر آسانیاں پیدا ہوتی ہیں:

پھر آسانیاں شروع ہوگئیں کہ جو لوگ پہلے تھوکتے تھے اب ان کا یہ حال ہے کہ اگر اللہ کے نبی ﷺ تھوکتے ہیں تو آپ کا تھوک اپنے ہاتھوں میں لے لیتے ہیں اور اپنے چہرے پر ملتے ہیں، حالات بدل گئے، اب دین کا اور دین کے کام کا استقبال ہو رہا ہے، لوگ خود بخود دین میں داخل ہونے کے لئے آ رہے ہیں اور مسجد نبوی ﷺ میں ان کو ٹھہرایا جا رہا ہے، اور ''سنۃ الوفود'' اور ''استوانۃ الوفود'' اس کی یادگار ہیں، مسجد نبوی ﷺ میں ایک ستون ہے اس پر لکھا ہوا ہے ''استوانۃ الوفود'' یہ نشانی ہے کہ آنے والے مجمع اور وفود کو یہاں ٹھہرایا جاتا تھا۔

تنگی اور دشواری اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے:

کوئی دشواری آئی یا ذاتی یا دینی حالات آئے تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہیں پھر اگر دشوار آئی ہے تو آسانی بھی آئے گی دشواری پیدا کرنے میں اللہ کی کوئی حکمت ہے اور آسانی کرنے میں اللہ کا فضل ہے، اللہ تعالیٰ کبھی حکمت اور قدرت سے کام کرتے ہیں تو کبھی فضل کرتے ہیں، اس میں اللہ کی کیا کیا حکمتیں ہیں ہم نہیں جانتے۔

حکمت بھی مخفی ہوتی ہے اسی طرح قدرت بھی مخفی ہوتی ہے، بندوں کو آزمایا، بیماری اور تنگی میں مبتلاء کیا تو یہ حکمت کا تقاضا ہے کہ ایسا کرنا ضروری ہے، جیسے بدن کے علاج کے لئے کڑوی دوا یہ حکمت کا تقاضا ہے، ایسے ہی تربیت میں بھی اللہ تعالیٰ ناگوار حالات پیدا کرتے ہیں اس لئے کہ یہ حکمت کا تقاضا ہے، پھر آسانی پیدا کردی جاتی ہے۔

عارف باللہ حالات سے خوفزدہ نہیں ہوتا:

اسی لئے جو لوگ اللہ کو پہچانتے ہیں وہ گھبراتے نہیں ہیں اس لئے کہ وہ حضرات جانتے ہیں کہ اس میں اللہ کی کوئی حکمت ہے، اللہ کسی پر ظلم تو کرتا نہیں ہے اس لئے اللہ کی قدرت پر بھی ایمان لانا ہے اور اللہ کے فیصلوں پر بھی ایمان لانا ہے۔

خدا گر بحکمت بِبَنْدَد درے ☆ کُشاید بفضلش دَرِ دیگرے

اگر خدا نے کسی حکمت سے کوئی دروازہ بند کیا ہے تو گھبراؤ مت، اس کے فضل سے دوسرا دروازہ کھلنے والا ہے۔

اللہ کی شان نرالی ہے:

یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے اور اللہ اپنی شانوں کو ظاہر کرتے ہیں، کسی کو مالدار بنا کر پالیں گے تو کسی کو غریب بنا کر، کسی کو فقیر اور بھکاری بنا کر پالیں گے تو کسی کو پاگل بنا کر پالیں گے یہ شُئُونِ ربانیہ کہلاتی ہیں حکومتوں کی طرح نہیں کہ حکومت صرف مال دے سکتی ہے اور بس، روزانہ اخباروں میں آتا ہے کہ اتنا اتنا منظور کیا ہے، کیونکہ ان کے پاس دوسرا کچھ ہے ہی نہیں، یہ بھی مال کے محتاج وہ بھی مال کے محتاج، لیکن اللہ ایسا نہیں ہے، وہ تو اپنی شان سے پالتے ہیں، رب ہونا اللہ کی شان ہے، سمندر کی مخلوق کو اور جنگل کے بڑے بڑے جانوروں کو کھانا کون دیتا ہے؟ اور کون پالتا ہے؟ ان کے بچے بھی ہوتے ہیں۔

کوئی امیر تو کوئی فقیر:

نظام الدین میں قریش مسجد ہے وہاں میں نماز پڑھنے جاتا تھا وہاں سونے کی ایک دکان تھی جہاں لوگ سونا خریدتے تھے اور جب رات کو وہ بند ہوجاتی تو ایک فقیر بالکل بدحال اس کے دروازے پر آ کر سوجاتا تھا یہ اللہ کی شان ہے ایک کو سونا دے کر پالتا ہے اور دوسرے کو بدحال کر کے پالتا ہے، اللہ کو پہچاننے والے اس کی شان سے

پہچانتے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ اس کا کوٹا ختم ہوگیا بلکہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ انسان کسی بھی حال میں ہو ہم اسے اپنی شان سے پال سکتے ہیں تا کہ دنیا دیکھے اور اللہ کو پہچانے جب ہم چھوٹے تھے اس وقت کتابوں میں پڑھتے تھے کہ ایک کو تو سونے کی تھیلی کی تھیلی دیدی ہے اور دوسرا اس حال میں رات گذارتا ہے کہ بچوں نے ابھی تو روٹی کھالی ہے صبح میں کیا کھائیں گے،تو حالات میں مبتلاء کر کے بھی پالتے ہیں اور حالات درست کر کے بھی پالتے ہیں کسی بھی حال میں گھبرانا نہیں چاہئے اس لئے کہ ہمارا کام بنانے والا تو ایک اللہ ہے، جو ہم کو پیدا کرنے والا ہے،موت دینے والا ہے، اور حیات وموت کے بیچ میں بھی جتنے حالات ہیں وہ بھی اللہ کے ہاتھ میں ہیں جب چاہیں گے کام بنادیں گے۔

کمزور خدائی مدد کا مستحق ہے:

اس لئے اللہ سے امیدوار رہنا ہے ﴿أَبْشِرُوْا وَ أَمِّلُوْا﴾ اللہ تعالیٰ کی بشارتیں سنو اور اس سے امیدوار رہو، اللہ ایسے حالات لائے گا کہ تمہیں خوش کر دے گا، اور یہ اس لئے سمجھایا کہ کوئی اللہ سے کٹے نہیں، اور اللہ سے کٹ کر کہاں جائے گا؟ اس لئے کوئی اللہ سے نہ کٹے اور نہ اللہ کے کام سے، بلکہ اپنے آپ کو اللہ کے کام کا، اس کی نعمتوں اور مددوں کا محتاج بنائے، جتنا احتیاج اتنی مدد اور جتنی کمزوری اتنی تائید، اس لئے اللہ کو اپنی کمزوری دکھاؤ کہ اے اللہ ہم کمزور ہیں، اللہ کی مدد تو کمزوروں کے ساتھ ہے۔

بچہ جتنا کمزور ہوتا ہے اس کی دیکھ بھال اتنی زیادہ ہوتی ہے، کیونکہ وہ کمزور ہے پھر جوں جوں بڑا ہوتا ہے اور اس میں طاقت آنے لگتی ہے تو اس کی دیکھ بھال بھی کم ہوجاتی ہے، حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے کہ تمہارے کمزوروں کی وجہ سے تمہاری مدد ہوگی، اس لئے کہ اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے پھر یہ کیسے ہوگا کہ اللہ ہمیں کمزور دیکھے اور ہماری مدد نہ کرے ہم جب کسی آدمی کو کمزور دیکھتے ہیں تو اس کی مدد کرنے کو جی چاہتا ہے کہ یہ بیچارہ پیاسا ہے اپاہج ہے اور اللہ تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

سچوں کے ساتھ خدائی مدد ہوتی ہے:

سچوں کے ساتھ اللہ کی مدد ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سچوں کے ساتھ رہو ﴿كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ اور سچے کہتے ہیں ظاہری اور باطنی اعتبار سے وفاداری کرنے والوں کو، صحابہ کو اللہ نے سچا قرار دیا کہ یہ سچے ہیں، مہاجرین اور مجاہدین کو بھی سچا کہا کہ جو ایمان کے ساتھ جان مال کی قربانی دے، اور پھر ساری امت سے فرمایا ﴿كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ سچوں کے ساتھ رہو، صحابہ کے نقشِ قدم پر چلو، ان کے ساتھ اللہ کی مدد ہوئی تھی اور ان کے لئے مغفرت اور مدد و نصرت کے وعدے ہوئے تھے اس لئے ان کے ساتھ رہو۔

بندہ ہر وقت خدائی مدد کا محتاج ہے:

اس لئے اپنے آپ کو سچا، وفادار اور امانت دار بناؤ اور اس کے ساتھ ساتھ

سچوں، وفاداروں اور امانت داروں کے ساتھ رہو، دل میں کوئی غرض یا کوئی ہوس وغیرہ نہ آئے، اللہ تعالیٰ دلوں پر نظر کرتے ہیں کہ اس کے دل میں کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کو اپنی سچائی، وفاداری اور کمزوری دکھانی ہے کہ اے اللہ ہم کمزور ہیں، کمزوری دکھا دکھا کر اللہ سے مدد مانگو، اللہ کو اپنی طاقت مت دکھاؤ، حنین کے میدان میں صحابہ نے کہا کہ اب کیا پرواہ ہے ہمارے پاس بہت بڑا عملہ ہے تو اللہ نے مدد کھینچ لی تو بارہ ہزار بکھر گئے اور حضور ﷺ کے ساتھ صرف چند لوگ رہ گئے اور یہ بتایا کہ تمہاری طاقت سے کچھ نہیں ہوتا ہے بلکہ ہماری مدد سے ہوتا ہے، تو اپنے آپ کو اللہ کی مدد کا اہل اور لائق بنانا چاہئے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو اللہ کے سامنے کمزور بتائیں کہ ہم تیری مدد کے ہر وقت محتاج ہیں۔

ہمارا مقصد آخرت ہو:

اور ہمیں اپنی ذمہ داری پوری کرنی چاہئے، چاہے دنیا کچھ بھی کہے یا چاہے کچھ بھی ہو جائے ہم اپنی ذمہ داری ادا کرتے رہیں، اللہ کو اخلاص دکھائیں اور اللہ کے بندوں سے ہمدردی کریں، جو اللہ اور آخرت کے لئے کرے گا وہ تو اس وقت تک چلتا رہے گا جب تک آخرت میں نہیں پہنچ جاتا اس لئے کہ اس کے سامنے آخرت ہے تو دین کا کام کرنے والوں کے سامنے بھی آخرت ہونی چاہئے کہ اس طرز و طریقے سے آخرت سنوارنی ہے اور بس ﴿إِنَّمَا هِمَمُنَا الْآخِرَة﴾ صحابہ فرماتے تھے کہ ہمارے عزائم اور ارادے آخرت بنانے کے ہیں، اپنی دنیا سے آخرت بنانے والا عقلمند ہے

اور دنیا سے دنیا بنانے والا نادان ہے، اس لئے اپنے آپ کو نادانی میں نہ ڈالیں اپنی صلاحیتوں سے اپنی آخرت بنائیں۔

دنیا ہماری بڑی فکر نہ ہو:

اللہ تعالیٰ آخرت فراخ دلی سے دیتے ہیں اور دنیا تھوڑی دیتے ہیں، ایک سبحان اللہ کا ثواب احد پہاڑ سے بھی بڑھ کر ہے، مولانا الیاس صاحب فرماتے تھے کہ ایک سبحان اللہ پر اتنا دیتے ہیں تو باقی اعمال پر کیا دیں گے؟ سوچو، اس لئے ہمیشہ آخرت بنانے کی فکر کریں، دنیا کو اپنی فکر بنانے سے منع فرمایا ہے ﴿أَللّٰهُمَّ لَا تَجعَلْ مُصِيبَتَنَا فِيْ دِيْنِنَا وَلَا تَجعَلِ الدُّنيَا أَكْبَرَ هَمِّنَا﴾ اے اللہ ہمارے دین پر کوئی مصیبت نہ آوے دین اور دین کا کام سلامت رہے، اور دنیا کو ہماری بڑی فکر نہ بنا کہ اس کے علاوہ اور کسی کی فکر ہی نہ ہو۔

صرف چلت پھرت نہ ہو:

اللہ کی کثرت سے عبادت کرے صرف چلت پھرت پر اعتماد نہ ہو، چلت پھرت ضروری ہے لیکن عبادت، ذکر، اخلاص اور اخلاق کے ساتھ، اگر چکی خالی چلتی رہے تو آٹا نہیں آئے گا، بلکہ اندر دانے ڈال کر چلاتے ہیں تو چاروں طرف آٹا باہر آتا ہے ایسے ہی دین کی چلت پھرت قربانیوں، عبادات، اللہ کے ذکر، توبہ واستغفار اور بندوں کے اکرام کے ساتھ نافع اور مفید ہے، حضرت جیؒ فرماتے تھے کہ فساد جب سے شروع ہوا اکرام کم ہو گیا۔

اخلاق بھی دعوت کا ذریعہ ہیں:

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اخلاق کا اونچا معیار دے کر بھیجا تھا آپ ﷺ نے اخلاق کے ذریعہ ہی دین کی دعوت دی اور اخلاق بھی مخالفوں کو دکھائے احسان کرنے والے کے ساتھ احسان کرنا یہ تو تجارت ہے، اس کے ساتھ احسان کرنا جس نے نقصان پہنچایا تو یہ نبوت والے اخلاق ہیں۔

نبوی اخلاق کا ایک واقعہ:

حضور ﷺ پر جادو کیا تو چھ مہینے تک اثر رہا اور بہت سخت اثر تھا آخری قسم کا جادو تھا اور بڑی رقم دے کر کروایا تھا اس کی وجہ سے آپ ﷺ کو بہت پریشانی ہوئی پھر وہ راز کھلا کہ آپ پر جادو کیا گیا ہے اور فلاں کنویں میں رکھا ہوا ہے پھر وہ جادو ختم ہوا اور پتہ بھی چلا کہ کس کس نے کیا تھا اور ثابت بھی آسمانی وحی کے ذریعہ ہوا ہے کہ فلاں فلاں نے جادو کیا ہے اب اس سے زیادہ پکی گواہی اور کیا ہوگی؟ لوگوں نے رائے دی کہ آپ ان کو سزا دیں تو آپ نے فرمایا کہ میں ان کو کیوں سزا دوں اللہ نے تو مجھے صحت یاب کر دیا ہے۔

اللہ کو اخلاص دکھاؤ اور بندوں کو اخلاق:

اللہ تعالیٰ حضور ﷺ سے فرماتے تھے کہ جو لوگ آپ کو تکلیف دے رہے ہیں ان سے درگذر کرو ان کو معاف کرو اور صبر کرو یہ بھی تبلیغ ہے تو ہمیں بھی صبر اور درگذر کرنا ہے بدی کا جواب ہمیں نیکی سے دینا ہے اور بدسلوکی کے جواب میں احسان کرنا ہے یہی اصل تبلیغ ہے، تو

بندوں کے ساتھ اکرام، معاف کرنے اور درگذر کرنے کا معاملہ ہو اور اللہ کے ساتھ اخلاص کا معاملہ ہو، کہ اللہ کو اخلاص دکھاؤ اور بندوں کو اخلاق دکھاؤ۔

اختلاف ہو لیکن اکرام کے ساتھ:

صحابہ میں اختلاف بھی ہوا لیکن ساتھ ہی ساتھ اکرام بھی تھا، حضرت علیؓ کے ساتھ حضرت معاویہؓ کا بہت بڑا اختلاف ہوا دونوں طرف فوجیں ہیں حضرت ابو ہریرہؓ حضرت علیؓ کی فوج میں تھے اور جب کھانے کا وقت ہوتا تھا تو حضرت معاویہؓ کی فوج کے ساتھ کھانا کھاتے تھے لوگ کہتے تھے کہ آپ تو حضرت علیؓ کی فوج میں ہیں تو کہتے کہ ہاں حق پر وہ ہیں اور کھانا اِن کا اچھا ہے، حضرت علیؓ حق پر ہیں اس لئے ان کا ساتھ دے رہا ہوں، غلط کا ساتھ تو نہیں دے سکتا یہ قاعدہ ہے کہ حق ہے تو ساتھ دو اور غلط ہے تو ساتھ مت دو اور کھانا حضرت معاویہ کے ساتھ اس لئے کھایا کہ وہ شامی تھے اور شام میں باغات اور زرخیز زمین ہے اور پیداوار بہت اچھی ہوتی ہے، تو حضرت علی کی فوج میں تھے لیکن جب کھانے کا وقت ہو تو حضرت معاویہ کے پاس جاتے تھے کہ وہ ہمارے بھائی ہیں اور وہ کھلاتے بھی تھے، یہ نہیں کہ ہماری مسجد میں مت آنا یہ نہیں ہوتا تھا، وہ کھلاتے تھے کہ آؤ کھاؤ کیونکہ وہ ہمارے بھائی ہیں یہ واقعہ حضرت جیؒ نے حیاۃ الصحابہ میں لکھا ہے اس لئے رایوں کے اختلاف کے ساتھ اکرام بھی ضروری ہے۔

اختلاف کے بھی آداب ہیں:

جس طرح نماز کے آداب ہیں اور مسجد میں داخل ہونے کے آداب ہیں تو ایسے

ہی اختلاف کے بھی آداب ہیں، چنانچہ بغیر کسی جائز سبب کے لڑنا جائز نہیں، بیوی کے ساتھ بھی لڑنا ناجائز ہے ہاں غلطی بتانا، غلطی کی اصلاح کرنا، ہمدردی کرنا، دعاء مانگنا یہ دین ہے اور اگر غلطی نہیں مانتا تو اس کے لئے دعاء کی جائے۔

ضد نے ابوجہل کو محروم کردیا:

ابوجہل کے لئے اور حضرت عمر کے لئے دعاء ہورہی ہے حضرت عمرؓ کو اللہ کے نبی ﷺ دعاء سے لائے ہیں اللہ سے مانگا ہے کہ ان میں سے ایک دیدے ابوجہل ضدی تھا تو اسے خیر نہیں ملی ورنہ دعاء تو دونوں کے لئے ہوئی تھی اللہ ضدی کو نامراد کرتے ہیں جو بھی ضد کرے گا وہ نامراد ہوگا ﴿وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ﴾ کہ جو ضدی بنے گا وہ نامراد ہوگا تو حضور ﷺ کی دعاء میں بھی اس کو حصہ نہیں ملا، اس لئے کہ وہ اعلیٰ درجہ کا ضدی تھا، وہ جانتا تھا اور مغیرہ بن شعبہ سے اس کا اقرار بھی کیا کہ صحیح دین تو انہیں کا ہے لیکن چلنے نہیں دینا ہے، مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ابوجہل کو دعوت دی تو اس نے کہا کہ آپ ابھی تک ہم سے ناامید نہیں ہوئے پھر جب اللہ کے نبی ﷺ تشریف لے گئے تو مغیرہ بن شعبہ سے کہا کہ بات تو ان کی صحیح ہے مگر چلنے نہیں دینی ہے اس لئے کہ وہ چودھری اور قوم کا بڑا تھا لیکن دنیا سے نامراد گیا۔

اختلاف تو ہونے ہی والا ہے:

ہاں اختلاف ہوگا لیکن اس کے آداب کے ساتھ ہو جو حد اختلاف کی ہے وہ تو رہے گی کہ جو غلط ہے تو اس کو اختیار نہیں کیا جائے گا چاہے کتنا بھی اختلاف ہو جائے

اور صحیح کو چھوڑا نہیں جائے گا یہ قاعدہ ہے، قرآن واحادیث اور سیر صحابہ میں جو چیز ہو وہ تو صحیح ہے اس کو چھوڑا نہیں جائے گا، تمام نبیوں سے لوگوں نے اختلاف کیا تو کیا ہم ان کو چھوڑ دیں، مکہ والے باہر سے آنے والوں کو حضور ﷺ کی طرف اشارہ کر کے کہتے تھے کہ اس آدمی کی وجہ سے ہماری جماعت میں پھوٹ پڑی ہے اور ہمارے قبائل میں کوئی لڑائی نہیں تھی اب اس کی وجہ سے باپ بیٹے سے میاں بیوی سے بھائی بھائی سے جدا ہو گئے ہیں اس نے ہمارے خاندانوں میں پھوٹ ڈال رکھی ہے اور ہمارے کاموں میں مشکلیں کھڑی کر رکھی ہیں، تو کیا اس اختلاف کی پرواہ کریں گے، پھوٹ تو پڑے گی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہوگا، اللہ باطل کو واضح کریں گے اور حق کو لوگوں کے سامنے لائیں گے۔

حق میں دیر ہے اندھیر نہیں:

حق آہستہ آہستہ پھیلتا ہے اور باطل جلدی پھیلتا ہے اس لئے جو حق پر ہو وہ صبر کرے جیسے درخت آہستہ آہستہ اگتا ہے جلدی سے نہیں اگتا وہاں تک اس کی دیکھ بھال کرنی ہے پھر وہ پھل دیتا رہے گا اس کی کاروائی پوری ہوگئی اسی طرح حق کی کاروائی پوری کرنی پڑتی ہے پھر اللہ تعالیٰ حق کو دھیرے دھیرے پھیلاتا ہے۔

اختلاف تو امام شافعیؒ کو بھی تھا:

چاروں اماموں میں اختلاف ہے تو کیا ہم ان سب کو چھوڑ دیں گے امام ابوحنیفہؒ

کی مسجد جامع ابوحنیفہ بغداد میں ہے بہت بڑی مسجد ہے امام شافعیؒ کا سفر ہوا تھا تو انہوں نے وہاں نماز پڑھی تھی تو انہوں نے رفع یدین نہیں کیا حالانکہ ان کے نزدیک رفع یدین سنت ہے اور ایسی نماز پڑھی جیسے ہم پڑھتے ہیں بعد میں لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ کے نزدیک تو ہاتھ اٹھانا سنت ہے تو امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اس قبر والے سے مجھے شرم آئی کہ ان کے مذہب میں رفع یدین نہیں ہے تو میں ان کے سامنے کیسے ہاتھ اٹھاؤں، ہاتھ اٹھانا بھی سنت اور نہ اٹھانا بھی سنت یہ کوئی جھگڑے کی چیز نہیں ہے تو اختلاف بھی ہے اور ادب بھی ہے اور ہمارے یہاں مسئلہ یہ ہے کہ اختلاف میں کوئی ادب نہیں رہا۔

عقلمند اور دانا کو اختلاف ہوتا ہے:

حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ ان دونوں میں اختلاف ہوتا تھا اور بہت زیادہ اختلاف ہوتا تھا لوگ کہتے تھے کہ یہ کبھی مل کے نہیں بیٹھیں گے لیکن کچھ دیر کے بعد ایسے ہوجاتے کہ کچھ ہوا ہی نہیں حضرت عثمانؓ کے بارے میں لوگ کہتے تھے کہ حضرت عمر کے بعد اگر کوئی ان کی جگہ بیٹھ سکتا ہے تو وہ حضرت عثمان ہیں ان کو لوگ ردیف کہتے تھے کہ حضرت عمرؓ کے بعد اگر کوئی کام کرے گا تو یہ کرے گا، جو سمجھدار ہوتا ہے اس کو اختلاف بھی ہوتا ہے اور جو نادان ہوتا ہے اس کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا، ایک بات حضرت عمر کہتے تھے تو حضرت عثمانؓ کہتے تھے کہ ایسا نہیں، اور وہ بھی ضد میں نہیں بلکہ اس لئے کہ وہ بات کو سمجھ رہے ہیں، اور اختلاف کے لئے نہیں ہوتا تھا بلکہ

اختلاف رحم دلی سے ہوتا تھا،تو اختلاف تو ہر جگہ ہوتا ہے گھروں میں خاندانوں میں گاؤں والوں میں لیکن ہمیں تو آداب اور اخلاص سکھلائے ہیں اور ہمارا اخلاص ہمارے کام کی وجہ سے ہے ہمارے نام کی وجہ سے نہیں کہ میری بات ہواور میری بات چلے اس لئے نہیں بلکہ صحیح ہواور صحیح چلے۔

اختلاف رحمت بھی ہوسکتا ہے:

اختلاف آداب کے ساتھ ہوتو یہ اختلاف رحمت ہے حدیث میں ہے کہ میری امت کا اختلاف رحمت ہے کیونکہ اختلاف میں بہت سی چیزیں سامنے آتی ہیں مشورہ میں بہت ساری رائے آتی ہیں،جب ایک چیز پر بہت ساری رائیں آئیں تو بہت ساری چیزیں کھلے گی اس لئے کہا کہ رائے لورائے دواور کام کرو،اورمشورہ کواپنی بنیاد بناؤ،مشورہ نہ بگاڑو بلکہ اس کے مطابق کام کرو۔

مشورہ نبوی ہدایت ہے:

حضرت علیؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہ آپ کی وفات ہوگی اورآپ کے بعد بھی بہت سے مسائل پیش آئیں گے ہم قرآن میں تلاش کریں گے اگراس کا حل قرآن میں نہ ملاتو احادیث میں تلاش کریں گے اگراحادیث میں بھی اس کا حل نہ ملاتو کیا کریں؟ تو آپ نے فرمایا کہ پابنداور پرہیزگاروں کوجمع کرواوران سے مشورہ کرو، ایک آدمی پردارومدارمت رکھو یہ نبوی ہدایت ہے۔

حضرت عمرؓ نے ایک شوریٰ بنائی:

حضرت عمرؓ ایک مرتبہ خطبہ دے رہے تھے تو خطبہ میں فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا کہ ایک مرغے نے میرے پاؤں میں چونچ ماری تو اسماء بنت عمیس نے جو کہ ایک جلیل القدر صحابیہ ہیں جنہوں نے حبشہ کی بھی ہجرت کی ہے اور مدینہ کی بھی ہجرت کی ہے، انہوں نے تعبیر دی کہ کوئی غیر عرب آدمی آپ کو قتل کرے گا تو حضرت عمرؓ نے سوچا کہ پتہ نہیں کب میرا قتل ہو جائے تو انہوں نے چھ آدمیوں کو متعین کر دیا کہ میرے بعد یہ لوگ مل کر طے کریں گے کہ ذمہ دار کون ہوگا، یہ احتیاط ہے اور وہ چھ حضرات جن کو حضرت عمرؓ نے طے کیا تھا ان کو حضور ﷺ نے دنیا ہی میں جنت کی بشارت دی تھی عشرۂ مبشرہ میں سے تھے تو مشورہ کی جماعت بنادی اور ان کو ہدایتیں دی کہ اس طرح کام کرنا، اس لئے کہ کام کو مشورہ سے انجام دیا جائے گا، کام کرنا ہے اور اس کی نوعیت یہ ہے کہ امت میں پرہیزگار اور اللہ سے ڈرنے والے اس کو سوچیں، جس قدر اللہ سے ڈرنے والا ہوگا اسی قدر اللہ سے ڈر کر اس کو امانت سمجھ کر کام کرے گا، کیونکہ یہ تو دین ہے اور دین پر کسی ایک کا حق نہیں ہے اور وہ کسی کی میراث نہیں، اس کو سب مل کر سنبھالنا ہے اللہ فرماتے ہیں ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا﴾ اللہ کی رسی کو سارے مضبوطی سے تھام لو اس رسی کو مضبوطی سے تھامنا یہ سب کے ذمہ ہے۔

جودعویٰ کرے گا اللہ اس کو جھوٹا ثابت کرے گا:

اس لئے اپنے کام کو اللہ کی امانت سمجھنا ہے اور ڈرتے رہنا ہے کہ نہ معلوم اللہ کے یہاں قبول ہے یا نہیں کیونکہ اللہ ہی نے اس کی توفیق دی ہے ورنہ تو میں نے کیا کیا ہے؟ ہمارے کام میں لگنے کے اسباب اسی نے تو پیدا کئے ہیں ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ﴾ اللہ اول ہے سب سے پہلے کام کرنے والا اللہ ہے اور اللہ آخر بھی ہے جب کوئی نہیں ہوگا اس وقت بھی اللہ ہوگا، جب کوئی نہیں تھا اس وقت بھی اللہ تھا تو سب سے پہلے سمجھنا یہ ہے کہ میرا کوئی کارنامہ نہیں ہے مجھے تو اللہ نے توفیق دی ہے اور اس بات کا دھیان رہے کہ اللہ کی مجھ پر نظر ہے کسی بات کا دعویٰ نہ کرے جو دعویٰ کرے گا اللہ اسے جھوٹا ثابت کرے گا کہ تم کرنے والے کون ہوتے ہو یہ تو ہم نے کیا ہے۔

یہ چمن رو رو کر تعمیر کروایا ہے:

جو اللہ والے ہوتے ہیں وہ دعویٰ نہیں کرتے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے ایک بزرگ نے فرمایا کہ حضرت ہمارے دارالعلوم دیوبند کے لئے دعاء فرمائیں تو حضرت نے کہا اچھا دارالعلوم تمہارا ہو گیا؟ راتوں کو اس کے لئے ہم روئیں ہیں کہ اللہ کوئی ایسی چیز قائم کرے جس کی وجہ سے ملک میں دین کی حفاظت ہو اور آج دارالعلوم تمہارا ہو گیا تو رونے والے رو کر اللہ سے کام کرواتے ہیں اور کوئی جانتا بھی نہیں کہ یہ کام کس کی وجہ سے ہوا، کام کرنے والا تو صرف اللہ ہے اور ہم رو کر اللہ سے کام

کروانے والے بنیں کوئی نہیں جانتا کہ ان کے راتوں میں رونے کی وجہ سے دارالعلوم قائم ہوا وہ تو رات کے اندھیرے میں تیر چلاتے ہیں اور سیدھے نشانے پر لگتے ہیں رات کو ان کی دعائیں اوپر جاتی ہیں۔

کام کرنا ہے، دعویٰ سے بچنا ہے:

تو اللہ نے اس کام کو دعاؤں سے جاری کیا اور دعاؤں ہی سے جاری رہے گا، دعویٰ کرنے سے کام نہیں چلتا اللہ کہتے ہیں کہ کام تو ہم کر رہے ہیں تم کون ہوتے ہو؟ سب کچھ اللہ کا ہے ہم بھی اللہ کے ہیں تو ہم اپنے آپ کو اور اس کام کو اللہ کے حوالے کریں کہ اللہ ہماری اور اس کام کی حفاظت فرمائے، ہمیں استقامت دے اور موت تک اس کام کے کرنے کی توفیق دے، اور اس بات سے ڈرتے رہنا ہے کہ ہماری وجہ سے کوئی فتنہ نہ ہو اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا ملعون ہے وہ آدمی جس نے سویا ہوا فتنہ جگایا، تو اس سے ڈریں اور بچیں ورنہ تو ہوگا وہی جو اللہ چاہے گا، ہمیں اپنی، اپنے دین کی اور اپنے کام کی حفاظت کرنی ہے اور ساری امت کا اپنے اوپر حق سمجھنا ہے اور ان کے لئے میں جتنا کر سکتا ہوں اتنا کروں، امت کی ہمدردی کرنا نبیوں کی سنت ہے ہر نبی اپنی قوم اور امت کے ہمدرد تھے وہ مانیں تب بھی اور نہ مانیں تب بھی اور یہی اصل ہے کہ امت کے غریبوں، بے کسوں اور بے دینوں میں دین آئے اور ان میں جا کر کام کریں۔

مخالفت نے دعوت کو بہت نقصان پہنچایا:

اور مخالفت کے ماحول میں اکرام کریں، جو دوسروں کو اپنا مخالف سمجھے گا وہ دعوت کیسے دے گا؟ وہاں تو دعوت ہی ختم ہوگئی پارٹی ہوگئی کیونکہ مخالفت کا انجام پارٹی ہے اور دعوت میں کوئی پارٹی نہیں ہوتی یہ تو ولیمہ کی طرح ہے کہ جس کو دعوت دی ہے وہ میرے مہمان ہیں اور وہ دعوت کھانے آئے تو میں ہی نہ رہوں گا تو یہ دعوت نہیں بلکہ عداوت ہوئی اور یاد رکھو کہ جب دعوت میں خرابی ہوگی تو عداوت ہی ہوگی اور جو جان مال اللہ پر لگ رہا تھا اب وہ دوسروں پر لگے گا اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ میرے بعد ایسے مت ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارو، جو طاقت دشمنوں پر لگتی تھی وہ اندر ہی اندر لگ گئی۔

یہ سب ہمارے بھائی ہیں:

تو دعوت دینے والے کا کوئی مخالف نہیں ہے سوائے شیطان کے، یہ سب ہمارے ہیں، جب حضرت علی سے لوگوں نے بغاوت کی اور شکست کھا گئے تو حضرت علی کی فوج نے کہا کہ ان کے ساتھ وہ معاملہ کرنا چاہئے جو ہارنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے کہ ان کی عورتوں کو باندیاں بنائی جائیں ان کے مالوں کو غنیمت بنا لیا جائے تو حضرت علی نے فرمایا کہ یہ تو ہمارے بھائی ہیں ان کا مال ان سے نہیں لیا جائے گا رہی بات بغاوت کی تو اس کی سزا انہیں مل چکی ہے۔

دورِ علوی اختلاف میں ہمارے لئے اُسوہ ہے:

حضرت علیؓ کا زمانہ اختلاف کو سمجھنے کا زمانہ تھا کہ اگر اختلاف ہو جائے تو کیا کیا جائے، اس وقت وہی کیا جائے جو حضرت علیؓ نے کیا، حضرت عثمانؓ کا زمانہ بھی اختلاف کا تھا انہوں نے صبر کیا ہے اور حضرت علیؓ نے انصاف کیا ہے حضرت عثمانؓ نے بہت صبر کیا ہے لوگوں نے ان سے کہا بھی کہ آپ کو گھیر لیا گیا ہے اور آپ کے قتل کے منصوبے بن چکے ہیں اور یہ باغی لوگ آپ کو نماز بھی نہیں پڑھانے دیتے اور خود نماز پڑھاتے ہیں آپ ہمیں اجازت دیں ان کی کیا مجال کہ وہ مدینہ میں آپ کو قتل کریں تو حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میری وجہ سے مدینہ میں خون بہے میں اس کی اجازت کبھی نہیں دے سکتا اور اگر وہ مجھے قتل کر دیں تو میں صبر کروں گا۔

کچھ اہم ہدایات:

یہ سب باتیں دین اسلام کی تعلیمات ہیں لیکن چونکہ ہم بے خبر ہیں اور جہالت سے حقوق کی پائمالی ہوتی ہی ہے اس لئے ہمیں اپنے گناہوں کی معافی مانگنی ہے توبہ اور استغفار کے ساتھ ساتھ صبر بھی کرنا ہے اور اکرام بھی کرنا ہے اور اپنی ذمہ داری پوری کرنی ہے اور اللہ سے ثابت قدمی مانگنی ہے تاکہ پاؤں نہ پھسلے، کبھی غلطی اور گناہ بھی ہو جاتے ہیں لیکن اس کی وجہ سے نہ اللہ سے مایوس ہونا ہے اور نہ کام کو ترک کرنا ہے، اللہ نے توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے کوئی بھی گناہگار ہو توبہ کرے گا اللہ اسے معاف

کردے گا اور ہر روز رات کو اعلان ہوتا ہے کہ ہے کوئی گناہوں کی معافی چاہنے والا کہ میں اس کے گناہوں کو معاف کروں اس وقت اللہ سے مانگیں کہ ہم گناہگار ہیں ہمارے گناہ معاف فرمادے اور ہمیں اور ساری امت کو استقامت نصیب فرما، ہمارا کوئی مخالف نہیں ہے کیونکہ سب کو دین سکھانا ہے اور اس کے لئے سب سے پہلے خود دین سیکھنا ہے اور اس کا میدان امت ہے۔

احسان اور انصاف کرنے کی ہدایت دی کہ احسان کرو چاہے اپنا ہو یا پرایا ہو سب کے ساتھ احسان کا معاملہ کرو اور انصاف یہ ہے کہ جو اپنے لئے پسند کرے وہ دوسروں کے لئے بھی پسند کرے اور مزید اس کے ساتھ احسان بھی کرے یہ طریقہ نبوت کا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر ثابت قدمی عطا فرمائے۔ (آمین)

ایمان ویقین کے برکات

بیان نمبر [۸]

ضلع بھروچ کا عمومی اجتماع

مؤرخہ ۲۹/صفر المظفر ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۹/نومبر ۲۰۱۶ء بروز سنیچر بعد نماز مغرب

بمقام خانپور، بھروچ ، صوبہ :گجرات

اقتباس

ہمیں ایمان ،اعمال اور اخلاق تین چیزیں بنانی ہیں۔ایمان ایسا بنیں جو اللہ کے دین کے تقاضوں پر لے جاوے، ایمان ایسا بنیں جو اللہ کے فرائض ادا کراوے۔ایمان ایسا بنیں جو اللہ کے حرام سے بچاویں، ایسا ایمان بنانا ضروری ہے۔ایمان بنے گا تو دین زندگیوں میں بھی رہے گا اور دنیا میں بھی آوے گا، ہر کام کے تقاضے ہوتے ہیں، آدمی دکان کے تقاضے پورا کرتا ہے، دکان پر جاتا ہے، آتا ہے، ایسے ہی علاج کا تقاضا ہوتا ہے، شادیوں کا تقاضا ہوتا ہے، یہ دنیا ہے، لوگ تقاضوں پر جاتے ہیں۔اسی طرح دین کے بھی تقاضے ہیں، اس کے لئے جاؤ، آؤ۔تقاضے پورے ہوں گے تو دین زندہ رہے گا، اس کے لئے ایمان بنانے کی ضرورت ہے کہ اپنا ایمان ایسا بناوے کہ جو اللہ کے دین کے تقاضوں پر گھڑا کرے۔یہ تو فرض ہے، اور کرنا ہی کرنا ہے۔اس کے لئے دین کی محنت کرنی ہے تا کہ اعمال صحیح ہو جاوے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَحْدَہٗ لاَشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلاَ نَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ وَصَلّٰی اللّٰہ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَعَلیٰ آلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً کَثِیْراً ۔ اَمَّابَعْدُ

مؤمنین پر اللہ کا سب سے بڑا احسان:

میرے پیارے بھائیو! اللہ کی نعمتیں بہت زیادہ ہیں، اتنی زیادہ کہ گنی نہیں جا سکتی، سب سے بڑی نعمت جو اللہ کی طرف سے ہم کو ملی ہے وہ اللہ کا دین ہے۔ دین دے کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے، اس بات کو جتایا بھی ہے۔﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ إِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُولاً مِّنْ أَنْفُسِھِمْ ﴾ مسلمانوں پر، ایمان والوں پر اللہ نے احسان کیا ہے، یوں تو بہت سارے احسانات ہیں، سارے اللہ ہی کے احسان ہیں، اور کون احسان کرنے والا ہے، لیکن اس بات کو خاص طور پر ذکر کیا کہ ہم نے احسان کیا ہے ایمان والوں پر کہ ان میں اللہ نے ایک رسول بھیجا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے، اس سے بڑا کوئی انعام نہیں۔

دین رہا تو یہ دنیا رہے گی:

دنیا کی سلامتی، ہماری کامیابی، اور آخرت کی کامیابی ان سب کا تعلق دین سے ہے، اس بات کا یقین ہونا چاہئے کہ دین اور دنیا کی سلامتی ہمارے دین کی وجہ سے ہے۔اگر ہمارا دین رہا تو یہ دنیا رہے گی ورنہ اللہ تعالیٰ اس کو توڑ کر ختم کردیں گے۔انسان کو اللہ نے اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے، لہذا جب کوئی عبادت نہیں کرے گا تو دنیا ختم کردیں گے۔دین کا اتنا بڑا درجہ ہے، دین کے وجود سے دنیا کا وجود ہے۔لہذا دنیا اور دنیا کے حالات سے ہم متاثر نہ ہوں، کیوں کہ ہمارا دین ہوگا تو دنیا باقی رہے گی، حاکموں کی حکومت، تاجروں کی تجارت، دنیا کی جتنی چیزیں ہیں وہ دین کی وجہ سے باقی رہے گی۔

ایمان کی وجہ سے برکت اور بدلہ دونوں ملتے ہیں:

یہ جو کچھ بھی دنیا میں ہورہا ہے ہماری کمی اور کوتاہی کی وجہ سے ہورہا ہے، نہیں تو اگر ہم دین والے ہوگئے تو آسمان اور زمین کی برکتیں دی جائیں گی۔یہ فرمایا ہے اللہ نے:﴿ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُواْ وَاتَّقَواْ لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ ﴾ یہ شہروں میں بسنے والے ایمان اور تقوی والی زندگی گذارے تو آسمان سے بھی برکتیں آویں اور زمین سے بھی۔پریشانی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، برکتوں والی زندگی گذرے۔ایمان کی وجہ سے برکت بھی ملتی ہے بدلہ بھی ملتا ہے۔اجر بھی ملتا ہے اور برکت بھی ملتی ہے۔

نیکیوں کا بدلہ بڑھا چڑھا کر دیتے ہیں

برکت مفت میں اور بدلہ حساب سے اور فضل سے بھی دیتے ہیں، حساب کریں گے کہ کس نے کتنا کیا ہے۔ حساب اچھائی اور نیکیوں کا ہے تو اس کا بدلہ بڑھا کر دیں گے۔ جو برائیاں ہیں اس کا بدلہ حساب سے دیں گے۔ حساب سے زیادہ سزا نہیں ہوگی۔ اور اچھے کاموں میں حساب سے زیادہ بدلہ دیں گے۔ ﴿وَإِن تَكُ حَسَـــنَةً يُـضَـاعِـفْهَـا وَيُؤْتِ مِن لَّدُنْهُ أَجراً عَظِيْماً﴾ جیسے زمین میں گٹھلی ڈالی، تو اللہ نے درخت پیدا کر دیا، اور وہ درخت پھل دیتا ہے، ایسے ہی نیکی کا معاملہ بھی ہے۔ نیکیوں کا بدلہ بڑھا چڑھا کر دیتے ہیں۔ یہ سب اللہ کے انعامات ہیں۔

دین پر چلنے کے لئے فیصلہ کرنا ہے:

میرے بھائیو! دین پر چلنے کے لیے فیصلہ کرنا پڑتا ہے، فیصلہ نہیں ہوگا تو دین کا کام مشکل، دین کا کام نہیں ہوگا، کرو، نہ کرو یہ نہیں چلتا۔ لہٰذا فیصلہ اس بات کا کرنا ہے کہ دین کا کام کرنا ہی کرنا ہے چاہے جو ہونا ہو وہ ہو جائے۔

رسول اللہ ﷺ ہجرت کے ایک سفر میں تھے، راستہ میں ایک آدمی ادھر سے آ رہا تھا۔ بدوی اعرابی تھا، جب وہ قریب آیا تو آپ نے اس سے دعوت کی بات کی۔ کیوں کہ دعوت کی بات ہر جگہ ہوتی ہے، دعوت کی بات ہر جگہ ہوگی اور ہر زمانہ میں ہوگی اور ہر حال میں ہوگی۔ جب وہ قریب آیا تو آپ نے اس سے یہ فرمایا کہ بھائی! کیا کوئی

بھلائی اور خیر کی بات لینا چاہتے ہو؟ یہ طریقہ ہے دعوت دینے کا، دعوت دینے کے طریقے ہوتے ہیں، اس لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے راستہ میں چلو۔ دعوت کا کام کرنے والوں کے ساتھ رہو، تاکہ تمہیں دعوت دینے کا اسلوب آوے۔ تو حضور ﷺ نے اس بدوی سے سوال کیا کہ کیا آپ کوئی بھلائی حاصل کروگے۔

سوال سے طلب پیدا ہوتی ہے:

چنانچہ جب آپ نے سوال کیا تو اس میں طلب پیدا ہوئی کہ وہ کیا بھلائی ہوگی؟ عرب لوگ بہت بے تکلف ہوتے تھے تو اس نے پوچھ لیا کہ وہ بھلائی کیا ہوگی؟ آپ نے فرمایا کہ وہ بھلائی یہ ہے کہ آپ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور اس بات کی گواہی دو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، لاالہ الاالله محمد رسول الله۔ اس نے کہا کہ بات تو ٹھیک ہے لیکن جو بات آپ کہتے ہیں اس کا کوئی گواہ ہے۔ تمہارے دعوے کا کوئی گواہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں بھائی! گواہ ہے۔ اس نے پھر پوچھا کون گواہی دینے والا ہے؟ فرمایا یہ درخت میری بات کی گواہی دیگا، تھوڑی دور ایک درخت تھا، آپ نے اس کی طرف اشارہ کیا کہ یہ میری گواہی دے گا۔ چنانچہ وہ درخت زمین کو چیرتا ہوا آیا، آپ کے سامنے کھڑا ہوگیا، تو آپ نے اس سے گواہی لی کہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اس درخت میں سے تین مرتبہ آواز آئی: اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ اب بات صاف ہوگئی۔

جب بدوی نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ کون گواہ ہے؟ تو آپ نے دلیل پیش کردی، گویا دعوی دلیل کے ساتھ ہو۔تو وہ بدوی فوراً آپ کی بات کو مان گیا۔ پھر اس نے کہا کہ ابھی تو میں سفر میں ہوں، راستہ میں ہوں، بعد میں آؤں گا۔قبیلہ والے تیار ہو گئے تو ٹھیک ہے ورنہ میں اکیلا آؤں گا۔اس بات کا فیصلہ کرلیا۔ یہ دین کا مزاج ہے کہ دین پر چلنا ہے،ہمیں تو دین کا کام کرنا ہی کرنا ہے۔ دین پر چلنے چلانے کے لیے یہی تعلیم ہے۔

حق بات کو قبول کرو:

ایک تو یہ ہے کہ بات کو سن کر چھوڑ دیا۔ بات کو سنا، سمجھا اور بہت اچھا لگا، پھر چھوڑ دیا، یہ بات صحیح نہیں ہے۔ سمجھداری کے خلاف بات ہے کہ جس بات کو سنا تھا، سمجھا تھا کہ یہ حق ہے پھر بھی چھوڑ دیا، اس کا حق ادا نہ کیا، یہ بالکل صحیح نہیں، ''اِسْتَجِیْبُوْا لِرَبِّکُمْ '' یہ حکم ہے کہ اپنے رب کی بات کو قبول کرلو۔ جیسے بدوی نے حق بات کو سنا اور قبول کرلیا۔

بڑی چیز آسانی سے حاصل نہیں ہوتی:

لہذا جب حق بات آئی اور اپنے آپ کو تیار کرلیا، اس کو قبول کرکیا تو اب کیا ہوگا؟ کہ اب تھوڑے ناگوار حالات آویں گے۔ دین یہ بڑی چیز ہے اور بڑی چیز آسانی سے حاصل نہیں ہوتی۔ اس میں دنیا و آخرت کی کامیابی، دنیا کی برکتیں ہیں، ہمیشہ کی جنت کہ اتنا سب کچھ آسانی سے نہیں ملتا، کچھ تو کرنا پڑے گا۔ جب آدمی کام کو اپنے ذمہ لے گا تو کچھ ناگوار حالات آویں گے۔ جب آدمی دین پر چلے گا تو ایک وقت وہ

آئے گا کہ اس کو کچھ تکلیفیں، کچھ دشواریاں ہوں گی، یہ قاعدہ ہے۔کسی بھی کام میں ابتداء اور شروع میں کچھ ناگواریاں رہیں گی۔ یہ تو ہوگا ہی ہوگا، اس کے بغیر کیسے ہوگا۔اس لئے دین کام میں شروع میں کچھ ناگواریاں آئیں گی،

آفت اور مصیبت میں فرق:

اللہ نے ہم کو خبر دے دی ہے کہ دین کے کام میں دشواریاں آئیں گی، گھبرانا نہیں ہے، یہ دشواریاں تمہاری ترقی کا سبب بنیں گی۔یہ آفت نہیں ہے، آفت تو گناہوں کی وجہ سے آتی ہے۔مصیبت نیک کاموں میں آتی ہے، آدمی روزہ رکھتا ہے، مصیبت آتی ہے، سخت پیاس ہے، بھوک ہے، گرمی ہے۔ یہ ہوتا ہے روزہ میں۔ مصیبت الگ چیز ہے اور آفت الگ چیز ہے۔آفت پامال کرنے کے لیے ہوتی ہے اور مصیبت ترقی دینے کے لیے ہوتی ہے۔حق کے راستہ میں مصیبت آئی ہے تو وہ ترقی دلائے گی۔اس بات کو سمجھیں، اللہ نے یہ بات سمجھائی ہے، اور اس لئے سمجھائی ہے کہ شیطان آدمی کو تکلیفوں سے ڈراتا ہے کہ تمہارا یہ ہوجائے گا، تمہارا یہ ہوجائے گا، حدیثوں میں ہے کہ اگر کوئی اسلام قبول کرے تو شیطان اس کو ڈراتا ہے کہ تو کہاں جاتا ہے، تیرے باپ دادا کہاں، اور تو کہاں۔اس طرح ڈراتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ نہیں وہ باطل ہے اور یہ حق ہے، اس لئے مجھے حق کی اتباع کرنی ہے۔

شیطان دنیا کی تکلیفوں سے ڈراتا ہے:

لہذا جب اس نے حق قبول کرلیا تو اب کیا ہوگا؟ کھاؤ، پیو، اور اللہ، اللہ کرو، بس

اتنا ہی ہے کیا؟ دوسرا کچھ نہیں کرنا ہے کیا؟ اور یاد رکھو کھانے پینے سے اللہ اللہ ہوتا ہی نہیں! کھا پی کر تو لوگ اللہ کو بھول جاتے ہیں۔تو شیطان سمجھاتا ہے کہ کھاؤ، پیئو اور اللہ ،اللہ کرو۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب ہجرت ہوتی تھی۔

اس زمانے میں ہجرت ہوتی تھی تو شیطان ان کو سمجھاتا تھا کہ یہیں رہو، بال بچوں کو چھوڑ کر کہاں جائیں گے، بے وطن کیسے رہیں گے،تو انہوں نے کہا: نہیں! ہم تو ہجرت کریں گے، کیوں کہ اللہ کا حکم ہے،تو اس طرح ہوتا ہے کہ شیطان ہمیشہ دنیا کی تکلیفوں سے ڈراوے گا، دنیا کے نقصان سے ڈراوے گا، یہ ہی آج کی چیز ہے کہ دنیا کا نقصان اور دنیا کی تکلیفوں سے ڈر کر پیچھے ہو جاتے ہیں۔

تسویف کا مطلب:

دوسری بات شیطان کی طرف سے جو آتی وہ ہے تسویف،تسویف کا مطلب یہ ہے کہ ’’سَوْفَ اَفْعَلُ‘‘ بعد میں کرلیں گے،ابھی کیا ضروری ہے،عید کے بعد کرلیں گے، رمضان کے بعد کریں گے، حج کے بعد،شادی کے بعد کریں گے،اس کو تسویف کہتے ہیں، دوسرے وقت پر ٹالنے کو تسویف کہتے ہیں،اور شیطان یہی کرواتا ہے کہ بعد میں کرلیں گے، ابھی کیا ضروری ہے،اس کو ٹالنا کہتے ہیں،فکر بھی نہیں اور عمل بھی نہیں، دونوں چیزیں نہیں ہیں، یہ ایک خیال ہے اس میں پھنسا دیا ہے کہ بعد میں کریں گے، بہت وقت ہے، ابھی کیا ضروری ہے،اس کو تسویف کہتے ہیں۔

تسویف دخول جہنم کا بڑا سبب:

علماء نے لکھا ہے کہ اکثر جہنم میں جانے والے تسویف کے راستہ سے دوزخ میں جائیں گے۔کسی کا حق ہے، کسی کا قرضہ ہے، تو کہتے ہیں کہ دیں گے، کیا کھا کر مرجائیں گے، پھر دے نہیں پاتے ہیں اور یونہی مرجاتے ہیں۔جب دینے کی طاقت تھی نہیں دیا، نمازوں کا وقت تھا نہیں پڑی، بعد میں قضاء کرلیں گے، یہ کہہ کر چھوڑ دیا، پھر کون پڑتا ہے، جب ادا ہی نہیں کرسکا تو قضا کیا کرے گا۔حقوق کی پامالی اور بربادی اسی سے ہوتی ہے کہ بات سامنے آئی، تقاضا سامنے آیا، بات سمجھ میں بھی آئی لیکن نہیں کیا۔اس کو تسویف کہتے ہیں کہ ٹالتے رہے اور حق باقی رہ گیا، اللہ کا حق، بندوں کا حق تسویف کی وجہ سے باقی رہ گیا۔

حج کے ذریعہ سے اسلام کی دعوت:

رسول اللہ ﷺ جس زمانہ میں مکہ معظّمہ میں دین کا کام کررہے تھے، کام کی شروعات کا زمانہ، جاہلیت کے زمانہ میں عرب لوگ حج کو آتے تھے۔جاہلیت کا حج اپنے باپ داداؤں کے طریقہ پر کرتے تھے، ننگا طواف کرتے تھے، منی میں جمع ہوتے تھے، بازار بھی لگتے تھے، تجارتیں بھی ہوتی تھیں۔مجمع باہر سے آتا تھا تو حضور ﷺ اس موقع پر اپنی دعوت لے کر ان میں پھرتے تھے، اور لوگوں کو دین کی دعوت دیتے تھے۔منی میں لوگوں کے قافلے اپنے اپنے خیمے لگا کر کے رہتے تھے۔آپ ﷺ ان

کے پاس جاتے تھے، کبھی ابوبکرؓ رہبر ہوتے تھے، کیوں کہ وہ لوگوں کو بہت پہچانتے تھے، عرب کے نسب اور خاندان کو بہت اچھی طرح جانتے تھے۔ تو ابوبکرؓ لوگوں کا تعارف کراتے کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ لوگ فلاں ہیں، فلاں قبیلہ سے ہیں، ان کا ہم سے تعلق ہے۔ کبھی عباس ابن عبد المطلبؓ رہبر ہوتے تھے۔ اس طرح لوگوں کے پاس بیٹھ کر ان سے دین کی بات کرتے تھے۔ مولانا عمر صاحبؒ نے حاجیوں کا کام اسی سے شروع کیا۔ اور حاجیوں کے کام کی کارگزاری سناتے تھے کہ حضور ﷺ حج میں آنے والوں کو دین کی دعوت دیتے کہ دعوت قبول کرو اور اپنے علاقے میں جا کر بھی اس کی محنت کرو۔

میسرہ کا واقعہ:

چنانچہ ایک مرتبہ آپ منی میں تشریف لے گئے۔ ایک قبیلہ کے پاس گئے، ان کے پاس بیٹھ کر بات کی۔ اللہ اور آخرت اور اپنے نبی ہونے کو خوب سمجھایا، اور یہ کہا کہ میری دعوت کو قبول کرو اور ایمان لے آؤ۔ قافلہ تو چوں کہ حج پر آیا ہوا تھا، اس وقت تیار نہیں ہوا۔ اس میں ایک آدمی تھا وہ بہت سمجھ دار تھا، اس کا نام میسرہ تھا۔ وہ اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ بھائیو! مجھے اس آدمی کی بات بہت نورانی معلوم ہوتی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ ان کی بات کو قبول کرلو۔ اور مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ اس آدمی کی بات دنیا میں چلے گی۔ ان کی بات بہت نورانی ہے، اس کو قبول کرلو۔ تو وہ کہنے لگے

کہ نہیں ! بھائی ابھی تو ہم حج کے لئے آئے ہیں، حج کے بعد دیکھیں گے۔ابھی تو ہم کو گھر جانا ہے،اوراس کام کے لئے تو آئے نہیں ہیں۔اتنی جلدی بھی کیا ہے،اس طرح انہوں نے بات قبول نہیں کی۔رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ یہ آدمی بہت سمجھ دار ہے تو آپ نے پھر ان کو سمجھایا تو اس نے پھر سے اپنے ساتھیوں سے درخواست کی۔اور آپ ﷺ سے کہنے لگا کہ آپ کی بات حق ہے لیکن میری قوم مانتی نہیں،اوراگر میں زیادہ زور دوں گا تو مجھ سے بھی کٹ جائے گی۔ جہالت تھی ان میں،اس لئے وہ تیار نہیں ہوئے۔جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ یہ ابھی ماننے والے نہیں ہیں۔تو ان کو چھوڑ دیا۔

یہودی پادری کا مشورہ:

جب وہ لوگ واپس جانے لگے تو میسرہ نے کہا اگر واپسی کا ارادہ ہے تو جس راستہ سے آئے ہیں اس کے علاوہ راستہ سے جائیں،انہوں نے کہا کہ کیوں؟ جواب دیا کہ اس لئے کہ راستہ میں فدک نامی ایک شہر ہے،آج بھی ہے،اس میں بہت آبادی ہے۔اس شہر میں یہودی لوگ رہتے ہیں،ان سے اس آدمی کے بارے میں پوچھیں گے،ہم تو امی ہیں،وہ یہودی لوگ پڑھے ہوئے ہیں،ان سے پوچھ لیں گے۔چنانچہ فدک پہونچے اور ایک بڑے یہودی سے ملاقات ہوئی۔اس کو پورا واقعہ سنایا کہ منی میں ایسا ہوا۔تو اس نے اپنی کتاب نکالی۔پڑھنا شروع کیا اوران کو سنایا۔آخری زمانہ کا ایک نبی ہوگا، نبی امی،اونٹ پر سواری کریں گے،ٹکڑا روٹی پر گذارا کریں گے،ان

کے آنکھوں اور چہرے مہرے کا نقشہ ایسا ہوگا۔اور پوچھا کہ کیا یہی شخص تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں، ہاں! یہی شخص تھے۔یہودی کہنے لگا کہ یہ نبی ہے، تم لوگ ان کی بات مان لو۔میسرہ کہنے لگا کہ میں نے نہیں کہا تھا کہ ان کی باتیں نورانی لگتی ہے، مان لو۔تو وہ کہنے لگے، ابھی تو ہم کو گھر جانا ہے، ہم تو ہر سال حج میں آتے ہیں، آئندہ سال جب آئیں گے تو ان کی بات مان لیں گے۔یہودی کہنے لگا کہ ان کی بات مان لو، تمہاری عرب قوم دو حصوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ایک حصہ اس نبی سے لڑے گا اور ایک حصہ ان کی تابعداری کرے گا۔اس لئے لڑنے والوں میں سے مت بنو کہ نبی سے لڑنا اچھی چیز نہیں ہے۔نبی سے لڑ کر کوئی کامیاب نہیں ہوا۔کیوں کہ نبوت کے راستہ میں اللہ کی مدد ہوتی ہے۔﴿إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ﴾ ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی مدد کرتے ہیں۔جو ایمان والے رسول کی راہ پر ہوں گے، ان کی مدد ہوگی۔لہذا تم ان کے تابعدار ہو جاؤ۔اور اپنے بارے میں کہا کہ میری قوم اس نبی سے حسد کرے گی، اور بہت سے جھگڑے کھڑے ہوں گے۔

حجۃ الوداع میں میسرہ کی حاضری:

تو میسرہ نے کہا کہ بھائی بات کتنی روشن اور صاف ہے، مان لو تو کہنے لگے کہ نہیں ابھی تو گھر چلو۔گھر چلے گئے، اگلا سال آیا، چونکہ وہاں کوئی حکومت نہیں تھی، قبیلے تھے، قبیلہ کا بڑا آدمی جو کہے وہ ہی بات چلتی تھی، تو قبیلہ کے سردار نے کہا کہ اس سال کوئی

حج میں نہیں جائے گا۔ وہ سال تو گذر گیا اور ایسا ہی ہر سال کچھ نہ کچھ ہوتا ہی رہا، یہاں تک نبی ﷺ نے مکی زندگی کا دور ختم کیا، پھر آپ نے مدینہ کی ہجرت فرمائی، ہجرت کے بعد بھی حضور ﷺ نے مدینہ میں دس سال گذار دیئے۔ پھر بھی اس قوم کو موقع نہ ملا، کچھ نہ کچھ مسائل پیدا ہوتے ہی رہے، چنانچہ گیارہویں سال میں حضور ﷺ نے اپنا حج کیا، جس کو حجۃ الوداع کہتے ہیں۔ آپ جب حج میں تشریف لائے تو آپ کے ساتھ بہت بڑی تعداد ایمان والوں کی تھی جو حج کرنے کے لئے آئے تھے۔ یہ میسرہ جس کے دل میں کھٹک تھی وہ بھی حج میں آیا اور حضور ﷺ طواف کررہے تھے، اس نے کہا کہ حضور! مجھے پہچانا تو آپ نے کہا کہ ہاں! پہچان لیا، منی میں ملاقات ہوئی تھی وہ۔ اس نے کہا میرے قافلے کے جتنے لوگ تھے، اس عرصہ میں ایک ایک کر کے سب مر گئے۔ یہ تسویف کا اثر ہے۔ یہ بات مجھے آپ کو سمجھانی تھی۔ اور مجھے بھی تاخیر ہوئی، پھر وہ اسلام لے آئے۔ وہ ایسے وقت میں اسلام لائے کہ حضور ﷺ کی زندگی میں صرف اسی یا نوّے دن باقی رہ گئے تھے۔

دین اسلام کے علاوہ کوئی دین قبول نہیں:

میسرہ نے دوسرا سوال یہ کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ جو لوگ اس طرح مر گئے ان کا کیا ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا کہ جو ہمارے دین پر نہیں مرے گا وہ دوزخ میں جائے گا، یہ تسویف کا اثر ہے کہ جو ہمارے دین پر نہیں مرے گا وہ دوزخ میں جائے گا، نجات

اسی دین پر ہے: ﴿ وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلَامِ دِيْناً فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِيْ الآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ﴾ جواس دین کے علاوہ کسی اور دین کو لے کر آوے گا کہ اللہ اس دین کو قبول نہیں کریں گے۔ ہمیشہ کے لئے وہ نقصان میں رہے گا، اس لئے آپ نے فرمایا کہ اس دین کے علاوہ کوئی دین قابل قبول نہیں۔میسرہ نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اسلام نصیب ہوا، یہ مثال ہے تسویف کی کہ دین کے کام میں آڑے آنے والی ایک چیز یہ بھی ہوتی ہے۔شیطان کام سے ڈراتا ہے یا پھر تسویف میں ڈال دیتا ہے کہ پھر کر لیں گے۔ پھر یہ ہوتا ہے کہ زندگی ساتھ نہیں دیتی یا وہ مر جاتا ہے۔

دین کے کام میں جلدی کرو اور آگے بڑھو:

اس لئے حکم ہے کہ دین کا کام تمہارے سامنے آوے تو جلدی کرو۔"بادروا بالاعمال" عمل کے لئے تیار ہو جاؤ، قبول کر کے آگے بڑھو، ورنہ فتنے کھڑے ہوں گے، اور ایسی رکاوٹ بنیں گے کہ صبح کو ایمان والا ہے شام کو کافر ہو جائے گا۔اس لئے فتنوں کے آنے سے پہلے اپنے کام میں لگ جاؤ، اور ایک دوسرے سے آگے بڑھو، جیسے دنیا کے کام میں آگے بڑھتے ہیں۔

ناگوار حالات دین کی ترقی کا ذریعہ:

اس لئے میں نے کہا کہ دین پر چلنے کے لئے فیصلہ کرو کہ مجھے دین پر چلنا ہی چلنا ہے، جو ہونا ہے وہ ہو جائے۔کیا ہوگا؟ وہ ہوگا جو اللہ نے لکھا ہے۔یہ ہمارا ایمان ہے

کہ جو اللہ نے لکھا ہے وہی ہوتا ہے۔لہذا دین کا کام کرنا ہی کرنا ہے چاہے کیسے ہی حالات آجاویں،اگرنا گوار حالات آتے ہیں،کہ دین کے کام میں ناگوار حالات ترقی کا ذریعہ بنیں گے۔یہ آفت نہیں ہے،آفت تو گناہوں کی وجہ سے آتی ہے، جو دلوں کو پریشان کر دیتی ہے،اور جو مصیبت دین کے کام کی وجہ سے آتی ہے وہ دلوں کو پریشان نہیں کرتی۔روزہ میں بھوک لگتی ہے، پیاس لگتی ہے،گرمی لگتی ہے کہ آدمی اس سے پریشان نہیں ہوتا کہ میرا تو روزہ ہے۔ایسے ہی اگر آدمی کی زندگی ایمان کے ساتھ، یقین کے ساتھ ہوتی ہے اور کوئی پریشانی آتی ہے تو وہ اندر سے اطمینان دلاتی ہے، آدمی گھبراتا نہیں ہے۔ایمان کی یہ برکت ہے کہ ایمان کے ساتھ آنے والی تکلیف بھی گناہ معاف کرادے گی،یا پھر درجہ بڑھاوے گی۔ہماری بیماریاں ہمارے گناہوں کا کفارہ ہے۔یہ گناہوں کے مٹنے کا ذریعہ ہے۔پھر اس کے اندر اطاعت آئے گی، کیوں کہ اس کی بیماری کی وجہ سے گناہ معاف ہوتے ہیں اور مصیبت کی وجہ سے اس کو بدلہ ملتا ہے۔

ایمان ویقین کے برکات:

میرے بھائیو! ایمان ویقین اپنے اندر پیدا کرو۔جب ایمان ویقین پیدا کرے گا تو پھر بیماری کو بھی رحمت سمجھے گا،ابن مسعودؓ ایک مرتبہ آپ کے پاس آئے،آپ ﷺ کو بخار ہو گیا تھا،تو ابن مسعودؓ نے آپ کے چہرے پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ یا رسول اللہ! یہ تو بہت بخار ہے۔تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اتنا بخار ہوتا ہے کہ جتنا تم میں سے دو

آدمیوں کو بخار ہوتا ہے۔اور یہ اس لئے کہ اس کا اجروانعام زیادہ ہو۔یہ سمجھنے کی بات ہے کہ ایمان کے ساتھ جو تکلیف آئے گی وہ بدلہ دلائے گی،وہ گناہ معاف کرائے گی۔ایمان کا کام کرتے ہوئے کچھ پیش آیا تو اس کا اجر الگ ہے۔ایمان کے راستہ میں بھوک آئی ہے،تو اللہ فرشتوں سے کہیں گے،اس کو لکھ لو۔دین کا کرتے ہوئے پیاسے ہوئے ہیں تو فرشتوں سے کہیں گے کہ ان کی پیاس کو لکھ لو۔چل چل کر تھک گئے،ان کی تھکن لکھ لو۔ایسا کہیں بھی نہیں ہوتا کہ کام کرنے والے کی بھوک،پیاس اور تھکن کو لکھا جاوے اور اس کا بدلہ دیا جاوے،ایسا کہیں ہوتا دیکھا ہے؟کوئی کمپنی میں،کوئی کارخانہ میں یہ پوچھا جاتا ہو کہ تم کتنے بھوکے رہے،کتنے پیاسے رہے۔کتنے تھکے؟یہ لکھا گیا ہو،ایسا کہیں بھی نہیں ہوتا۔اللہ کے راستہ میں یہ ہوتا ہے کہ ان کی بھوک کو لکھ لو،اس کا بدلہ دینا ہے۔اللہ نے ہم کو یہ ترغیب دی ہے۔

قربانیاں لکھی جاتی ہیں:

ایسا ہی دین کا راستہ ہے،یہاں نقصان کی حالت نہیں ہوتی ہے،جو نقصان کی حالت نظر آتی ہے وہ نقصان کی نہیں قربانی کی حالت ہوتی ہے۔دین کے کام میں نقصان ہو گیا، جیسے مہاجرین کا دین کے کام میں نقصان ہوا،بہت نقصان ہوا کہ ہجرت کرنے والے غریب ہو گئے۔مالدار تھے،ہجرت کی وجہ سے مہاجرین فقراء بن گئے۔تو کیا وہ ساری عمر غریب رہے؟نا!بہت تھوڑا عرصہ ایسا گذرا،پھر ہجرت کی برکتیں ہوئیں،مہاجرین کی مالی حالت اچھی ہوگئی،روایتوں میں ہے کہ "صاروا میاسر" مالدار ہو گئے۔مکہ میں ایک گھر

تھا جو ہجرت کی وجہ سے چھوٹ گیا، پھر مدینہ میں مل گیا۔ اسلام لے کر شام پہونچے تو وہاں بھی گھر بن گئے، عراق پہونچے تو وہاں بھی گھر بن گئے، ﴿وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً﴾

دین قائم کرنے والوں کو جگہ دی جاتی ہے:

دین والوں کی وجہ سے دین قائم ہوا ہے، اس لئے دین کے قائم کرنے والوں کو جگہ ملے گی۔ جب دین کو جگہ دیں گے تو کیا اللہ دین والوں کو جگہ نہیں دیں گے؟ لوگوں نے دین کی جگہ مٹا دی ہے، اللہ اپنے دین کو جگہ دیں گے، دین زمین پر قائم ہوگا، اور جب دین قائم ہوگا تو دین والوں کو جگہ نہیں ملے گی؟ زمین کس کی ہے؟ زمین اللہ کی ہے؟ ''اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰه '' ملک کس کا ہے؟ ملک اللہ کا ہے۔ ''لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ'' ''لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّار'' لوگوں کے سارے دعوے جھوٹے ہیں، ساری زمین اور سارا ملک اللہ کا ہے۔ اس لئے جب اللہ کے بندے اللہ کے دین کا کام کرنے والے بنیں گے، تو اللہ ان کے لئے جگہ کرے گا، ﴿وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً﴾ جو دین کو جگہ دیں گے، اللہ ان کے خوف کو ہٹا کر امن دیں گے، یہ اللہ کے وعدے ہیں دین کا کام کرنے پر۔

دین کے کام میں آگے بڑھو، حالات ٹھیک ہوں گے:

ہم لوگ حالات سے متاثر ہوگئے ہیں، اس لئے آگے نہیں بڑھ رہے ہیں، حالاں کہ ہمارا آگے بڑھنا یہ ہی ہمارے حالات کو ٹھیک کرنے کا ذریعہ ہے۔ پھر

ہماری مددیں آسمانوں سے ہوں گی، زمین سے نہیں، زمین والے تو رکاوٹ ڈالیں گے۔ اور آسمان والا مدد کرے گا۔

ہم اللہ والے ہیں، ملک و مال والے نہیں:

ہمارا تعلق اوپر سے ہے نیچے سے نہیں ہے۔ ہم ملک والے نہیں ہیں، ہم زمین والے نہیں ہیں، ہم مال والے نہیں ہیں، ہم تو اللہ والے ہیں۔ ہم کو خطاب ہے: ”یا ایھا الذین آمنوا“ اے وہ لوگو جو اللہ پر ایمان لے آئے! یہ ہم کو خطاب ہے۔ اللہ اپنے بندوں کو اللہ والا کہہ کر پکارتے ہیں۔ ملک والو! یا زمین والو ! کہہ کر نہیں پکارتے۔ کیوں کہ ہماری اللہ کے ساتھ نسبت، ایمان کی نسبت ہے۔ اللہ ہمیں ایمان کے تعلق سے پکارتے ہیں۔

ایمان کی تاثیر:

ایمان کی تاثیر یہ ہے کہ وہ ایمان والوں کو اوپر لائے گا۔ انہیں عزت دلائے گا، انہیں چین دلائے گا، انہیں اطمینان دلائے گا، انہیں برکت دلائے گا، ایمان کی تاثیر یہی ہے۔ یہ سب ایمان پر وعدے ہیں، مگر یہ کب ہے کہ جب ایمان کا حق ادا کرے۔ اس لئے ایمان کا حق ادا کرو۔ لَاتَزَالُ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تَنْفَعُ مَنْ قَالَهَا وَتَرُدُّ عَنْهُمُ الْعَذَابَ وَالنِّقْمَةَ مَا لَمْ يَسْتَخِفُّوْا بِحَقِّهَا ‘‘ یہ کلمہ لاالہ الااللہ جو ہے لگاتار کلمہ والوں سے بلاؤں کو ہٹائے گا۔ کلمہ بلاؤں اور عذاب کو روک دے گا، بشرطیکہ کلمہ کا حق ادا کرے۔ مسئلہ یہاں آکر اٹکا ہوا ہے۔

کلمہ اور ایمان کا حق:

کلمہ کا حق کیا ہے؟ کلمہ کا حق کلمہ کی دعوت ہے، ایمان کا حق ایمان کی دعوت ہے۔نماز کا حق نماز کی دعوت۔ایمان کی محنت اس کا حق ہے، جب یہ حق ادا ہوگا تو اللہ تعالیٰ حالات کو اپنی قدرت سے بدلیں گے۔حالات آتے ہیں تو بھی اللہ کی طرف سے اور بدلتے ہیں تو بھی اللہ کی طرف سے، کسی اور کی طرف سے حالات نہیں آتے۔ جو نعمت آتی ہے وہ بھی اللہ کی طرف سے آتی ہے اور کوئی تکلیف آتی ہے وہ بھی اللہ کی طرف سے آتی ہے۔ظاہر میں دوسروں کی طرف سے ہوتی ہے کہ سانپ نے کاٹ لیا،تو سانپ میں زہر آیا کہاں سے؟ اللہ کی طرف سے؟ سانپ نے صرف زہر کو ظاہر کیا ہے،سانپ زہر پیدا نہیں کرتا۔زہر تو اللہ پیدا کرتے ہیں۔

اسباب میں اللہ کی قدرت کا ظہور:

اسباب جتنے ہیں وہ اللہ کی قدرت کو ظاہر کرتے ہیں، اصل کام ہوتا ہے اللہ کی قدرت سے،اس لئے قدرت پر ایمان لانا ہے، اور قدرت والے سے تعلق پیدا کرنا ہے۔ایمان کا ، یقین کا،عمل کا تعلق پیدا کرنا ہے۔ جب یہ تعلق پیدا ہوگا تو اللہ اپنی قدرت سے ہماری مدد کریں گے۔اپنی قدرت ہمارے ساتھ کریں گے۔ ہمیشہ حق والوں کے ساتھ چیزیں کم رہی ہیں، اسباب کم رہے ہیں اور مدد زیادہ ہوئی ہے،تعداد تھوڑی اور مدد زیادہ ، ہمیشہ ایسا ہی ہوا۔کیوں کہ ان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے۔اس

لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی کمزوری میں ان کی مدد فرمائی ہے۔ یہ لوگ کام کریں گے اور حال آوے گا تو دعاء مانگیں گے۔

دعاء مؤمن کا ہتھیار ہے:

یہ نبیوں کا طریقہ ہے کہ کام آیا تو محنت کی، اور محنت کا حق ادا کیا۔ اور کام بن نہیں رہا ہے تو اب کیا کرنا ہے کہ اب دعاء کرو۔ حدیث میں ہے کہ دعاء مومن کا ہتھیار ہے۔ دین کے کام میں حالات آئیں گے، ان کا مقابلہ کرنے کے لئے دعاء کا ہتھیار دیا ہے۔ نبیوں کی دعاؤں کا ذکر قرآن پاک میں ہے کہ انہوں نے کام کیا اور پھر دعاء بھی مانگی۔ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں دعوت کا کام کیا تو فرعون کی حکومت ظالم بنی، آپ نے بہت سمجھایا، اس نے ایک بات مان کر نہیں دی، آخر میں موسیٰ علیہ السلام نے دعاء مانگی۔ یہ آخر میں ہوتا ہے، ہر نبی کو دعاء کی طاقت دی جاتی ہے کہ اس کو استعمال کرنا۔ خاص طور دعاء کی طاقت دی جاتی ہے۔ اپنا کام کر کے دیکھیں کہ نتیجہ نہیں آرہا ہے، اللہ کی بات مانی نہیں جارہی ہے، ظلم ہو رہا ہے، تو اب دعاء کا وقت آگیا، موسیٰ علیہ السلام نے دعاء مانگی۔ بڑی جلالی دعاء ہے۔ ﴿رَبَّنَا اطۡمِسۡ عَلٰى أَمۡوَالِهِمۡ وَاشۡدُدۡ عَلَى قُلُوبِهِمۡ فَلاَ يُؤۡمِنُواۡ حَتَّى يَرَوُاۡ الۡعَذَابَ الأَلِيمَ﴾ ان کے مالوں کو مٹادیں، ان کے دلوں کو بگاڑ دے تا کہ وہ تیرے عذاب کے لائق بن جاوے۔ پھر فرعون پر عذاب آیا اور ایک بھی نہیں بچا۔ ﴿فَلَمَّا آسَفُونَا انتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ فَأَغۡرَقۡنَاهُمۡ أَجۡمَعِينَ﴾ جب فرعونیوں نے ہمیں ناراض کیا، ہم نے ان کی گرفت کی

اور ان کو سمندر میں ڈبو دیا، پھر اُن سے مصر خالی ہو گیا۔ بنی اسرائیل کو وہاں پر آباد کیا۔ کیوں کہ ملک اللہ کا ہے، زمین اللہ کی ہے۔ اللہ جو چاہے وہ ہو گا۔

دعاء کام کے ساتھ اور کام دعاء کے ساتھ:

اللہ کی مدد ان لوگوں کے لئے ہو گی جو اللہ کے دین کی مدد کریں گے، یہ سب باتیں نبیوں کی سیرت میں ہیں۔ دعاء ہوئی، دعاء کی خبر آئی کہ ہم نے آپ کی دعاء قبول کر لی ہے آپ کام کرتے رہو۔ خالی دعاء نہیں ہوتی۔ دعاء کام کے ساتھ اور کام دعاء کے ساتھ ہوتا ہے۔ دعاء عمل کے ساتھ اور عمل دعاء کے ساتھ یہ اللہ کا اصول ہے۔ تو خبر آئی کہ تم دونوں کی دعاء ہم نے قبول کر لی ہے، اب آپ کو کیا کرنا ہے؟ کہ آپ کو دین کا کام کرتے رہنا ہے۔

نبیوں کی دعوت سالوں کی ہوتی تھی دنوں کی نہیں:

علماء کرام نے لکھا ہے کہ دعاء کی قبولیت کی خبر آنے کے بعد چالیس سال تک موسی علیہ السلام نے دعوت کا کام کیا، نبیوں کی دعوت سالوں والی ہوتی تھی، ہمارے جیسی دنوں والی نہیں ہوتی تھی، ہمارا چلہ تو دنوں کا ہوتا ہے۔ نبیوں کی دعوت کے چالیس چالیس سال تک ہوتی تھی۔ ﴿قَدۡ أُجِيبَت دَّعۡوَتُكُمَا فَاسۡتَقِيمَا﴾ آپ کی دعاء ہم نے قبول کر لی، فرعون کا ناس ہونے والا ہے، آپ اپنا کرتے رہو۔ کتنا کام کرنا ہے کہ علماء نے لکھا کہ اس کے بعد چالیس سال تک کام کیا ہے۔ پھر اللہ اس کا اثر دکھایا، ان کے لیے مصر خالی کروایا اور ان کو آباد کیا۔

اللہ طاقتور کو کمزور اور کمزور کو طاقتور بناتے ہیں:

اللہ تعالیٰ قدرت والے ہیں، کمزور کو قوی اور قوی کو کمزور کردیں۔ طاقتور کو بودا بنادیں اور بودے کو طاقتور بنادیں، ابابیل سے ہاتھیوں کا ناس کرایا۔ صحابہؓ کو یہ بات سنائی کہ ﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ﴾ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا ہے؟ یہ حضور ﷺ کے پیدائش سے دس پندرہ دن پہلے کا قصہ ہے، جب ہاتھی چڑھ آئے تھے کعبۃ اللہ کو توڑنے کے لئے، کوئی طاقت نہیں تھی، جو لوگ بیت اللہ کے اردگرد رہتے تھے ان کے پاس کوئی طاقت نہیں کہ ہاتھیوں لشکر کا مقابلہ کرے۔ عبدالمطلب حضور ﷺ کے دادا ذمہ دار تھے، ابرہہ نے ان کو بلایا کہ ہمارا ارادہ بیت اللہ کو توڑنے کا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس گھر کا مالک ایک اور ہے وہ اپنے گھر کو دیکھ لے گا، میں تو اپنے گھر کا مالک ہوں۔ پھر بیت اللہ کے پاس آکر دعاء مانگی کہ اے اللہ یہ تیرا گھر ہے، ہمارے پاس طاقت نہیں، عرب مارے ڈر کے پہاڑوں پر چڑھ گئے کہ ہاتھیوں کا لشکر آرہا ہے۔ پھر اللہ نے اپنی قدرت دیکھائی، جدہ کی طرف سے پرندوں کا ایک جھنڈ آیا، اور اوپر سے کنکریاں پھینکنی شروع کیں، وہ کنکری ایسا کام کرتی تھی جیسے کارتوس، آرپار نکل جاتی تھی، اس طرح اللہ بتاتے ہیں کہ ہم کمزورں کو طاقتور اور طاقتور کو کمزور بنادیتے ہیں۔ یہ اپنی قدرت کی مثال دی ہے۔

تم اللہ کے ہو جاؤ، اللہ تمہارا بچاؤ کرے گا:

صحابہؓ کو ہدایت دی کہ یہ کعبۃ اللہ اللہ کا گھر ہے، اللہ کے گھر کی حفاظت اللہ کرتے ہیں، ایسے ہی اگر تم اللہ والے ہو گئے اور تمہیں کوئی توڑنا چاہے گا تو سمجھ لو تمہارا بھی بچاؤ کریں گے۔ تم اللہ کے ہو جاؤ، اگر تم اللہ کے بندے بن جاؤ گے تو اللہ تمہارا ایسا بچاؤ کرے گا جیسا اس نے اپنے گھر کا بچاؤ کیا۔ ﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ﴾ کیا آپ نے دیکھا نہیں؟ چونکہ یہ قصہ بہت مشہور تھا، بڑا قصہ ہوتا ہے تو تاریخی بن جاتا ہے، عام الفیل بھی تاریخی قصہ بن گیا تھا، اس لئے یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ تم اللہ والے بنو، اگر تم کمزور ہو گئے تو کیا ہو گیا؟ اللہ سے بڑی کوئی طاقت نہیں ہے۔ اس لئے دلوں میں اللہ کی کبریائی، اللہ کی بڑائی، اللہ کا ڈر ہونا چاہئے۔ عمل میں اللہ کی اطاعت ہونی چاہئے پھر اللہ مددگار رہے۔ یہ فرمایا ہے، ﴿أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ﴾ کیا خدا بندہ کے لیے کافی نہیں ہے؟ جی ہاں! کیوں نہیں، اللہ ہی اپنے بندوں کے لئے کافی ہے۔

ہمارا کام کوئی معمولی چیز نہیں ہے:

ہمارا کام معمولی نہیں ہے، کام کرتے رہو، پھر دیکھو کیا نتیجہ آتا ہے۔ اسباب کم ہو، سامان کم ہو، تعداد کم ہو لیکن کام ہو۔ پھر یہ کام اسباب، سامان اور تعداد سب کی طرف سے کافی ہو جائے گا۔ اللہ کی مدد کام کی وجہ سے ہوتی ہے، کام ہوگا تو مدد

ہوگی۔رسول اللہ ﷺ جب پیدا ہوئے تو یتیم تھے، باپ پہلے ہی مر گئے، باپ کو نہیں دیکھا، پھر دادا کا سہارا مل گیا، اس طرح حالات ٹوٹتے ہی چلے گئے، پھر جب دعوت کا کام شروع کیا تو پوری قوم مخالف ہوگئی۔کوئی بھی ساتھ نہیں دیتا تھا، اور جو ساتھ دیتا اس کو بھی مارا جاتا تھا۔ ہر طرف سے بے کسی ہے، کوئی پرسانِ حال نہیں تھا۔

اسلام عجیب طریقہ سے شروع ہوا ہے:

ایک حدیث ہے: ''بَدَأَ الاِسْلَامُ غَرِیْباً وَسَیَعُوْدُ غَرِیْباً'' کہ اسلام شروع ہوا ہے، بے کسی کے عالم میں، اور آخر میں بے کسی ہوجائے گی، ایک ترجمہ تو اس کا یہ ہے اور دوسری ایک توضیح اور بھی ہے۔ ہمارے یہاں نظام الدین میں ایک مرتبہ ایک مصری عالم آئے تھے، عبدالفتاح ابوغدہؒ، بہت بڑے عالم ہیں، حضرت علی میاںؒ کے ساتھی تھے۔ میں اور مولانا عمر صاحب پالن پوریؒ بیٹھے ہوئے تھے، ہم سے بات کر رہے تھے تو یہ حدیث نکالی، چونکہ وہ محدّث تھے، وہ کہنے لگے کہ لوگ اس حدیث کا ترجمہ کرتے ہیں کہ اسلام شروع میں غریب تھا اور آخر میں بھی غریب ہوجائے گا، ٹھیک ہے ترجمہ تو ٹھیک ہے، لیکن اس ترجمہ سے طبیعتیں پست ہوجاتی ہیں، اس حدیث کی ایک اور توضیح بھی ہے، پھر باقاعدہ انہوں نے نحوی ترکیب کے ساتھ بتایا کہ اسلام عجیب وغریب طریقہ سے شروع ہوا ہے، اور عجیب طریقہ سے ترقی کرے گا۔ واقعی بات ہے کہ حضور یتیم ہیں، خاندان مخالف ہے، اطراف کی ساری حکومتیں بھی مخالف ہیں، جو عرب سرحدوں سے آتے تھے وہ آپ کو کہتے تھے کہ آپ کی

بات تو صحیح ہے لیکن ہماری بورڈر اور بادشاہوں کی بورڈر بہت قریب ہے، وہ آپ سے اور آپ کے کام سے ڈرتے ہیں، اس لئے ہم آپ کی بات قبول نہیں کر سکتے۔ تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مخالفت ہی مخالفت تھی، لیکن آپ کا کام شروع ہوا اور پھیل گیا اور آج بھی پھیلتا ہی چلا جا رہا ہے، رکا نہیں ہے۔

ہر وقت اللہ اور رسول کا کلمہ بلند ہوتا رہتا ہے:

میرے بھائیو! چوبیس گھنٹے اذان ہوتی ہے، ہمارے ملک میں اس وقت ہوتی ہے، دوسرے ملک میں اس کے بعد، سرحدوں کے حساب سے اوقات بدلتے ہیں، تو چوبیس گھنٹے نماز کی اذان ہوتی ہے، ہر وقت گواہی ہوتی ہے: اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمداً رسول الله میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ نے حضور ﷺ کے بارے میں فرمایا کہ "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ" ہم نے آپ کا ذکر بلند کر دیا۔ بلند ہوتا ہی رہے گا، کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔

اللہ کا دین قیامت تک چلے گا:

آپ کا دین قیامت تک چلے گا اور جو آپ کے دین کو لے کر چلے گا اللہ اس کی مدد کرے گا، یہ اللہ کی طرف سے طے شدہ بات ہے: ﴿إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ﴾ پہلی بات کہ ہم اپنے رسولوں کی مدد کریں گے، جب کوئی رسول آیا تو اللہ نے اس کی مدد کی، لوگوں نے اس کی مخالفت

کی، اللہ نے اس کی مدد کی تو اس کا کام ہو گیا، پھر وہ چلا گیا، پھر دوسرا رسول آیا ان کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا، ان کی بھی لوگوں نے مخالفت کی، ان کو مارا، ان کو قتل بھی کر دیا، ظلم تو ہوا اور ہوتا رہے گا، اللہ اپنا کام کرتا رہے گا، جن پر ظلم ہوگا اللہ انکو اوپر لائیں گے، حضور ﷺ نے ایک بات قسم کھا کر فرمائی ہے کہ جس پر ظلم ہوا، اس پر صبر کیا اور اپنی بات پر قائم رہا تو اللہ ان کو اوپر لائیں گے، زمین و آسمان اللہ کا ہے، اور اس میں اسی کا نظام چلتا ہے۔ اس لئے میرے بھائیو! اللہ کے رسول کے ذریعہ سے جو چیز ہم کو پہونچی ہے وہ حق ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اس کا حق ادا کریں، اپنی جان سے، اپنے مال سے، ایسی محنت کریں کہ اللہ کے دین کے لئے راستہ کھل جائے، جو اس راستہ کو کھلوانے کی محنت کریں گے، اس کا اجر وانعام بہت زیادہ ہے۔

صحابۂ کرامؓ کے دو حصے:

صحابۂ کرام کی جماعت کے دو حصے ہیں، ایک وہ گروہ ہے جو فتح مکہ سے پہلے ایمان لایا، دوسرا وہ ہیں جو فتح مکہ کے بعد ایمان لایا ہیں، جب تک مکہ فتح نہیں ہوا تھا راستے بند تھے، پھر اللہ نے مکہ کو فتح کر دیا، اور کعبہ کی چابیاں حضور ﷺ کے ہاتھ میں آگئی اور راستہ کھل گیا۔ پھر بہت سارے لوگ دین میں آئے۔ اللہ نے فرمایا جو لوگ راستہ کھلنے سے پہلے ایمان لائے اور وہ جو بعد میں ایمان لائے یہ دونوں برابر نہیں ہیں۔ جنہوں نے پہلے کام کیا اور راستہ کھلوایا ان کا درجہ ان بعد والوں سے زیادہ ہے۔

محنت ہوگی دین کے راستے کھلیں گے:

آج دین کے راستے بند ہو گئے ہیں، راستے کھلوانے ہیں، کیوں کہ تاجروں نے تجارت میں دین کا راستہ بند کردیا، اپنی مرضی سے تجارت کرتے ہیں، زمین داروں نے زمین میں دین کا راستہ بند کر دیا ہے، زمین داری میں دین کیا ہے کچھ معلوم نہیں۔اسی طرح ہر طاقت والے نے دین چھوڑ کر اپنی طاقت کا استعمال کرنا شروع کردیا، اس لئے دین کے راستے بند ہو گئے۔تاجروں کی بے دینی، زمین داروں کی بے دینی، حاکموں کی بے دینی، سب راستے بند ہیں۔محنت ہوگی تو راستے کھلیں گے۔پھر یہی لوگ دین پر آئیں گے، تاجر، مالدار سب لوگ دین پر آئیں گے اور اپنی تجارت اور مالداری کا دین پوچھیں گے۔عہدے دار دین پر آئیں گے اور عہدہ کا دین پوچھیں گے۔﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ کہ جو ہمارے راستے کی محنت کریں گے تو ہم انہیں اپنے راستے کی رہبری کریں گے، اللہ راستہ کھولیں گے، دشمن کو صحیح بات سمجھائیں گے، کیوں کہ ہم تو کسی کو دشمن نہیں سمجھتے، نبی کسی کو بھی اپنا دشمن نہیں سمجھتا کہ یہ میرا دشمن ہے۔لوگ کہتے تھے کہ حضور اس نے اتنا بڑا جرم کیا، اس کو مار ڈالو۔حضور ﷺ فرماتے تھے کہ نہیں! اسے مارنا نہیں ہے ورنہ لوگ باتیں کریں گے کہ محمد اپنے آدمیوں کو مرواتا ہے، ہمارا کوئی دشمن نہیں ہے۔

دین کی دعوت بارش کے پانی کی طرح ہے:

ہمارے دین کی دعوت تو بارش کے پانی کی طرح سب کے لئے ہے، ہر ایک کی زندگی بارش کے پانی کی وجہ سے ہے، چاہے وہ جانور ہو، درخت ہو، انسان ہو، کوئی بھی ہو، سب کی زندگی پانی پر ہے۔ حضور ﷺ فرماتے تھے کہ میرا دین بارش کے پانی کی طرح سب کے لئے ہے اور سب کی کامیابی اس دین میں ہے۔ جیسے پانی کے بغیر کوئی جی نہیں سکتا، ایسے ہی آپ ﷺ کے دین کے بغیر کوئی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ یہ دین رحمت بنا کر سب کے لئے اتارا ہے، یہ الگ بات ہے کہ کوئی اس کو قبول نہ کرے، ورنہ سب کے لئے رحمت، سب کی ہدایت اور سب کی کامیابی اسی میں ہے، اسی لئے امت پر ایک ذمہ داری ڈالی ہے کہ اپنے دین کے لیے ایسی محنت کرو کہ اس کے لئے راستے کھل جاویں۔

دین کا سب سے پہلا اور اہم سبق:

دین کا سب سے پہلا سبق یہ ہے کہ صحابہؓ کو حضور ﷺ نے دین کی محنت پر ڈالا، سب سے زیادہ مال دین کی محنت پر خرچ ہوا ہے۔ سب سے زیادہ جانیں دعوت کی محنت پر قربان ہوئی ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے گھروں میں فاقہ آیا، ایک کھجور کھا کر دین کا کام کیا ہے، اور وہ بھی سفر میں، تو کیا جب کھانا ختم ہو گیا تو کیا وہ گھر چلے گئے؟ نہیں! فاقہ کیا، ایسا ہو تو ہم کیا کریں گے، ہم کوشش کریں گے اور دعاء بھی مانگیں

گے، اللہ انتظام کرے گا، صحابہ نے ایک کھجور کھا کر گذارا کیا، کوئی گھر واپس نہیں چلا گیا۔ پھر اللہ کی مدد آئی کہ کھاؤ، اللہ نے کھانا کھلایا، مدینہ میں بھی کھلایا اور باہر بھی کھلایا، پورا پورا مجمع خندق کھود رہا ہے، بھوکا ہے، پیٹ پر پتھر بندھے ہوئے ہیں، منافق تو بہانہ بنا کر گھر چلے جا رہے ہیں، یہ مؤمنین گھر نہیں جاتے ہیں بلکہ ان حالات میں بھی دین پر جمے ہوئے ہیں، تو اللہ نے ان کو کھانا کھلایا۔

نبی امت کے ساتھ اور امت نبی کے ساتھ ہوتی ہے:

جابر ابن عبداللہؓ نے کھانا بنایا، بہت مختصر، صرف چار پانچ آدمیوں کا، گھر میں کچھ ہے ہی نہیں، پھر بھی میاں بیوی نے مشورہ کر کے کھانا بنایا، پھر حضرت جابرؓ نے حضور ﷺ سے کان میں جا کر کہا کہ تھوڑا سا کھانا بنایا ہے، آپ اور دو چار آدمی چپکے سے گھر تشریف لائیں۔ بیوی نے سمجھایا تھا کہ دیکھو چپکے سے کہنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ میری آبرو جاوے، چنانچہ آپ نے چپکے سے بات کی۔ لیکن چوں کہ نبی امت کے ساتھ ہوتا ہے اور امت نبی کے ساتھ ہوتی ہے، نبی حاکموں کی طرح نہیں ہوتا کہ وہ تو اپنی بناتے ہیں اور لوگوں کی بگاڑتے ہیں۔ نبی تو یہ سوچتا ہے کہ میں تکلیف میں تو لوگ بھی تکلیف میں اور لوگ تکلیف میں تو میں بھی تکلیف میں ہوں۔ جب لوگوں نے اپنے پیٹ پر ایک پتھر بتایا تو حضور ﷺ نے اپنے پیٹ پر دو پتھر بتائے کہ میری بھوک تمہاری بھوک سے زیادہ ہے، میں بھوک میں تمہارے ساتھ ہوں۔

نبی امت کے لیے والد کے مانند ہوتا ہے:

لہذا جب حضرت جابرؓ نے اپنے گھر آ کر کہا کہ حضور ﷺ نے تو اعلان کیا کہ چلو جابر کے یہاں دعوت ہے۔ ہماری جماعت والے کہتے ہیں کہ کھانا تو اجتماعی عمل ہے، تبلیغ والے کہتے ہیں کہ آٹھ عمل اجتماعی ہے۔کھائیں گے تو سب کھائیں گے اور بھوکے رہیں گے تو سب بھوکے رہیں گے، ایک آدمی کھائے اور ایک نہ کھائے ایسا نہیں ہوگا۔ حضرت جابرؓ نے تو کان میں کہا تھا کہ آپ اور دو چار ساتھی اور چلیں۔لیکن ایسا نہیں ہوگا، کھائیں گے تو سب کھائیں گے، کیوں کہ کام سب کر رہے ہیں، کام وہ کرے اور کھانے کا نمبر آوے تو میں، ایسا نبی نہیں کر سکتا ہے۔ نبی اپنی امت کے لیے ایسا ہوتا ہے جیسا بیٹوں کے لیے والد، حضور ﷺ نے فرمایا ”انا لکم مثل والد“ کہ میں تمہارے لیے ایسا ہوں جیسا کہ ایک ہمدرد باپ ہوتا ہے۔

ایمان اطمینان دلاتا ہے اور بے ایمانی پریشان کرتی ہے:

ذمہ داری امانت داری کے ساتھ ہوتی ہے،اس لیے آپ نے اعلان فرمایا کہ جابر کے یہاں دعوت ہے چلو۔ بیچارے جابرؓ کے تو پاؤں تلے سے زمین نکل گئی، وہ بھاگے بھاگے گھر گئے، بیوی کو ساری بات بتائی، وہ کوسنے لگی کہ میں تم کو اتنا سمجھا سمجھا کر بھیجا تھا پھر بھی جا کر بات بگاڑ دی۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے تو حضور کو پوری بات بتا دی تھی پھر بھی آپ نے اعلان فرما دیا،، بیوی سمجھدار تھی، انصار کی بیویاں

بڑی ایمان دار ہوتی تھیں۔کہنے لگی کہ کیا آپ نے بات بتادی تھی پھر بھی آپ ﷺ نے اعلان کردیا؟انہوں نے کہا: جی ہاں! کہنے لگی پھر تو کوئی بات نہیں،اب ان کی ذمہ داری ہے، ہماری کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ایمان اطمینان دلاتا ہےاور بے ایمانی پریشان کرتی ہے۔اس لیے کافر کو کبھی چین نہیں ہوتا،حالات سے بہت ڈرتا ہے۔

پہلے ناگوار حالات آتے ہیں پھر اللہ حالات بناتے ہیں:

حضرت جابرؓ کی بیوی کہنے لگی کہ جب حضور ﷺ نے اعلان کیا ہےتو وہ جانے اوران کا اعلان جانے،وہ خود کریں گے،اب ہماری ذمہ داری پوری ہوگئی،اس کو یقین کہتے ہیں اللہ پر،اللہ کے وعدوں پر یقین، یہ بہت بڑی دولت ہے۔یہ محنت اور قربانیوں سے حاصل ہوتی ہے۔چنانچہ کھانا کھلایا،سب نے کھایا،سب کو کھلایا،اور بچ بھی گیا۔پہلے کچھ ناگوار حالات آتے ہیں پھر اللہ حالات بناتے ہیں۔اس لئے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کہتے تھے کہ ہم نے تو ساری خیر ناگواریوں کے راستے سے ہی پائی ہے۔پوری زندگی کی رپورٹ دی ہے کہ "انا وجدنا خیر الخیر فی الکر" کہ ہم نے ساری خیر ناگواریوں کے راستہ سے پائی ہے۔ہم پر ناگواریاں آئیں ،ہمارے حالات ٹوٹ گئے ،پھر اللہ نے اپنی قدرت سے سارے حالات بنادیئے۔وہ تھوڑا سا وقفہ تھا جو گذر گیا۔سارے حالات بھاگ گئے، دشمن دوست ہوگئے۔

نبی کسی کو دشمن نہیں سمجھتے:

خالد بن ولیدؓ حضور ﷺ کے بہت بڑے دشمن تھے، ان کا قبیلہ بنی مخزوم بھی بہت طاقتور تھا، وہ ایک عرصے تک اسلام کے دشمن رہے اور مسلمانوں کو اس سے نقصان بھی بہت ہوا۔ احد کی لڑائی میں جو صحابہؓ شہید ہوئے وہ خالد کی بہادری کا اثر تھا، پھر جب انہوں نے حضور ﷺ کے اخلاق دیکھے تو نرم پڑ گئے اور خود ہی آئے اور ایمان لائے اس کے بعد دین کی اتنی خدمت کی کہ ان کو سیف اللہ کا خطاب ملا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ خالد بہت سمجھدار آدمی ہے، اگر یہ اپنی سمجھ کو ہمارے کام میں لگا وے تو ہم اس کی قدر کریں، اور اس کو ہم آگے آگے رکھیں، یہ بات آپ نے مجمع میں کہی، ان کے بھائی نے یہ بات سنی اور خالد کو پہنچائی کہ تو تو بھاگا بھاگا پھرتا ہے اور تیرے لیے تو وہاں یہ بات ہو رہی ہے۔ یہ حضور ﷺ کے اخلاق تھے، آپ کسی کو دشمن نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضرت خالدؓ نرم پڑ گئے اور ۸ ھ میں ایمان لائے، حضور ﷺ نے اپنی وفات سے پہلے ان کو دین کی دعوت دینے کے لیے بہت مرتبہ بھیجا ہے، انہوں نے بہت کام کیا۔ اور جب ان کی موت آئی تو انہوں نے اپنی ساری چیزیں اسلام کے لیے وقف کر دی تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت عباسؓ ابن عبدالمطلب ان کے پاس زکوۃ وصول کرنے کے لیے گئے، انہوں نے زکوۃ نہیں دی تو انہوں نے آ کر حضور ﷺ کو شکایت کی کہ خالد نے زکوۃ نہیں دی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ سب کچھ دین کے لیے دے چکا ہے، اب اس کے پاس مال ہی نہیں ہے

وہ کیا زکوۃ دے گا۔سب کچھ اللہ کے دین کے لیے وقف کر دیا پھر اس کے بعد ان کا انتقال ہوا۔

دین رحمت ہے:

دعوت رحمت ہے، دین رحمت ہے۔سب کے حالات ٹھیک ہو گئے ،وہ دشمنی میں تھے اب دین میں آ گئے، اللہ تعالیٰ نے دین اسی لیے دیا ہے کہ اس پر محنت کی جائے ،اس کو ٹالنا نہیں ہے، بلکہ فیصلہ کرنا ہے کہ مجھے تو دین کا کام کرنا ہی کرنا ہے جو ہونا ہو وہ ہو جائے۔کیا ہوگا؟ جو اللہ نے چاہا وہ ہوگا۔اب مجھے کیا کرنا ہے؟ کہ مجھے تو جو حکم ملا ہے اس کو بجالانا ہے۔مسلمان کا کام کیا ہے؟ مسلمان کا کام یہ ہے کہ اللہ کی بات مانیں۔اپنے حالات میں دعاء مانگیں اور مشورہ کریں۔ایسا تھوڑا ہے کہ دین پر چل چل کہ لوگ مر جائیں گے، دین پر چل کر کوئی نہیں مرا، ایسا کوئی نہیں ملے گا۔ ہاں! جو کھیلتے کھیلتے مر گئے ،دوسری نادانیوں سے مر گئے ایسے قصے تو بہت ملیں گے۔ہاں !دین کے لیے قربانیاں دینی پڑیں گی۔پھر حالات بنیں گے۔پھر بھوک نے بھوک کو دور کر دیا، پیاس نے پیاس کو دور کر دیا۔حضرت ہاجرہ اور اسماعیلؑ پر پیاس آئی اور پھر ایسی دور ہوئی کہ پھر پیاس کبھی آئی ہی نہیں ،وہ پانی اب تک ہے۔ پیاس نے پیاس کو ختم کر دیا کہ آئندہ کوئی پیاسا نہیں رہے گا۔دنیا بھر میں پانی جار ہا ہے، ان کی پیاس نے سب کی پیاس ختم کر دی۔صحابہ کرام کی بھوک نے سب کی بھوک ختم کر دی۔

دنیادھوکے کی جگہ ہے:

حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ عنقریب وہ زمانہ آئے گا کہ کھانے بڑھ جائیں گے، خالی پلیٹ اٹھالو، بھری پلیٹ رکھ دو۔ حدیثوں میں ہے "یوضع کأس ویرفع کأس "ایسا دور آئے گا کہ ایک برتن اٹھائیں گے، دوسرا برتن رکھیں گے۔ حضور ﷺ کی بات سچی ہے یہ ہو کر رہے گا، ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ﴾ اے لوگو! یاد رکھو، اللہ کا وعدہ حق ہے۔ کوئی نہ گھبراؤ، اپنی ذمہ داری پوری کرو، اگر اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی اور دین چھوٹ گیا تو دنیا ایک دھوکہ کا سامان ہے۔ ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ ﴾ خبردار دنیا دھوکہ نہ دیں، دنیا میں دھوکے ہوتے ہیں۔

تین چیزوں کی محنت کرنی ہے:

اس لئے ہمیں ایمان، اعمال اور اخلاق تین چیزیں بنانی ہیں۔ ایمان ایسا بنے جو اللہ کے دین کے تقاضوں پر لے جاوے، ایمان ایسا بنیں جو اللہ کے فرائض ادا کراوے۔ ایمان ایسا بنے جو اللہ کے حرام سے بچاوے، ایسا ایمان بنانا ضروری ہے۔ ایمان بنے گا تو دین زندگیوں میں بھی رہے گا اور دنیا میں بھی آوے گا، ہر کام کے تقاضے ہوتے ہیں، آدمی دکان کے تقاضے پورا کرتا ہے، دکان پر جاتا ہے، آتا ہے، ہمارا ایک ساتھی جمعرات کو ملا، اس سے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو تو کہنے لگا

کہ جاپان جارہا ہوں، آج جاتا ہوں آئندہ جمعرات کو واپس آجاؤں گا۔ میں نے پوچھا کیوں جارہے ہو؟ تو کہنے لگا کہ تجارت کا تقاضا ہے۔ایسے ہی علاج کا تقاضا ہوتا ہے، شادیوں کا تقاضا ہوتا ہے، یہ دنیا ہے، لوگ تقاضوں پر جاتے ہیں۔اسی طرح دین کے بھی تقاضے ہیں، اس کے لئے جاؤ، آؤ۔تقاضے پورے ہوں گے تو دین زندہ رہے گا، اس کے لئے ایمان بنانے کی ضرورت ہے کہ اپنا ایمان ایسا بناوے کہ جو اللہ کے دین کے تقاضوں پر کھڑا کردے۔ یہ تو فرض ہے، اور کرنا ہی کرنا ہے۔اس کے لئے دین کی محنت کرنی ہے تاکہ اعمال صحیح ہوجاویں۔

معاشرت بنے گی تو دین کے راستے کھلیں گے:

دوسرا اپنے اخلاق صحیح کرنے ہیں، جس کو معاشرت کہتے ہیں، ہمارا رہن سہن لوگوں کے ساتھ احسان والا ہو۔ہمیں اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ مسلمانوں کا رہن سہن، ان کی معاشرت احسان اور انصاف والی ہو۔یعنی جو اپنے لئے پسند کرے وہ اپنے بھائی کے لئے بھی پسند کریں گے، ہماری جان ومال سے دوسروں کو فائدہ ہوجائے یہ معاشرت کہلاتی ہے، اگر ہماری معاشرت ٹھیک ہوگئی تو دین کے راستے کھل جائیں گے۔ ہماری معاشرت بگڑی تو دین کے راستے بند ہوجائیں گے۔اگر ہمارا رہن سہن بگڑ گیا تو پھر کوئی دین میں نہیں آئے گا، گندی جگہ پر کون جائے گا؟ بلکہ نفرت ہوگی۔اس لئے حضور ﷺ نے انصار ومہاجرین کو سب سے پہلے بھائی بنایا۔ بھائی بن کر کام کرو، دشمن بن کر کام نہیں ہوتا۔ بھائی ہوگئے تو ہمدردی ہوگئی، خود

بھوکے رہتے تھے اور دوسروں کو کھانا کھلاتے تھے، اپنی حاجات سے پہلے دوسروں کی حاجت پوری کرتے تھے، اس لئے اسلامی ماحول بنانا ہے۔

مسلمانوں کی معاشرت احسان اور انصاف والی ہو:

دین کے لحاظ سے بھی احسان کرنا ہے اور دنیا کے اعتبار سے بھی ۔ یہ معاشرہ بنایا ہے، اکرام مسلم اسی لئے ہے۔ اکرام یعنی تمہاری معاشرت احسان والی، خدمت والی ، ہمدردی والی ہو۔ کسی کے ساتھ بھی ہو۔ کتے کو بھی پانی پلاوے تو جنت ملے تو انسانوں کو پلائیں گے تو کیا جنت نہیں ملے گی؟ مؤمن ہو، غیر مؤمن ہو، مسلم ہو، غیر مسلم ہو، ہمارا کام احسان کرنا ہے۔ لہذا اس بات کا حکم دیا کہ احسان کرو۔ مسلمان اپنی جان و مال کو خدمت پر لگاوے گا، خدمت خلق پر لگاوے گا اور اپنی ضرورت پر لگاوے گا۔ تاجر تجارت کرے گا، مزدور مزدوری کرے گا، کسان کھیتی کرے گا، اپنی جان و مال اپنی ضرورت پر لگاوے۔ یہ ترتیب ہے کہ جان و مال سب سے زیادہ دعوت پر، پھر احسان پر، پھر اپنی ضرورت پر لگے گا۔

فضول خرچی انسان کو کنگال کرتی ہے:

کسی سے مانگنا نہیں ہے، خود کمانا ہے اور اس کو دین پر لگانا ہے، ضرورتیں پوری کرنی ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوئی تو زندگیاں اسراف پر جائیں گی ، اور آج ایسا ہی ہو رہا ہے، مال اور وقت کو فضول خرچ کرنا، جب فضول خرچی پیدا ہو جائے گی تو یہ محتاج

بن جائیں گے۔ پھر کمانے میں لگ جائیں گے اور دین کے لیے وقت نہیں ملے گا۔ کیوں کہ زندگیاں اسراف پر چلی گئیں، کھانوں کا اسراف، کپڑوں کا اسراف، مکانوں کا اسراف، شادیوں کا اسراف۔ یہ اسراف آدمی کو کنگال کرتا ہے، اب قربانی کی طاقت نہیں ہے۔ اب کیا کسی پر احسان کریں گے، خود ہی محتاج بن گئے۔

اسراف برکت کو ختم کر دیتا ہے:

دعوت کا اصول یہ ہے کہ اپنی زندگیوں کو اسراف سے بچاؤ اور جان و مال کو حق پر لگاؤ، دعوت پر لگاؤ، خدمت پر لگاؤ پھر اپنی ضرورت میں لگاؤ۔ اس سے مال میں برکت ہوگی، جب اسراف ہوتا ہے تو برکت نہیں ہوتی۔ اسراف سے مال کو بچایا اور تقوی پر لگایا تو اب برکت آئے گی۔ حضرت جیؒ فرماتے تھے کہ کوئی اسراف نہ کرے، یہ دعوت کا اصول ہے، یہ اصول صرف دعوت پھرنے کے زمانہ تک نہیں ہے، اس کو اپنی زندگی میں لانا ہے۔ اس لئے دعوت کے راستہ میں نکالا جاتا ہے تا کہ جو سنے وہ زندگی میں آئے۔ ایمان، اعمال اور اخلاق زندگی میں آئے یہ پاکیزہ زندگی ہے۔ اللہ پاک کا اس پر وعدہ ہے، ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُواْ يَعْمَلُونَ﴾ کہ جو ایمان لائیں گے اور اخلاص کے ساتھ اعمال کریں گے تو اللہ ان کو پاک زندگی دیں گے، ہماری زندگی ہر پریشانیوں سے پاک ہوجائے گی۔ دلوں میں چین اور اطمینان آئے

گا۔آپس میں محبتیں پیدا ہوں گی اور اسباب میں برکتیں پیدا ہوں گی۔پاک زندگی کے اثرات بتائے ہیں۔اورآخرت کابدلہ وہ تو الگ ہے۔

اللہ کے وعدے سچے ہیں:

اس لئے میرے بھائیو! اس کام کے لیے قدم اٹھانے ہیں اوراللہ سے مانگنا ہے کہ اللہ ہمیں یہ کام نصیب کرے، اور ہم اس کا حق ادا کریں تا کہ اللہ ہم سے راضی ہوجائے۔صحابہؓ نے اس کا حق ادا کیا، اللہ راضی ہوگئے، ان کی دنیا بھی بنی اور آخرت بھی بنی۔ان کوکوئی شکایت نہیں رہی۔اللہ کے وعدے سچ ہیں کہ جواللہ کے دین کی مدد کرے گا، اللہ اس کی مدد کریں گے۔

دعاء

بسم الله الرحمن الرحیم : اَللّٰھُمَّ لَکَ الحَمْدُ کُلُّہٗ وَلَکَ الشُّکْرُ کُلُّہٗ وَلَکَ المُلْکُ کُلُّہٗ وَلَکَ الخَلْقُ کُلُّہٗ بِیَدِکَ الخَیْرُ کُلُّہٗ وَاِلَیْکَ یَرْجِعُ الاَمْرُ کُلُّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہٗ المُلْکُ وَلَہُ الحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ . اَللّٰھُمَّ یَآ حِرْزَ الضُّعَفَاءِ یَا کَنْزَ الْفُقَرَاءِ یَا عَظِیْمَ الرَّجَاءِ یَامُنْقِذَ الھَلْکٰی یَا مُنْجِیَ الغَرْقٰی یَامُحْسِنُ یَامُجْمِلُ یَامُنْعِمُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَکَ صلی اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰالِمِیْنَ. لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰالِمِیْنَ. لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰالِمِیْنَ. اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَامُحَمَّدٍ النَّبِیِّ الاُمِّی وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْن، .اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَامُحَمَّدٍ النَّبِیِّ الاُمِّی وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْن، اَللّٰھُمّ جَزَی اللّٰہُ عنَّا نَبِیَّنَا بِمَا ھُوَ اَھْلُہٗ واجْزِ الاَنْبِیاءَ کُلَّہٗ وَسَلَامٌ عَلٰی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ العَالَمِیْنَ ــ رَبَّنَاظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَاوَتَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الخٰسِرِیْن ، رَبَّنَاظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَاوَتَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الخٰسِرِیْن ،رَبَّنَاظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَاوَتَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الخٰسِرِیْن ـرَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَاذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّار،رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَاذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّار،رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَاذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارـ اَللّٰھُمَّ اَقْبِلْ بِقُلُوْبِنَا اِلٰی دِیْنِکَ واقْبِلْ بِقُلُوْبِ جَمِیْعِ الْمُسْلِمِیْنَ عَلٰی طَاعَتِکَ ـ اللّٰھُمَّ اِنَّ قُلُوْبَنَا وَنَوَاصِیَنَا وَجَوَارِحَنَا بِیَدِکَ لَمْ تُمَلِّکْنَا مِنْھَا شَیْئًا فَاِذَا فَعَلْتَ ذٰلِکَ بِنَا فَکُنْ اَنْتَ وَلِیَّنَا

وَاهْدِنَآ اِلٰی سَوَآءِ السَّبِیْل اَللّٰھُمَّ کُنْ اَنْتَ وَلِیَّنَا وَاهْدِنَآ اِلٰی سَوَآءِ السَّبِیْل، اَللّٰھُمَّ کُنْ اَنْتَ وَلِیَّنَا وَاهْدِنَآ اِلٰی سَوَآءِ السَّبِیْل. ۔اَللّٰھُمَّ اٰعْطِ نَفْسِیْ تَقْوٰھَا وَزَکِّھَآ اَنْتَ خَیْرُمَنْ زَکّٰھَآ اَنْتَ وَلِیُّھَا وَمَوْلٰھَا، اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنَا مَرَاشِدَ اُمُوْرِنَا وَاَعِذْنَا مِنْ شُرُوْرِنُفُوْسِنَا،اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنَا مَرَاشِدَ اُمُوْرِنَا وَاَعِذْنَا مِنْ شُرُوْرِنُفُوْسِنَا،اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنَا مَرَاشِدَ اُمُوْرِنَا وَاَعِذْنَا مِنْ شُرُوْرِنُفُوْسِنَا۔رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَاحَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِحَسَنَۃً وَّقِنَاعَذَابَ النَّار

اے اللہ ہماری مغفرت فرمادے، اس مجمع کی مغفرت فرمادے،ہمارے گناہ تیرے سامنے ہیں،اے تو سب کچھ جانتاہے،تو ہمیں معاف فرمادے،تونے ہمارے گناہوں پرستاری معاملہ کیاہے، ہمارے عیبوں کو چھپایاہے۔اے اللہ یہ تیرافضل وکرم ہے،اپنےفضل کرنے سے ہمارے گناہوں کو معاف فرما، ایک ایک کی مغفرت فرمادے۔ پوری امت کی پوری مغفرت فرمادے،اے اللہ ! پوری امت کی پوری مغفرت فرمادے،اے اللہ ! پوری امت کی پوری مغفرت فرمادے،رشد وہدایت سے مالامال فرمادے۔اے اللہ! رشد وہدایت سے مالامال فرمادے۔تیری رضاوالے راستے پرموت تک قائم فرمادے۔اے اللہ!موت سے پہلے سچی پکی توبہ نصیب فرمادے۔اے اللہ!حق والوں کےحق اداکرنے کی توفیق عطافرمادے۔تیرے جو حقوق ہے وہ بھی اداکرادے،اس میں جوکمی رہ جائے اس کوبھی معاف فرمادے۔دوسروں کے حقوق کے بارے میں بھی ہماری مددفرمادے۔ہم کوکسی حق میں گرفتارنہ فرما۔اے اللہ! ہم کسی کےحق میں گرفتارنہ ہو، تیرے حق میں بھی گرفتارنہ ہو۔ہماری بھرپورمغفرت فرمادے۔اے اللہ! پوری امت کی مغفرت فرمادے۔